اِسلام

اور

جدید معاشی مسائل

جلد ششم

سُود اور اُس کا متبادل

٦

شیخ الاسلام جسٹس (ر) مولانا مُحمّد تقی عثمانی دامت برکاتہم

اِدارۂ اِسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

اِسلام

اور

جدید معاشی مسائل

جلد ششم

سُود اور اُس کا متبادل

اِسلام

اور

جدید معاشی مسائل

جلد ششم

سُود اور اُس کا متبادل

شیخ الاسلام جسٹس (ر) مولانا مُحمّد تقی عثمانی دامت برکاتہم

ترتیب و تالیف

مولانا مفتی محمود احمد صاحب
دارالافتاء جامعہ اشرفیہ۔ لاہور

ادارۂ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ ۱۴ دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۴۱۲، فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۷۸۵

★ ۱۹۰ انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵

★ موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی
فون ۲۷۲۲۴۰۱

نام کتاب

اسلام
اور
جدید معاشی مسائل

جلد ششم

سُود اور اُس کا متبادل

اشاعت اول

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ ـــــ جون ۲۰۰۸ء

ادارۂ اسلامیات
پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

۱۴- دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور فون ۷۳۲۴۴۱۲ فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲+

۱۹۰- انارکلی، لاہور - پاکستان ....فون ۷۲۴۳۹۹۱-۷۳۵۳۲۵۵

موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی - پاکستان.....فون ۲۷۲۲۴۰۱

ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر۱۴

مکتبہ دار العلوم، جامعہ دار العلوم، کورنگی، کراچی نمبر۱۴

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، چوک لسبیلہ، کراچی

دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی نمبر۱

بیت القرآن، اردو بازار، کراچی نمبر۱

بیت العلوم، نابھہ روڈ، لاہور

فہرست مضامین

آیاتِ قرآن متعلقہ اَحکامِ رِبا ۲۴۵

چہل حدیث متعلقہ حرمتِ رِبا ۲۶۵

تجارتی سود ۔ عقل اور شرع کی روشنی میں ۲۸۷

سودی نظام کی خرابیاں

اور

اس کا متبادل

''سودی نظام کی خرابیاں اور اس کا متبادل'' یہ رسالہ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ کا ایک خطاب ہے جو جامع مسجد اورلینڈو۔ فلوریڈا، امریکہ میں ہوا، اور اس کو مولانا عبداللہ میمن صاحب نے ضبط کیا ہے، حضرت والا مدظلہ العالی نے سودی نظام کا تعارف، اس کی تباہ کاری اور اس کے شرعی متبادل پر انتہائی بصیرت افروز خطاب فرمایا ہے، جس کے مندرجات اگرچہ اس کتاب کے اگلے صفحات میں آپ بالتفصیل پڑھیں گے لیکن حضرت والا دامت برکاتہم کا یہ خطاب انتہائی منضبط، جامع اور مختصر خطاب ہے، جس میں بعض لطائف وامثلہ کے ذریعے مسئلہ کی خوب وضاحت ہوگئی ہے، ایک عام قاری کے لئے مسئلۂ سود کو آسانی سے سمجھنے کے لئے بڑا پُراثر خطاب ہے، ان افادات کے پیشِ نظر اس کو مسئلۂ سود کی تفصیلی مباحث سے قبل ذکر کیا جارہا ہے، اور بعد میں آنے والی مباحث کو تکرار کے بجائے اس اجمال کی تفصیل سمجھا جائے۔ ۱۲ محمود احمد

بسم الله الرحمن الرحيم.

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، واشهد ان سيدنا وسندنا ونبينا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه وبارك وسلم تسليمًا كثيرا، اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم: "يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ." (سورة البقرہ: ٢٧٦)

امنت بالله صدق الله مولانا العظيم وصدق رسوله النبى الكريم ونحن على ذلك من الشاهدين والشاكرين، والحمد لله رب العالمين.

مغربی دنیا کے مسلمانوں کی مشکلات

میرے محترم بھائیو اور بہنو! آج کی اس نشست کے لئے جو موضوع تجویز کیا گیا ہے وہ ''رِبا'' سے متعلق ہے۔ جس کو اردو میں ''سود'' اور انگریزی میں Usury یا Interest کہا جاتا ہے۔ اور غالبًا اس موضوع کو اختیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یوں تو ساری دنیا میں اس وقت سود کا نظام چلا ہوا ہے، لیکن بالخصوص مغربی دنیا میں جہاں آپ حضرات قیام پذیر ہیں، وہاں بیشتر معاشی سرگرمیاں سود کی بنیاد پر چل رہی ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو قدم قدم پر یہ مسئلہ درپیش ہوتا ہے کہ وہ کس طرح معاملات کریں اور سود سے کس طرح چھٹکارا حاصل کریں۔ اور آج کل مختلف قسم کی غلط فہمیاں بھی لوگوں کے درمیان پھیلائی جارہی ہیں کہ آجکل معاشی زندگی میں جو Interest چل رہا ہے وہ درحقیقت حرام نہیں ہے اس لئے کہ یہ اس ''رِبا'' کی تعریف میں داخل نہیں ہوتا جس کو قرآنِ کریم نے حرام قرار دیا تھا۔ ان تمام باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے مجھے اس وقت یہ موضوع دیا گیا ہے کہ میں Interest کے موضوع پر جو بنیادی معلومات ہیں وہ قرآن وسنت اور موجودہ حالات کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کروں۔

سودی معاملہ کرنے والوں کے لئے اعلانِ جنگ

سب سے پہلی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ ''سود'' کو قرآنِ کریم نے اتنا بڑا گناہ قرار دیا ہے کہ شاید کسی اور گناہ کو اتنا بڑا گناہ قرار نہیں دیا۔ مثلاً شراب نوشی، خنزیر کھانا، زناکاری، بدکاری وغیرہ کے لئے قرآنِ کریم میں وہ الفاظ استعمال نہیں کیے گئے جو ''سود'' کے لئے استعمال کیے گئے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ:

"يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فاذنوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"(۱)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ''سود'' کا جو حصہ بھی رہ گیا ہو اس کو چھوڑ دو، اگر تمہارے اندر ایمان ہے۔ اگر تم ''سود'' کو نہیں چھوڑو گے،'' یعنی سود کے معاملات کرتے رہو گے ''تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔'' یعنی ان کے لئے اللہ کی طرف سے لڑائی کا اعلان ہے، یہ اعلانِ جنگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی گناہ پر نہیں کیا گیا۔ چنانچہ جو لوگ شراب پیتے ہیں، ان کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے یا جو خنزیر کھاتے ہیں ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور نہ یہ کہا گیا کہ جو ''زنا'' کرتے ہیں ان کے خلاف اعلانِ جنگ ہے؛ لیکن ''سود'' کے بارے میں فرمایا کہ جو لوگ سود کے معاملات کو نہیں چھوڑتے ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ اتنی سخت اور سنگین وعید اس پر وارد ہوئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس پر اتنی سنگین اور سخت وعید کیوں ہے؟ اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے معلوم ہو جائے گی۔

''سود'' کس کو کہتے ہیں

لیکن اس سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ''سود'' کس کو کہتے ہیں؟ ''سود'' کیا چیز ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ جس وقت قرآنِ کریم نے ''سود'' کو حرام قرار دیا اس وقت اہلِ عرب میں ''سود'' کا لین دین متعارف اور مشہور تھا۔ اور اس وقت ''سود'' اسے کہا جاتا تھا کہ کسی شخص کو دیئے ہوئے قرض پر طے کر کے کسی بھی قسم کی زیادہ رقم کا مطالبہ کیا جائے۔ مثلاً میں نے آج ایک شخص کو سو روپے بطور قرض دیئے اور میں اس سے کہوں کہ میں ایک مہینے کے بعد یہ رقم واپس لوں گا اور تم مجھے ایک سو دو روپے واپس کرنا، اور یہ پہلے سے میں نے طے کر دیا کہ ایک ماہ بعد ایک سو دو روپے واپس لوں گا تو یہ ''سود'' ہے۔

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۷۸،۲۷۹۔

معاہدہ کے بغیر زیادہ دینا سود نہیں

پہلے سے طے کرنے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگر پہلے سے کچھ طے نہیں کیا ہے، مثلاً میں نے کسی کو سو روپے قرض دے دیئے اور میں نے اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا کہ تم مجھے ایک سو دو روپے واپس کرو گے، لیکن واپسی کے وقت اس نے اپنی خوشی سے مجھے ایک سو دو روپے دے دیئے۔ اور ہمارے درمیان یہ ایک سو دو روپے واپس کرنے کی بات طے شدہ نہیں تھی، تو یہ سود نہیں ہے اور حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔

قرض کی واپسی کی عمدہ شکل

خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے کہ جب آپ کسی کے مقروض ہوتے تو وہ قرض خواہ قرض کا مطالبہ کرتا تو آپ وہ قرض کچھ زیادتی کے ساتھ بڑھتا ہوا واپس فرماتے، تاکہ اس کی دل جوئی ہو جائے لیکن یہ زیادتی چونکہ پہلے سے طے شدہ نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ ''سود'' نہیں ہوتی تھی اور حدیث کی اصطلاح میں اس کو ''حسن القضاء'' کہا جاتا ہے، یعنی اچھے طریقے سے قرض کی ادائیگی کرنا۔ اور ادائیگی کے وقت اچھا معاملہ کرنا، اور کچھ زیادہ دے دینا، یہ ''سود'' نہیں ہے بلکہ نبی کریم ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ:

"ان خیارکم احسنکم قضاء." (۱)

یعنی تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرض کی ادائیگی میں اچھا معاملہ کرنے والے ہوں۔ لیکن اگر کوئی شخص قرض دیتے وقت یہ طے کرلے کہ میں جب واپس لوں گا تو زیادتی کے ساتھ لوں گا، اس کو ''سود'' کہتے ہیں۔ اور قرآنِ کریم نے اسی کو سخت اور سنگین الفاظ کے ساتھ حرام قرار دیا۔ اور سورۃ البقرہ کے تقریباً پورے دو رکوع اس ''سود'' کی حرمت پر نازل ہوئے ہیں۔

قرآنِ کریم نے کس ''سود'' کو حرام قرار دیا؟

بعض اوقات ہمارے معاشرے میں یہ کہا جاتا ہے کہ جس ''سود'' کو قرآنِ کریم نے حرام قرار دیا تھا وہ درحقیقت یہ تھا کہ اس زمانے میں قرض لینے والا غریب ہوتا تھا اور اس کے پاس روٹی اور کھانے کے لئے پیسے نہیں ہوتے تھے۔ اگر وہ بیمار ہے تو اس کے پاس علاج کے لئے پیسے نہیں ہوتے

(۱) صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب حسن القضاء، حدیث نمبر ۲۳۹۳۔

تھے۔ اگر گھر میں کوئی میت ہوگئی ہے تو اس کے پاس اس کو کفنانے اور دفنانے کے پیسے نہیں ہوتے تھے، ایسے موقع پر وہ غریب بیچارہ کسی سے پیسے مانگتا تو وہ قرض دینے والا اس سے کہتا کہ میں اس وقت تک قرض نہیں دوں گا جب تک تم مجھے اتنا فیصد زیادہ واپس نہیں دو گے، تو چونکہ یہ ایک انسانیت کے خلاف بات تھی کہ ایک شخص کو ایک ذاتی ضرورت ہے اور وہ بھوکا اور ننگا ہے، ایسی حالت میں اس کو سود کے بغیر پیسے فراہم نہ کرنا ظلم اور زیادتی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا اور سود لینے والے کے خلاف اعلانِ جنگ کیا۔

لیکن ہمارے دور میں اور خاص طور پر بینکوں میں جو سود کے ساتھ روپے کا لین دین ہوتا ہے اس میں قرض لینے والا کوئی غریب اور فقیر نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات وہ بڑا دولت مند اور سرمایہ دار ہوتا ہے اور وہ قرض اس لئے نہیں لیتا کہ اس کے پاس کھانے کو نہیں ہے، یا اس کے پاس پہننے کے لئے کپڑے نہیں ہیں، یا وہ کسی بیماری کے علاج کے لئے قرض لے رہا ہے، بلکہ وہ اس لئے قرض لے رہا ہے تاکہ ان پیسوں کو اپنی تجارت اور کاروبار میں لگائے اور اس سے نفع کمائے۔ اب اگر قرض دینے والا شخص یہ کہے کہ تم میرے پیسے اپنے کاروبار میں لگاؤ گے اور نفع کماؤ گے تو اس نفع کا دس فیصد بطور نفع کے مجھے دو تو اس میں کیا قباحت اور برائی ہے؟ اور یہ وہ "سود" نہیں ہے جس کو قرآنِ کریم نے حرام قرار دیا ہے، یہ اعتراض دنیا کے مختلف خطوں میں اُٹھایا جاتا ہے۔

تجارتی قرض (Commercial Loan)

ابتدائی زمانے میں بھی تھے

ایک اعتراض یہ اُٹھایا ہے کہ یہ کاروباری سود (Commercial Interest) اور یہ تجارتی قرض (Commercial Loan) حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں نہیں تھے، بلکہ اس زمانے میں ذاتی اخراجات اور ذاتی استعمال کے لئے قرضے لئے جاتے تھے لہٰذا قرآنِ کریم اس کو کیسے حرام قرار دے سکتا ہے جس کا اس زمانے میں وجود ہی نہیں تھا۔ اس لئے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے جس "سود" کو حرام قرار دیا ہے، وہ غریبوں اور فقیروں والا "سود" تھا۔ اور یہ کاروباری سود حرام نہیں ہے۔

صورت بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی

پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی چیز کے حرام ہونے کے لئے یہ بات ضروری نہیں ہے کہ وہ اس خاص صورت میں حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں بھی پائی جائے اور حضور ﷺ کے زمانے میں اس انداز سے اس کا وجود بھی ہو۔ قرآنِ کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے اور اس حقیقت کو وہ حرام قرار دیتا ہے چاہے اس کی کوئی خاص صورت حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں موجود ہو یا نہ ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ قرآنِ کریم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے۔ اور شراب کی حقیقت یہ ہے کہ ایسا مشروب جس میں نشہ ہو۔ اب آج اگر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ صاحب! آجکل کی یہ وہسکی (Whisky) بیئر (Beer) اور برانڈی (Brandy) حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں تو پائی نہیں جاتی تھی، لہٰذا یہ حرام نہیں ہے، تو یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں اگرچہ یہ اس خاص شکل میں موجود نہیں تھی، لیکن اس کی حقیقت یعنی ''ایسا مشروب جو نشہ آور ہو'' موجود تھی اور آنحضرت ﷺ نے اس کو حرام قرار دے دیا تھا۔ لہٰذا اب وہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔ اب چاہے شراب کی نئی شکل آ جائے اور اس کا نام چاہے وہسکی رکھ دیا جائے یا برانڈی رکھ لو یا بیئر رکھ لو یا کوک (Coke) رکھ لو، نشہ آور مشروب ہر شکل اور ہر نام کے ساتھ حرام ہے۔

اس لئے یہ کہنا کہ ''کمرشل لون'' (Commercial Loan) چونکہ اس زمانے میں نہیں تھے بلکہ آج پیدا ہوئے ہیں اس لئے حرام نہیں ہیں، یہ خیال درست نہیں۔

ایک لطیفہ

ایک لطیفہ یاد آیا۔ ہندوستان کے اندر ایک گویا (گانے والا) تھا۔ وہ ایک مرتبہ حج کرنے چلا گیا۔ حج کے بعد وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جا رہا تھا کہ راستے میں ایک منزل پر اس نے قیام کیا۔ اس زمانے میں مختلف منزلیں ہوتی تھیں۔ لوگ ان منزلوں پر رات گزارتے اور اگلے دن صبح آگے کا سفر کرتے۔ اس لئے گویئے نے راستے میں ایک منزل پر رات گزارنے کے لئے قیام کیا اور اس منزل پر ایک عرب گویا بھی آ گیا، اور اس نے وہاں بیٹھ کر عربی میں گانا بجانا شروع کر دیا۔ عرب گویے کی آواز ذرا بھدی اور خراب تھی۔ کریہۃ الصوت تھا۔ اب ہندوستانی گویے کو اس کی آواز بہت بُری لگی۔ اور اس نے اُٹھ کر کہا کہ آج یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ حضور اقدس ﷺ نے گانا بجانا کیوں حرام

قرار دیا تھا۔ اس لئے کہ آپ ﷺ نے ان بدوؤں کا گانا سنا تھا اس لئے حرام قرار دے دیا۔ اگر آپ میرا گانا سن لیتے تو آپ گانا بجانا حرام قرار نہ دیتے۔

آج کل کا مزاج

آجکل یہ مزاج بن گیا ہے کہ ہر چیز کے بارے میں لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب! حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں یہ عمل اس طرح ہوتا تھا، اس لئے آپ نے اس کو حرام قرار دے دیا۔ آج چونکہ یہ عمل اس طرح نہیں ہو رہا ہے لہٰذا وہ حرام نہیں ہے۔ کہنے والے یہاں تک کہہ رہے ہیں کہ خنزیروں کو اس لئے حرام قرار دیا گیا تھا کہ وہ گندے ماحول میں پڑے رہتے تھے، غلاظت کھاتے تھے، گندے ماحول میں ان کی پرورش ہوتی تھی، اب تو بہت صاف ستھرے ماحول میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور ان کے لئے اعلیٰ درجے کے فارم قائم کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا اب ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

شریعت کا ایک اصول

یاد رکھئے! قرآنِ کریم جب کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ اس کی صورتیں چاہے کتنی بدل جائیں اور اس کو بنانے اور تیار کرنے کے طریقے چاہے کتنے بدلتے رہیں، لیکن اس کی حقیقت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ اور وہ حقیقت حرام ہوتی ہے، یہ شریعت کا اصول ہے۔

زمانۂ نبوت کے بارے میں ایک غلط فہمی

پھر یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں تجارتی قرضوں (Commercial Loan) کا رواج نہیں تھا۔ اور سارے قرضے صرف ذاتی ضرورت کے لئے لیے جاتے تھے۔ اس موضوع پر میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ نے ''مسئلہ سود'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کا دُوسرا حصہ میں نے لکھا ہے۔ اس حصہ میں میں نے کچھ مثالیں پیش کی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے زمانے میں بھی تجارتی قرضوں کا لین دین ہوتا تھا۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ عرب صحرانشین تھے تو اس کے ساتھ ہی لوگوں کے ذہن میں یہ تصور آتا ہے کہ وہ معاشرہ جس میں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تھے وہ ایسا سادہ اور معمولی معاشرہ ہوگا جس میں تجارت وغیرہ تو ہوتی نہیں ہوگی اور اگر تجارت ہوتی بھی ہوگی تو صرف گندم اور جَو وغیرہ کی

ہوتی ہوگی۔ اور وہ بھی دس بیس روپے سے زیادہ کی نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ کوئی بڑی تجارت نہیں ہوتی ہوگی۔ عام طور پر ذہن میں یہ تصور بیٹھا ہوا ہے۔

ہر قبیلہ جائنٹ اسٹاک کمپنی ہوتا تھا

لیکن یاد رکھئے یہ بات درست نہیں۔ عرب کا وہ معاشرہ جس میں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اس میں بھی آج کی جدید تجارت کی تقریباً ساری بنیادیں موجود تھیں۔ مثلاً آجکل ''جائنٹ اسٹاک کمپنیاں'' ہیں۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ چودھویں صدی کی پیداوار ہے۔ اس سے پہلے ''جائنٹ اسٹاک کمپنی'' کا تصور نہیں تھا۔ لیکن جب ہم عرب کی تاریخ پڑھتے ہیں تو یہ نظر آتا ہے کہ عرب کا ہر قبیلہ ایک مستقل ''جائنٹ اسٹاک کمپنی'' ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ہر قبیلے میں تجارت کا طریقہ یہ تھا کہ قبیلہ کے تمام آدمی ایک روپیہ دو روپیہ لاکر ایک جگہ جمع کرتے اور وہ رقم ''شام'' بھیج کر وہاں سے سامانِ تجارت منگواتے۔ آپ نے تجارتی قافلوں (Commercial Caravan) کا نام سنا ہوگا۔ وہ ''کاروان'' یہی ہوتے تھے کہ سارے قبیلے نے ایک ایک روپیہ جمع کر کے دُوسری جگہ بھیجا اور وہاں سے سامانِ تجارت منگوا کر یہاں فروخت کر دیا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں یہ جو فرمایا کہ:

"لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ"(۱)

وہ بھی اسی بناء پر کہ یہ عرب کے لوگ سردیوں میں یمن کی طرف سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے اور گرمیوں اور سردیوں کے یہ سفر محض تجارت کے لئے ہوتے تھے۔ یہاں سے سامان لے جا کر وہاں بیچ دیا، وہاں سے سامان لا کر یہاں بیچ دیا، اور بعض اوقات ایک ایک آدمی اپنے قبیلے سے دس لاکھ دینار قرض لیتا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس لئے قرض لیتا تھا کہ اس کے گھر میں کھانے کو نہیں تھا؟ یا اس کے پاس میّت کو کفن دینے کے لئے کپڑا نہیں تھا؟ ظاہر ہے کہ جب وہ اتنا بڑا قرض لیتا تھا تو وہ کسی کمرشل مقصد کے لئے لیتا تھا۔

سب سے پہلے چھوڑا جانے والا سود

جب حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سود کی حرمت کا اعلان فرمایا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

"وربا الجاهلية موضوع واول ربًا اضع ربانا ربا عباس بن

(۱) سورۃ قریش:۱۔

عبدالمطلب فانه موضوع كله،"(۱)

یعنی (آج کے دن) جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو میں چھوڑتا ہوں وہ ہمارے چچا حضرت عباس کا سود ہے، وہ سب کا سب ختم کر دیا گیا، چونکہ حضرت عباس ﷛ لوگوں کو سود پر قرض دیا کرتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ آج کے دن میں ان کا سود جو دُوسرے لوگوں کے ذمے ہے، وہ ختم کرتا ہوں اور روایات میں آتا ہے کہ وہ دس ہزار مثقال سونا تھا، اور تقریباً ۴ ماشے کا ایک مثقال ہوتا ہے، اور یہ دس ہزار مثقال کوئی سرمایہ (Principal) نہیں تھا، بلکہ یہ سود تھا جو لوگوں کے ذمے اصل رقوم پر واجب ہوا تھا۔

اس سے اندازہ لگایئے کہ وہ قرض جس پر دس ہزار کا سود لگ گیا ہو، کیا وہ قرض صرف کھانے کی ضرورت کے لئے لیا گیا تھا! ظاہر ہے کہ وہ قرض تجارت کے لئے لیا گیا ہوگا۔

عہدِ صحابہ ﷡ میں بینکاری کی ایک مثال

حضرت زبیر بن عوام ﷛ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، انہوں نے اپنے پاس بالکل ایسا نظام قائم کیا ہوا تھا جیسے آجکل بینکنگ کا نظام ہوتا ہے۔ لوگ جب ان کے پاس اپنی امانتیں لاکر رکھواتے تو یہ ان سے کہتے کہ میں یہ امانت کی رقم بطور قرض لیتا ہوں، یہ رقم میرے ذمے قرض ہے۔ اور پھر آپ اس رقم کو تجارت میں لگاتے۔ چنانچہ جس وقت آپ کا انتقال ہوا تو اس وقت جو قرض ان کے ذمہ تھا، اس کے بارے میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیر ﷠ فرماتے ہیں کہ:

"فحسبت ما عليه من الديون فوجدته الفي الف و مائتى الف."

یعنی میں نے ان کے ذمہ واجب الاداء قرضوں کا حساب لگایا تو وہ بائیس لاکھ دینار نکلے۔(۲)

لہٰذا یہ کہنا کہ اس زمانے میں تجارتی قرض نہیں ہوتے تھے، یہ بالکل خلافِ واقعہ بات ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تجارتی قرض بھی ہوتے تھے، اور اس پر "سود" کا لین دین بھی ہوتا تھا، اور قرآن کریم نے ہر قرض پر جو بھی زیادتی وصول کی جائے اس کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ کمرشل لون (Commercial Loan) پر انٹرسٹ لینا جائز ہے اور ذاتی قرضوں پر انٹرسٹ لینا جائز نہیں، یہ بالکل غلط ہے۔

(۱) صحیح مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر ۱۲۱۸۔

(۲) مسئلہ سود، ص ۱۱۳، بحوالہ طبقات لابن سعد، ص ۱۹، ج ۳۔

سود مرکب اور سود مفرد دونوں حرام ہیں

اس کے علاوہ ایک اور غلط فہمی پھیلائی جا رہی ہے۔ وہ یہ کہ ایک سود مفرد (Simple Interest) ہوتا ہے اور ایک سود مرکب (Compound Interest) ہوتا ہے، یعنی سود پر بھی سود لگتا چلا جائے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں مرکب سود ہوتا تھا اور قرآن کریم نے اس کو حرام قرار دیا ہے لہٰذا وہ تو حرام ہے لیکن سود مفرد جائز ہے اس لئے کہ وہ اس زمانے میں نہیں تھا اور نہ ہی قرآن نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن ابھی قرآن کریم کی جو آیت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی اس میں فرمایا کہ:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓا"(۱)

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ربا کا جو حصہ بھی رہ گیا ہو، اس کو چھوڑ دو، یعنی اس کے کم یا زیادہ ہونے کا کوئی سوال نہیں یا Rate of Interest کے کم یا زیادہ ہونے کی بحث نہیں، جو کچھ بھی ہو اس کو چھوڑ دو۔ اور اس کے بعد آگے فرمایا کہ:

"وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ"(۲)

یعنی اگر تم ربا سے توبہ کرلو تو پھر تمہارا جو "راس المال" (Principal) ہے وہ تمہارا حق ہے اور خود قرآن کریم نے واضح طور پر فرما دیا کہ Principal تو تمہارا حق ہے لیکن اس کے علاوہ تھوڑی سی زیادتی بھی ناجائز ہے لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ سود مرکب حرام ہے اور سود مفرد حرام نہیں، بلکہ سود کم ہو یا زیادہ سب حرام ہے اور قرض لینے والا غریب ہو تب بھی حرام ہے اور قرض لینے والا امیر اور مالدار ہو تو بھی حرام ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی ضرورت کے لئے قرض لے رہا ہو تو بھی حرام ہے اور اگر تجارت کے لئے قرض لے رہا ہو تو بھی حرام ہے، اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

موجودہ بینکنگ انٹرسٹ بالاتفاق حرام ہے

یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ تقریباً ۵۰،۶۰ سال تک عالم اسلام میں بینکنگ انٹرسٹ (Banking Interest) کے بارے میں سوالات اُٹھائے جاتے رہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ Compound Interest حرام ہے، Simple Interest حرام نہیں ہے یا یہ کہنا کہ Commercial Loan حرام نہیں ہے وغیرہ۔ یہ اشکالات اور

(۱) سورۃ البقرۃ:۲۷۸۔ (۲) سورۃ البقرۃ:۲۷۹۔

اعتراضات عالمِ اسلام میں تقریباً ۵۰ سال تک ہوتے رہے ہیں لیکن اب یہ بحث ختم ہوگئی ہے۔ اب ساری دنیا کے نہ صرف علماء بلکہ ماہرینِ معاشیات اور مسلم بینکرز بھی اس بات پر متفق ہیں کہ بینکنگ انٹرسٹ بھی اسی طرح حرام ہے، جس طرح عام قرض کے لین دین پر سود حرام ہوتا ہے اور اب اس پر اجماع ہو چکا ہے۔ کسی قابلِ ذکر شخص کا اس میں اختلاف نہیں۔ اس کے بارے میں آخری فیصلہ آج سے تقریباً ۴ سال پہلے جدہ میں مجمع الفقہ الاسلامی (Islamic Fiqah Academy) جس میں تقریباً ۴۵ مسلم ملکوں کے سرکردہ علماء کا اجتماع ہوا، اور جس میں، میں بھی شامل تھا۔ اور ان تمام ملکوں کے تقریباً ۲۰۰ علماء نے بالاتفاق یہ فتویٰ دیا کہ بینکنگ انٹرسٹ بالکل حرام ہے، اور اس کے جائز ہونے کا کوئی راستہ نہیں لہٰذا یہ مسئلہ تو اب ختم ہو چکا ہے کہ بینکنگ انٹرسٹ حرام ہے یا نہیں؟

کمرشل لون پر انٹرسٹ میں کیا خرابی ہے؟

اب ایک بات باقی رہ گئی ہے اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے، وہ یہ کہ شروع میں جیسا کہ عرض کیا تھا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں صرف ذاتی ضرورت کے لئے قرضے لئے جاتے تھے۔ اب اگر ایک شخص ذاتی ضرورت کے لئے قرض لے رہا ہے مثلاً اس کے پاس کھانے کو روٹی نہیں ہے یا میت کو دفنانے کے لئے کفن نہیں ہے اس کے لئے وہ قرض لے رہا ہے اور آپ اس سے سود کا مطالبہ کر رہے ہیں یہ تو ایک غیر انسانی حرکت اور ناانصافی کی بات ہے، لیکن جو شخص میرے پیسے کو تجارت میں لگا کر نفع کمائے گا اگر میں نفع میں اس سے تھوڑا حصہ لے لوں تو اس میں کیا خرابی ہے؟

آپ کو نقصان کا خطرہ (Risk) بھی برداشت کرنا ہوگا

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ کے کسی حکم میں چوں چرا کی گنجائش نہیں ہونی چاہئے، اگر کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا وہ حرام ہوگئی لیکن زیادہ اطمینان کے لئے یہ بات عرض کرتا ہوں تاکہ یہ بات اچھی طرح دل میں اُتر جائے وہ یہ کہ اگر آپ کسی شخص کو قرض دے رہے ہیں تو اس کے بارے میں اسلام یہ کہتا ہے کہ دو باتوں میں سے ایک بات متعین کر لو۔ کیا تم اس کی کچھ امداد کرنا چاہتے ہو؟ یا اس کے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتے ہو؟ اگر قرض کے ذریعہ اس کی امداد کرنا چاہتے ہو تو وہ پھر آپ کی طرف سے صرف امداد ہی ہوگی۔ پھر آپ کو اس قرض پر زیادتی کے مطالبے کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر اس کے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتے ہو تو پھر جس طرح نفع میں حصہ دار بنو گے اسی

طرح نقصان میں بھی اس کے حصہ دار بننا ہوگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم صرف نفع میں حصہ دار بن جاؤ، نفع ہوتو تمہارا، اور اگر نقصان ہوتو وہ اس کا، لہٰذا جس صورت میں آپ اس کو کاروبار کے لئے پیسے دے رہے ہیں تو پھر یہ نہیں ہوسکتا کہ کاروبار میں نقصان کا خطرہ (Risk) تو وہ برداشت کرے، اور نفع آپ کو مل جائے بلکہ اس صورت میں آپ اس کو قرض نہ دیں، بلکہ اس کے ساتھ ایک جوائنٹ انٹرپرائز، (Joint Enterprise) کیجئے، اور اس کے ساتھ ''مشارکہ'' اور پارٹنرشپ (Partnership) کیجئے۔ یعنی اس سے معاہدہ کریں کہ جس کاروبار کے لئے تم قرض لے رہے ہو، اس میں اتنا فیصد نفع میرا ہوگا اور اتنا فیصد تمہارا ہوگا۔ اگر اس کاروبار میں نقصان ہوگا تو وہ نقصان بھی اسی نفع کے تناسب سے ہوگا۔ لیکن یہ بالکل درست نہیں ہے کہ آپ تو اس سے یہ کہیں کہ اس قرض پر ۱۵ فیصد نفع آپ سے لوں گا چاہے تمہیں کاروبار میں نفع ہو، یا نقصان ہو۔ یہ بالکل حرام ہے، اور سود ہے۔

آج کل کے انٹرسٹ کے نظام کی خرابی

آج کل انٹرسٹ (Interest) کا جو نظام رائج ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اوقات قرض لینے والے کو نقصان ہو گیا تو اس صورت میں قرض دینے والا فائدہ میں رہا، اور قرض لینے والا نقصان میں رہا، اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ قرض لینے والے نے زیادہ شرح سے نفع کمایا، اور قرض دینے والے کو اس نے معمولی شرح سے نفع دیا۔ اب قرض دینے والا نقصان میں رہا۔ اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھئے۔

ڈیپازیٹر (Depositor) ہر حال میں نقصان میں ہے

مثلاً ایک شخص ایک کروڑ روپیہ قرض لے کر اس سے تجارت شروع کرتا ہے۔ اب وہ ایک کروڑ روپیہ کہاں سے اس کے پاس آیا؟ وہ ایک کروڑ روپیہ کس کا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ روپیہ اس نے بینک سے لیا۔ اور بینک کے پاس وہ روپیہ ڈیپازیٹرز کا ہے۔ گویا کہ وہ ایک کروڑ روپیہ پوری قوم کا ہے۔ اور اب اس نے قوم کے اس ایک کروڑ روپے سے تجارت شروع کی اور اس تجارت کے اندر اس کو سو فیصد نفع ہوا، اور اب اس کے پاس دو کروڑ ہو گئے، جس میں سے ۱۵ فیصد یعنی ۱۵ لاکھ روپے اس نے بینک کو دیئے، اور پھر بینک نے اس میں سے اپنا کمیشن اور اپنے اخراجات نکال کر باقی ۷ فیصد یا دس فیصد کھاتہ دار (Depositors) کو دے دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ جن لوگوں کا پیسہ تجارت میں لگا تھا، جس سے اتنا نفع ہوا، ان کو تو سو روپے پر صرف دس روپے نفع ملا، اور یہ بیچارہ ڈیپازیٹر بڑا خوش ہے کہ

میرے سو روپے اب ایک سو دس ہو گئے، لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ حقیقت میں اس کے پیسوں سے جو نفع کمایا گیا اس کے لحاظ سے ایک سو کے دو سو ہونے چاہئے تھے، اور پھر دُوسری طرف یہ دس روپے جو نفع اس کو ملا، قرض لینے والا اس کو دوبارہ اس سے واپس وصول کر لیتا ہے۔ وہ کس طرح واپس وصول کرتا ہے؟

سود کی رقم مصارف میں شامل ہوتی ہے

وہ اس طرح وصول کرتا ہے کہ قرض لینے والا ان دس روپوں کو پیداواری اخراجات اور مصارف (Cost of Production) میں شامل کر لیتا ہے، مثلاً فرض کرو کہ اس نے ایک کروڑ روپیہ بینک سے قرض لے کر کوئی فیکٹری لگائی، یا کوئی چیز تیار کی تو تیاری کے مصارف (Cost) میں ۱۵ فیصد بھی شامل کر دیئے جو اس نے بینک کو ادا کیے۔ لہٰذا جب وہ پندرہ فیصد بھی شامل ہو گئے تو اب جو چیز تیار (Produce) ہوگی، اس کی قیمت پندرہ فیصد بڑھ جائے گی۔ مثلاً اس نے کپڑا تیار کیا تھا۔ تو اب انٹرسٹ کی وجہ سے اس کپڑے کی قیمت پندرہ فیصد بڑھ گئی۔ لہٰذا ڈیپازیٹر جس کو ایک سو کے ایک سو دس روپے ملے تھے، جب بازار سے کپڑا خریدے گا تو اس کو اس کپڑے کی قیمت پندرہ فیصد زیادہ دینی ہوگی۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ ڈیپازیٹر کو جو دس فیصد منافع دیا گیا تھا وہ دُوسرے ہاتھ سے اس سے زیادہ کر کے پندرہ فیصد وصول کر لیا گیا۔ یہ تو خوب نفع کا سودا ہوا۔ وہ ڈیپازیٹر خوش ہے کہ مجھے سو روپے کے ایک سو دس روپے مل گئے۔ لیکن حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو اس کو سو روپے کے بدلے ۹۵ روپے ملے۔ اس لئے کہ وہ پندرہ فیصد کپڑے کی لاگت (Cost) میں چلے گئے، اور دُوسری طرف ۸۵ فیصد منافع اس قرض لینے والے کی جیب میں چلا گیا۔

شرکت کا فائدہ

اور اگر شرکت پر معاملہ ہوتا، اور یہ طے پاتا کہ مثلاً ۵۰ فیصد نفع سرمایہ لگانے والے (Financier) کا ہوگا، اور ۵۰ فیصد کام کرنے والے تاجر کا ہوگا، تو اس صورت میں عوام کو ۱۵ فیصد کے بجائے ۵۰ فیصد نفع ملتا اور اس صورت میں یہ ۵۰ فیصد اس چیز کی لاگت (Cost) میں بھی شامل نہ ہوتا، اس لئے کہ نفع تو اس پیداوار کی فروخت کے بعد سامنے آئے گا اور پھر اس کو تقسیم کیا جائے گا۔ اس لئے کہ سود (Interest) تو لاگت (Cost) میں شامل کیا جاتا ہے لیکن نفع (Profit) لاگت (Cost) میں شامل نہیں کیا جاتا، تو یہ صورت اجتماعی نفع کی تھی۔

نفع کسی کا اور نقصان کسی اور کا

اور اگر فرض کرو کہ ایک کروڑ روپیہ بینک سے قرض لے کر جو تجارت کی، اس تجارت میں اس کو نقصان ہو گیا، وہ بینک اس نقصان کے نتیجے میں دیوالیہ ہو گیا، اب اس بینک کے دیوالیہ ہونے کے نتیجے میں کس کا روپیہ گیا؟ ظاہر ہے کہ عوام کا گیا۔ تو اس نظام میں نقصان ہونے کی صورت میں سارا نقصان عوام پر ہے۔ اور اگر نفع ہے تو سارا کا سارا قرض لینے والے کا۔

بیمہ کمپنی سے کون فائدہ اُٹھا رہا ہے

قرض لینے والے تاجر کا اگر نقصان ہو جائے تو اس نے اس نقصان کی تلافی کے لئے ایک اور راستہ تلاش کر لیا ہے، وہ ہے انشورنس (Insurance)۔ مثلاً فرض کرو کہ روئی کے گودام میں آگ لگ گئی تو اس نقصان کو پورا کرنے کا فریضہ انشورنس کمپنی پر عائد ہوتا ہے اور انشورنس کمپنی میں کس کا پیسہ ہے؟ وہ غریب عوام کا پیسہ ہے۔ اس عوام کا پیسہ ہے جو اپنی گاڑی اس وقت تک سڑک پر نہیں لا سکتے جب تک اس کو انشورڈ (Insured) نہ کرالیں۔ اور عوام کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ نہیں ہوتا، اس کو آگ نہیں لگتی، لیکن وہ بیمہ کی قسطیں (Premium) ادا کرنے پر مجبور ہیں۔

ان غریب عوام کے بیمہ کی قسطوں سے انشورنس کمپنی کی عمارت تعمیر کی گئی، اور غریب عوام کے ڈیپازیٹ کے ذریعہ تاجر کے نقصان کی تلافی کرتے ہیں، لہٰذا یہ سارا گورکھ دھندا اس لئے کیا جا رہا ہے تا کہ اگر نفع ہو تو سرمایہ دار تاجر کا ہو، اور اگر نقصان ہو تو عوام کا ہو، اس کے نتیجے میں یہ صورتِ حال ہو رہی ہے۔ بینک میں جو پوری قوم کا روپیہ ہے، اگر اس کو صحیح طریقے پر استعمال کیا جاتا تو اس کے تمام منافع بھی عوام کو حاصل ہوتے۔ اور اب موجودہ نظام میں تقسیم دولت (Distribution of Wealth) کا جو سسٹم ہے، اس کے نتیجے میں دولت نیچے کی طرف جانے کے بجائے اُوپر کی طرف جا رہی ہے۔ انہی خرابیوں کی وجہ سے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ سود کھانا ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے زنا کاری کرنا۔ اتنا سنگین گناہ اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے پوری قوم کو تباہی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

سود کی عالمی تباہ کاری

آج سے پہلے ہم ''سود'' کو صرف اس لئے حرام مانتے تھے کہ قرآنِ کریم نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ ہمیں اس کے عقلی دلائل سے زیادہ بحث نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جب حرام قرار دے دیا

ہے، بس حرام ہے، لیکن آج اس کے نتائج آپ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ آج پوری دنیا میں انٹرسٹ کا نظام جاری ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ آپ کے اس ملک (امریکہ) کا دنیا میں طوطی بول رہا ہے۔ اور اب تو اس کا دُوسرا حریف بھی دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اور اب کوئی اس سے ٹکر لینے والا موجود نہیں، لیکن پھر بھی اقتصادی ابتری کا شکار ہے۔ اس کی بنیاد بھی انٹرسٹ ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں غریب فقیر قسم کے لوگ سود پر قرض لیا کرتے تھے، ان سے سود کا مطالبہ کرنا حرام تھا، لیکن آج اگر کوئی شخص کمرشل لون پر سود لے رہا ہے تو اس کو حرام نہیں ہونا چاہئے، عقلی اور معاشی اعتبار سے یہ بات درست نہیں ہے۔ اگر کوئی غیر جانبداری سے اس نظام کا مطالعہ کرے تو اس کو پتہ چل جائے گا کہ اس نظام نے دنیا کو تباہی کے آخری کنارے تک پہنچا دیا ہے۔ اور انشاء اللہ ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کے سامنے اس کی حقیقت کھل جائے گی۔ اور ان کو پتہ چل جائے گا کہ قرآنِ کریم نے سود کے خلاف اعلانِ جنگ کیوں کیا تھا؟ یہ تو سود کی حرمت کا ایک پہلو تھا جو میں نے آپ کے سامنے بیان کیا۔

سودی طریقہ کار کا متبادل

ایک دُوسرا سوال بھی بہت اہم ہے جو آجکل لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ انٹرسٹ حرام ہے۔ لیکن اگر انٹرسٹ کو ختم کر دیا جائے تو پھر اس کا متبادل طریقہ کیا ہوگا جس کے ذریعہ معیشت کو چلایا جائے؟ اس واسطے کہ آج پوری دنیا میں معیشت کی روح انٹرسٹ پر قائم ہے۔ اور اگر اس کی روح کو نکال دیا جائے تو اس کو چلانے کا دُوسرا کوئی طریقہ نظر نہیں آتا۔ اس۔ لئے لوگ کہتے ہیں کہ انٹرسٹ کے سوا کوئی دُوسرا نظام موجود ہی نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو ممکن اور قابلِ عمل (Practicable) نہیں ہے۔ اور اگر کسی کے پاس قابلِ عمل طریقہ موجود ہے تو وہ بتائے کہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب تفصیل طلب ہے۔ اور ایک مجلس میں اس موضوع کا پورا حق ادا ہونا ممکن بھی نہیں ہے۔ اور اس کا جواب تھوڑا سا ٹیکنیکل بھی ہے۔ اور اس کو عام فہم اور عام الفاظ میں بیان کرنا آسان بھی نہیں ہے، لیکن میں اس کو عام فہم انداز میں بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں، تاکہ آپ حضرات کی سمجھ میں آجائے۔

ناگزیر چیزوں کو شریعت میں ممنوع قرار نہیں دیا گیا

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو حرام قرار دے دیا کہ یہ چیز حرام ہے تو پھر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ چیز ناگزیر ہو، اس لئے کہ اگر وہ چیز ناگزیر ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو حرام قرار نہ دیتے۔ اس لئے کہ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

"لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ انسان کو کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتے جو اس کی وسعت سے باہر ہو۔ لہٰذا ایک مومن کے لئے تو اتنی بات بھی کافی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کو حرام قرار دے دیا تو چونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے کہ کونسی چیز انسان کے لئے ضروری ہے اور کون سی چیز ضروری نہیں ہے، لہٰذا جب اس چیز کو حرام قرار دے دیا تو یقیناً وہ چیز ضروری اور ناگزیر نہیں ہے۔ اس چیز میں کہیں خرابی ضرور ہے جس کی وجہ سے وہ ضروری اور ناگزیر معلوم ہو رہی ہے تو اب اس خرابی کو دور کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اس کے بغیر کام نہیں چلے گا، اور یہ چیز ناگزیر ہے۔

سودی قرض کا متبادل قرضِ حسنہ ہی نہیں ہے

دُوسری بات یہ ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں انٹرسٹ (Interest) جس کو قرآنِ کریم حرام قرار دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ جب کسی کو قرض دیا جائے تو ان کو غیر سودی قرض (Interest-Free Loan) دینا چاہئے۔ اور اس پر کسی منافع کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب انٹرسٹ ختم ہو جائے گا تو ہمیں پھر غیر سودی قرضے ملا کریں گے، پھر جتنا قرض چاہیں حاصل کریں، اور اس سے کوٹھیاں بنگلے بنائیں۔ اور اس سے فیکٹریاں قائم کریں۔ اور ہم سے کسی انٹرسٹ کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ اور اسی سوچ کی بنا پر لوگ کہتے ہیں کہ یہ صورت قابلِ عمل (Practicable) نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب ہر شخص کو سود کے بغیر قرض دیا جائے گا تو پھر اتنا پیسہ کہاں سے آئے گا کہ سب لوگوں کو بغیر سود کے قرضہ دے دیا جائے؟

سودی قرض کا متبادل "مشارکت" ہے

یاد رکھئے کہ انٹرسٹ کا متبادل (Alternative) قرضِ حسنہ نہیں ہے کہ کسی کو ویسے ہی

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۸۶۔

قرض دے دیا جائے بلکہ اس کا متبادل ''مشارکت'' ہے، یعنی جب کوئی شخص کاروبار کے لئے قرضہ لے رہا ہے تو وہ قرض دینے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ میں تمہارے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہوں، اگر تمہیں نفع ہوگا تو اس نفع کا کچھ حصہ مجھے دینا پڑے گا اور اگر نقصان ہوگا تو اس نقصان میں بھی میں شامل ہوں گا، تو اس کاروبار کے نفع اور نقصان دونوں میں قرض دینے والا شریک ہو جائے گا۔ اور یہ مشارکت ہو جائے گی، اور یہ انٹرسٹ کا متبادل طریقہ کار (Alternative System) ہے۔

اور ''مشارکت'' کا نظریاتی پہلو تو میں آپ کے سامنے پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ انٹرسٹ کی صورت میں تو دولت کا بہت معمولی حصہ کھاتہ دار (Depositor) کو ملتا ہے لیکن اگر ''مشارکت'' کی بنیاد پر کاروبار کیا جائے، اور سرمایہ کاری (Financing) ''مشارکت'' کی بنیاد پر ہو تو اس صورت میں تجارت کے اندر جتنا نفع ہوگا اس کا ایک متناسب (Proportionate) حصہ کھاتہ داروں کی طرف بھی منتقل ہوگا اور اس صورت میں تقسیم دولت (Distribution of Wealth) کا اوپر کی طرف جانے کے بجائے نیچے کی طرف آئے گا۔ لہٰذا اسلام نے جو متبادل نظام پیش کیا وہ ''مشارکت'' کا نظام ہے۔

مشارکت کے بہترین نتائج

لیکن یہ ''مشارکت'' کا نظام چونکہ موجودہ دنیا میں ابھی تک کہیں جاری نہیں ہے اور اس پر عمل نہیں ہوا اس لئے اس کی برکات بھی لوگوں کے سامنے نہیں آ رہی ہیں۔ ابھی گذشتہ بیس پچیس سال کے دوران مسلمانوں نے مختلف مقامات پر اس کی کوششیں کی ہیں کہ وہ ایسے مالیاتی ادارے اور بینک قائم کریں جو انٹرسٹ کی بنیاد پر نہ ہوں بلکہ ان کو اسلامی اصولوں کی بنیاد پر چلایا جائے اور شاید آپ کے علم میں بھی یہ بات ہوگی کہ اس وقت پوری دنیا میں کم از کم اسی سے لے کر سو تک ایسے بینک اور سرمایہ کاری کے ادارے قائم ہو چکے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اسلامی اصولوں پر اپنے کاروبار کو چلا رہے ہیں اور انٹرسٹ سے پاک کاروبار کر رہے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان کا یہ دعویٰ سو فیصد صحیح ہے بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ غلطیاں اور کوتاہیاں بھی ہوں۔ لیکن بہر حال! یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں تقریباً ایک سو ادارے اور بینک غیر سودی نظام پر کام کر رہے ہیں اور یہ صرف اسلامی ملکوں میں نہیں بلکہ بعض مغربی اور یورپین ممالک میں بھی کام کر رہے ہیں۔ ان بینکوں اور اداروں نے ''مشارکہ'' کے طریقے پر عمل کرنا شروع کیا ہے۔ اور جہاں کہیں ''مشارکہ'' کے طریقے کو اپنایا گیا، وہاں اس کے بہتر نتائج نکلے ہیں۔ ہم نے پاکستان میں ایک بینک میں اس کا تجربہ کیا۔ اور

میں نے خود اس کی ''مذہبی نگراں کمیٹی'' کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اس کا معائنہ کیا۔ اور اس میں ''مشارکہ'' کے اندر بعض اوقات کھاتہ داروں کو بیس فیصد نفع بھی دیا گیا، لہٰذا اگر ''مشارکہ'' کو وسیع پیمانے پر کیا جائے تو اس کے نتائج اور بھی زیادہ بہتر نکل سکتے ہیں۔

''مشارکت'' میں عملی دشواری

لیکن اس میں ایک عملی دشواری ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص مشارکہ کی بنیاد پر بینک سے پیسے لے گیا اور ''مشارکہ'' کے معنی نفع اور نقصان میں شرکت (Profit and Loss Sharing) کے ہیں کہ اگر نفع ہوگا تو اس میں بھی شرکت ہوگی اور اگر نقصان ہوگا تو اس میں بھی شرکت ہوگی تو افسوس ناک بات یہ ہے کہ خود ہمارے عالمِ اسلام میں بددیانتی اتنی عام ہے اور بگاڑ اتنا پھیلا ہوا ہے کہ اب اگر کوئی شخص اس بنیاد پر بینک سے پیسے لے کر گیا کہ اگر نفع ہوا تو نفع لا کر دوں گا، اور اگر نقصان ہوا تو نقصان بینک کو بھی برداشت کرنا پڑے گا تو وہ پیسے لے کر جانے والا شخص کبھی پلٹ کر نفع لے کر نہیں آئے گا۔ بلکہ وہ ہمیشہ یہ ظاہر کرے گا کہ مجھے نقصان ہوا ہے۔ اور وہ بینک سے کہے گا کہ بجائے اس کے کہ آپ مجھ سے نفع کا مطالبہ کریں بلکہ اس نقصان کی تلافی کے لئے مجھے مزید رقم دیں۔

عملی پہلو کا یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ مگر اس کا تعلق اس ''مشارکہ'' کے نظام کی خرابی سے نہیں ہے، اور اس کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ ''مشارکہ'' کا نظام خراب ہے۔ بلکہ اس مسئلہ کا تعلق ان انسانوں کی خرابی سے ہے جو اس نظام پر عمل کر رہے ہیں۔ ان عمل کرنے والوں کے اندر اچھے اخلاق دیانت اور امانت نہیں ہے، اور اس کی وجہ سے ''مشارکہ'' کے نظام میں یہ خطرات موجود ہیں کہ لوگ بینک سے ''مشارکہ'' کی بنیاد پر پیسے لے جائیں گے اور پھر کاروبار میں نقصان دکھا کر بینک کے ذریعہ ڈیپازیٹر کو نقصان پہنچائیں گے۔

اس دشواری کا حل

لیکن یہ مسئلہ کوئی ناقابلِ حل مسئلہ نہیں ہے اور ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس کا حل نہ نکالا جا سکے۔ اگر کوئی ملک اس ''مشارکہ'' کے نظام کو اختیار کرے تو وہ بآسانی یہ حل نکال سکتا ہے کہ جس کے بارے میں یہ ثابت ہو کہ اس نے بددیانتی سے کام لیا ہے اور اپنے اکاؤنٹس صحیح بیان (Declare) نہیں کیے، تو حکومت ایک مدت دراز کے لئے اس کو بلیک لسٹ (Black List) کر دے، اور آئندہ کوئی بینک اس کو فائنانسنگ کی کوئی سہولت فراہم نہ کرے۔ اس صورت میں لوگ بددیانتی کرتے

ہوئے ڈریں گے۔ آج بھی جائنٹ اسٹاک کمپنیاں کام کر رہی ہیں، اور وہ اپنے بیلنس شیٹ (Balance Sheet) شائع کرتی ہیں۔ اور اس بیلنس شیٹ میں اگر چہ بددیانتی بھی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اس میں وہ اپنا نفع ظاہر کرتی ہیں۔ اس لئے اگر "مشارکہ" کو پورے ملکی سطح پر اختیار کریں تو اس حل کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ البتہ جب تک "مشارکہ" کو ملکی سطح پر اختیار نہیں کیا جاتا اس وقت تک انفرادی (Individual) اداروں کو "مشارکہ" پر عمل کرنا دشوار ہے، لیکن ایسے انفرادی ادارے سلیکٹڈ (Selected) بات چیت کے ذریعہ مشارکہ کر سکتے ہیں۔

دُوسری متبادل صورت "اجارہ"

اس کے علاوہ اسلام کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسا دین عطا فرمایا ہے کہ اس میں "مشارکہ" کے علاوہ بینکنگ اور فائنانسنگ کے اور بھی بہت سے طریقے ہیں۔ مثلاً ایک طریقہ اجارہ (Leasing) کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک شخص بینک سے پیسہ مانگنے آیا، اور بینک نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کس ضرورت کے لئے پیسہ چاہئے؟ اس نے بتایا کہ مجھے اپنے کارخانے میں ایک مشینری باہر سے منگا کر لگانی ہے۔ تو اب بینک اس شخص کو پیسے نہ دے، بلکہ خود اس مشینری کو خرید کر اس شخص کو کرایہ پر دے دے۔ اس عمل کو اجارہ (Leasing) کہا جاتا ہے۔ البتہ آجکل فائنانسنگ اداروں اور بینک میں فائنانشل لیزنگ کا جو طریقہ رائج ہے، وہ شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ اس ایگریمنٹ میں بہت سی شقیں (Clauses) شریعت کے خلاف ہیں، لیکن اس کو شریعت کے مطابق آسانی کے ساتھ بنایا جا سکتا ہے۔ پاکستان میں متعدد فائنانشل ادارے ایسے قائم ہیں جن میں لیزنگ ایگریمنٹ شریعت کے مطابق ہیں، اس کو اختیار کرنا چاہئے۔

تیسری متبادل صورت "مرابحہ"

اسی طرح ایک اور طریقہ ہے، جس کا آپ نے نام سنا ہوگا، وہ ہے "مرابحہ فائنانسنگ"۔ یہ بھی کسی شخص سے معاملہ کرنے کا ایک طریقہ ہے جس میں نفع پر وہ چیز بیچ دی جاتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص بینک سے اس لئے قرض لے رہا ہے کہ وہ خام مال (Raw Material) خریدنا چاہتا ہے۔ وہ بینک اس کو خام مال خریدنے کے لئے پیسے دینے کے بجائے وہ خود خام مال خرید کر اس کو نفع پر بیچ دے۔ یہ طریقہ بھی شرعاً جائز ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرابحہ کی یہ صورت تو ہاتھ گھما کر کان پکڑنے والی بات ہوگئی،

کیونکہ اس میں بینک سے نفع لینے کے بجائے دُوسرے طریقے سے نفع وصول کرلیا۔ یہ کہنا درست نہیں، اس لئے کہ قرآن کریم نے فرمایا کہ:

"وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور رِبا کو حرام کیا ہے اور مشرکینِ مکہ بھی تو یہ کہا کرتے تھے کہ بیع بھی تو رِبا جیسی ہے، اس میں بھی انسان نفع کماتا ہے اور رِبا میں بھی انسان نفع کماتا ہے، پھر دونوں میں فرق کیا ہے؟ قرآنِ کریم نے ان کا ایک ہی جواب دیا کہ یہ ہمارا حکم ہے کہ رِبا حرام ہے اور بیع حلال ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ روپیہ کے اوپر روپیہ نہیں لیا جاسکتا، اور روپیہ پر منافع نہیں لیا جاسکتا، لیکن اگر درمیان میں کوئی چیز یا مالِ تجارت آجائے، اور اس کو فروخت کرکے نفع حاصل کرے اس کو ہم نے حلال قرار دیا ہے، اور مرابحہ کے اندر درمیان میں مال آجاتا ہے اس لئے شریعت کے اعتبار سے وہ سودا (Transaction) جائز ہوجاتا ہے۔

پسندیدہ متبادل کونسا ہے؟

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ مرابحہ اور لیزنگ (Leasing) مطلوبہ اور پسندیدہ متبادل (Ideal Alternative) نہیں ہیں، اور اس سے تقسیمِ دولت (Distribution of Wealth) پر کوئی بنیادی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ پسندیدہ متبادل "مشارکہ" ہے، لیکن آئندہ جو منفرد (Individual) ادارے قائم کیے جائیں، ان کے لئے آزمائشی اور تجرباتی مدت (Transitory Period) میں "مرابحہ" اور "لیزنگ" پر بھی عمل کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ اور اس وقت بھی کچھ فائنانشیل انسٹیٹیوشن ان بنیادوں پر کام کررہے ہیں۔

بہرحال! یہ تو "سود" اور اس کے متعلقات کے بارے میں عام باتیں تھیں جو میں نے عرض کردیں۔

"سود" سے متعلق ایک مسئلہ اور ہے، جس کی صدائے بازگشت بار بار سنائی دیتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ دارالحرب جہاں غیر مسلم حکومت ہو وہاں سود کے لین دین میں کوئی قباحت نہیں، وہاں غیر مسلم حکومت سے سود لے سکتے ہیں۔ اس مسئلہ پر بھی بہت لمبی چوڑی بحثیں ہوئی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ چاہے دارالحرب ہو یا دارالسلام، جس طرح سود دارالسلام میں حرام ہے، اسی طرح دارالحرب میں بھی حرام ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ عام آدمی کو چاہئے کہ اپنا پیسہ بینک کے

(۱) سورۃ البقرۃ: ۲۷۵۔

اندر کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھے، جہاں پیسوں پر سود نہیں لگتا، لیکن اگر کسی شخص نے غلطی سے سیونگ اکاؤنٹ (Saving Account) میں پیسے رکھ دیئے ہیں اور اس رقم پر سود مل رہا ہے تو پاکستان میں تو ہم لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ سود کی رقم بینک میں چھوڑ دو، لیکن ایسے ملکوں میں جہاں ایسی رقم اسلام کے خلاف کام پر خرچ ہوتی ہے وہاں اس شخص کو چاہئے کہ وہ سود کی رقم بینک سے وصول کر کے کسی مستحق زکوٰۃ شخص کو ثواب کی نیت کے بغیر صرف اپنی جان چھڑانے کے لئے صدقہ کر دے اور خود اپنے استعمال میں نہ لائے۔

عصرِ حاضر میں اسلامی معیشت کے ادارے

ایک بات اور عرض کر دوں، وہ یہ کہ یہ کام نسبتاً ذرا مشکل لگتا ہے، لیکن اس کے باوجود ہم مسلمانوں کو اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ہم خود ایسے مالیاتی ادارے قائم کریں جو اسلامی بنیادوں پر کام کریں اور جیسا کہ میں نے ابھی آپ کے سامنے عرض کیا کہ ''مشارکہ'' ''مرابحہ'' اور ''لیز نگ'' کی مکمل اسکیمیں موجود ہیں، اور ان بنیادوں پر مسلمان اپنے ادارے قائم کر سکتے ہیں، اور یہاں کے مسلمان ماشاء اللہ اس بات کو سمجھتے ہیں اور اس میں خود ان کے مسائل کا بھی حل ہے، ان کو چاہئے کہ یہاں رہ کر فائنانشیل انسٹیٹیوٹ قائم کریں۔ امریکہ میں میرے علم کے مطابق کم از کم ہاؤسنگ کی حد تک دو ادارے موجود ہیں، اور وہ صحیح اسلامی بنیادوں پر کام کر رہے ہیں۔ ایک ٹورنٹو میں اور ایک لاس اینجلس میں ہے۔ اب ان اداروں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہئے اور مسلمانوں کو اپنے طور پر ایسے ادارے قائم کرنے چاہئیں، لیکن اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ماہر فقہاء اور مفتی حضرات سے مشورہ کر کے اس کا نظام قائم کریں۔ اور اس سلسلے میں اگر آپ مجھ سے بھی خدمت لینا چاہیں گے تو میں ہر قسم کی خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس وقت دنیا میں تقریباً سو ادارے کام کر رہے ہیں، اور تقریباً ۵ سال سے میں ان اداروں میں خدمت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ اور مسلمانوں کے لئے کوئی بہتر راستہ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سود پر تاریخی فیصلہ

اُردو ترجمہ

ڈاکٹر مولانا محمد عمران اشرف عثمانی صاحب

(پی ایچ ڈی)

پیش لفظ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ،
وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ صَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ، اما بعد:

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئینی ڈھانچے کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ ہر پاکستانی کو یہ آئینی حق حاصل ہے کہ وہ موجودہ کسی قانون کو وفاقی شرعی عدالت میں اس وجہ سے چیلنج کر سکتا ہے کہ یہ قانون قرآن وسنت پر مبنی اسلامی اَحکامات کے خلاف ہے۔ اس قسم کی درخواست وصول کرنے کے بعد وفاقی شرعی عدالت، حکومتِ پاکستان کو ایک نوٹس جاری کرتی ہے کہ وہ اس بارے میں اپنا نقطۂ نظر بیان کرے۔ اگر متعلقہ فریقین کی سماعت کے بعد عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ زیرِ دعویٰ قانون واقعتاً اسلام کے خلاف ہے تو وہ ایک فیصلہ صادر کرتی ہے کہ ایک متعین مدت تک حکومت ایسا قانون لے کر آئے گی جو کہ اسلامی اَحکامات کے مطابق ہوگا، اور وہ قانون جسے اسلامی اَحکام کے منافی قرار دیا گیا تھا اس مدت کے بعد غیر مؤثر ہو جائے گا۔

وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بنچ میں چیلنج کیا جا سکتا ہے جس میں اس فیصلے سے متأثر کوئی بھی شخص یا فریق اپیل دائر کر سکتا ہے، اور پھر سپریم کورٹ کی اس بنچ کا فیصلہ حتمی تصور ہوتا ہے۔

وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بنچ سنہ ۱۹۷۹ء کے آئینِ پاکستان کے چیپٹر 3-A کے تحت وجود میں آئی تھیں، لیکن ابتداء میں کچھ قوانین کو ان کی جانچ پڑتال سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا، جس کے نتیجے میں ان پر غور وخوض ان عدالتوں کے دائرۂ اختیار سے باہر تھا۔

چنانچہ مالیاتی قوانین بھی دس سال تک کے لئے ان عدالتوں میں سماعت سے محفوظ تھے۔ اس مدت کے ختم ہونے کے بعد بہت سی درخواستیں وفاقی شرعی عدالت میں دائر کی گئیں تاکہ ان قوانین

کو چیلنج کیا جا سکے جو سود کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وفاقی عدالت نے ان درخواستوں کی سماعت کے بعد سنہ ۱۹۹۱ء میں یہ فیصلہ صادر کیا کہ ایسے قوانین، اسلامی اَحکامات کے خلاف ہیں۔ وفاقی حکومت پاکستان اور ملک کے مختلف بینک اور تمویلی اداروں نے وفاقی شرعی عدالت کے اس فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بنچ میں دعویٰ دائر کر دیا۔ سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بنچ میں محترم جسٹس خلیل الرحمٰن خان صاحب، محترم جسٹس منیر اے شیخ صاحب، محترم جسٹس وجیہ الدین احمد صاحب اور جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب شامل تھے۔ اس بنچ نے ان اپیلوں کی سماعت مارچ ۱۹۹۹ء میں شروع کی۔ اس بنچ نے بیں علمائے کرام اور ملکی و غیر ملکی محققین کو دعوت دی، کہ وہ اس اہم مسئلے پر عدالت کی معاونت کریں۔ یہ ماہرین جنھوں نے آ کر عدالت سے خطاب کیا، ان میں علمائے کرام، بینکار، قانون دان، معیشت دان، تاجر حضرات اور چارٹرڈ اکاؤنٹینٹ وغیرہ بھی شامل تھے۔ اس مقدمے کی سماعت جولائی سنہ ۱۹۹۹ء کے آخر تک جاری رہی، جس کے بعد فیصلہ محفوظ کر لیا گیا۔

۲۳ر دسمبر سنہ ۱۹۹۹ء کو اس نئی صدی سے صرف آٹھ دن پہلے سپریم کورٹ آف پاکستان کی شریعت اپیلٹ بنچ نے اپنا یہ تاریخ ساز عظیم فیصلہ سنایا جس میں سود کو غیر قانونی اور اسلامی اَحکامات کے منافی قرار دیا اور اس کے تحت ۳۱ر مارچ سنہ ۲۰۰۰ء، اور کچھ قوانین کو ۳۱ر جولائی ۲۰۰۰ء، اور باقی دوسرے قوانین کو ۳۰ر جون ۲۰۰۱ء سے منسوخ اور غیر مؤثر قرار دے دیا گیا۔ اس بنچ نے وفاقی حکومت کو یہ بھی ہدایت کی کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیشن قائم کیا جائے جو موجودہ سود پر مبنی مالیاتی نظام کو اسلامی نظام پر منتقلی کی نگرانی اور کنٹرول کرنے اور مکمل طور پر اپنے اختیارات سے متعلقہ اُمور سرانجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس فیصلے نے کافی جامع ہدایات جاری کیں تا کہ اس متعین ٹائم فریم میں یہ عمل انتقال مکمل ہو سکے۔

سپریم کورٹ کا مکمل فیصلہ تقریباً ۱۱۰۰ صفحات پر محیط ہے، اور یہ بات ایک حقیقتِ مُسلّمہ ہے کہ یہ سپریم کورٹ کا اس ملک کی تاریخ میں ضخیم ترین فیصلہ ہے۔ یہ مرکزی فیصلے محترم جسٹس خلیل الرحمٰن خان صاحب (تقریباً ۵۰۰ صفحات) اور جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کے (تقریباً ۲۵۰ صفحات) ہیں، جبکہ محترم جسٹس وجیہ الدین احمد صاحب نے ۹۸ صفحات پر مشتمل ایک تائیدی نوٹ کے ساتھ لکھا ہے۔

سپریم کورٹ کے اس فیصلے کو میڈیا (Media) نے ایک تاریخ ساز فیصلہ قرار دیا اور اسے پورے ملک اور مسلم دنیا نے خوش آمدید کہا، مگر بعد میں ایک بینک کی درخواست پر سپریم کورٹ کی شریعت بنچ میں (جو جسٹس منیر احمد شیخ صاحب کے سوا باقی تمام نئے ججوں پر مشتمل تھی) فیصلے پر نظرِ ثانی

کرتے ہوئے کیس دوبارہ فیڈرل شریعت کورٹ کے پاس بھیج دیا۔ تاہم اس فیصلے میں جو علمی بحث ہے اس کی اہمیت اس واقعے سے کم نہیں ہوتی۔

ہمیں یہ اعزاز حاصل ہے کہ ہم محترم جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا یہ فیصلہ طبع کر رہے ہیں، کیونکہ اس نے ان تمام اُمور کو جو مقدمے کی سماعت کے دوران اُٹھائے گئے تھے، بہترین طریقے سے مختصر کر کے بیان کر دیا ہے۔ ہم نے قارئین کے استفادہ کے لئے اس فیصلے کے بعد کورٹ آرڈر کو بھی شامل کر دیا ہے۔

یہ اگرچہ مکمل فیصلے کا ایک حصہ ہے، لیکن اُمید ہے کہ یہ قارئین کے لئے ان بنیادی عوامل اور وجوہات کو سمجھنے میں معاون ہوگا جو اس بنچ کے لئے اس تاریخ ساز فیصلے کا سبب بنیں۔

(مفتی) محمد رفیع عثمانی

جامعہ دارالعلوم کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم.
اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ.

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

۱: یہ تمام اپیلیں وفاقی شرعی عدالت کے ۱۴-۱۱-۱۹۹۱ کے ایک فیصلے کے خلاف ہیں، جس میں اس کورٹ نے بہت سارے ایسے قوانین کو اسلام کے اُصولوں سے متصادم قرار دیا ہے جو انٹرسٹ کی ادائیگی یا وصولی سے متعلق ہیں، جو فیڈرل شریعت کورٹ کی تحقیق کے مطابق اُس رِبا کے دائرے میں آتے ہیں جسے قرآنِ کریم نے صراحتاً حرام قرار دیا ہے۔

۲: ان تمام اپیلوں میں چونکہ بنیادی مسائل آپس میں ملتے جلتے تھے، لہٰذا ان تمام کو اکٹھے ہی سنا گیا اور اس ایک فیصلے کے ذریعہ ہی سب کو نمٹایا جارہا ہے۔

۳: بہت سارے اپیل کنندگان اور عدالتی مشیروں نے ہمارے سامنے یہ دلیل دی کہ سود پر مبنی تجارتی معاملات جدید تجارت کی ایجاد ہیں، جس کی تاریخ چار سو سال سے زیادہ پرانی نہیں ہے، لہٰذا یہ معاملات قرآنِ کریم کی استعمال کردہ اصطلاح ''رِبا'' کے دائرے میں نہیں آتے، چنانچہ رِبا کی حرمت، عہدِ جدید کے مروّجہ انٹرسٹ کے معاملات پر صادق نہیں آتی۔

۴: اس نقطۂ نظر کی حمایت میں ہمارے سامنے پانچ مختلف خطوط پر انٹرسٹ کی ممانعت کے خلاف دلائل پیش کیے گئے۔

۵: پہلی دلیل اصطلاحِ ''رِبا'' کی تشریح کرتے ہوئے بعض اپیل کنندگان کی جانب سے یہ دی گئی کہ رِبا کی حرمت والی قرآنی آیات حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخرِ دورِ حیات میں نازل ہوئی تھیں، لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تفصیلی تشریح کا موقع نہ مل سکا، اس وجہ سے رِبا کی کوئی جامع مانع تعریف نہ قرآنِ کریم میں اور نہ احادیث میں دستیاب ہے، چونکہ اصطلاحِ ''رِبا'' اپنی اصل کے لحاظ سے مبہم ہے، لہٰذا یہ متشابہات کی حدود میں داخل ہے، جس کے صحیح معنیٰ نامعلوم ہیں۔ اس دلیل کی رُو سے رِبا کی ممانعت احادیث کے صراحتاً بیان کردہ صرف چند متعین معاملات تک محدود ہے، لہٰذا اس اُصول کو

پھیلا کر عصرِ حاضر کے بینکاری نظام پر لاگو نہیں کیا جا سکتا، جو اِن آیات کے نزول کے زمانے میں تصور کے قابل تک نہ تھا۔

۶: ان حضرات کی دوسری دلیل ان خطوط پر ہے کہ ربا کا لفظ صرف ان صَرفی (احتیاجی) قرضوں پر لاگو ہوتا ہے جس میں قرض خواہ (Creditor) اپنے مقروض سے حد سے بڑھی ہوئی شرحِ سود کے حساب سے سود وصول کرتا تھا، اور یہ شرحِ سود استحصال پر مشتمل ہوتی تھی۔ جہاں تک موجودہ بینکنگ کے سود کا تعلق ہے، اگر اس میں شرحِ سود حد سے زیادہ یا استحصال پر مشتمل نہ ہو تو اسے ''ربا'' نہیں کہا جا سکتا۔

۷: تیسری دلیل صَرفی قرضوں اور تجارتی قرضوں کے درمیان امتیاز کرتی ہے، اس دلیل کے مطابق قرآنِ کریم کی استعمال کردہ اصطلاح ''الربا'' صرف اس اضافی رقم تک محدود ہے جو اُن غریب لوگوں سے وصول کی جاتی تھی جو اپنی روزمرّہ ضروریات کی تکمیل کے لئے قرضے لیا کرتے تھے، یہ غریب لوگ انسانی بنیادوں پر ہمدردانہ سلوک کے مستحق تھے، لیکن مالدار لوگوں نے اپنی حریصانہ شرائط عائد کر کے ان سے بھاری بھاری سود (Usury) کی رقمیں وصول کر کے ناجائز نفع اندوزی اور استحصال سے کام لیا، قرآنِ کریم نے اس عمل کو انسانیت کے خلاف عظیم جرم قرار دے کر ان لوگوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ جہاں تک جدید زمانے کے تجارتی قرضوں کا تعلق ہے، وہ حضور ﷺ کے زمانے میں رائج نہ تھے، یہاں تک کہ ربا کی حرمت کا بنیادی فلسفہ بھی ان تجارتی اور پیداواری (Productive) قرضوں پر لاگو نہیں ہوتا جہاں مقروض غریب نہیں ہوتے، بلکہ اکثر حالات میں یا تو وہ امیر لوگ ہوتے ہیں یا کم از کم خوشحال ہوتے ہیں، اور ان کا حاصل کردہ قرضہ عموماً نفع اندوزی کے لئے ہی استعمال کیا جاتا ہے، اس لئے قرض خواہوں کی طرف سے عائد کردہ کوئی بھی اضافہ ظلم قرار نہیں دیا جا سکتا جو کہ ربا کی حرمت کا بنیادی سبب تھا۔

۸: چوتھی دلیل دیتے ہوئے یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ قرآنِ کریم نے صرف ''ربا الجاهلية'' کو حرام قرار دیا ہے، جو بہت ساری روایات کی رُو سے ایک مخصوص قرضے کا معاملہ تھا، جس میں کوئی اضافی رقم اصل راُس المال (سرمایہ) پر مقرّر نہیں کی جاتی تھی، تاہم اگر مقروض وقتِ مقررہ پر قرضہ ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ اس پر اضافی رقم عائد کرتے ہوئے اسے مزید مہلت دے دیتا تھا، اس نظریہ کی رُو سے اگر کوئی اضافی رقم ابتدائے عقد میں طے کر لی جائے تو یہ معاملہ ''ربا القرآن'' (یا ''ربا الجاہلیۃ'') کے تحت نہیں آتا، البتہ یہ احادیث کی رُو سے حرام کردہ ''ربا الفضل'' کے زمرے میں آتا ہے جس کی حرمت کم درجے کی ہے، جسے مکروہ تو کہا جا سکتا ہے، حرام نہیں کہا جا سکتا، اسی لئے اس کی ممانعت کو حقیقی

ضرورت کے وقت مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے، اور یہ ممانعت غیر مسلموں پر لاگو نہیں ہوتی ۔ چونکہ یہ ایک ایسا خصوصی قانون ہے جو کہ صرف مسلمانوں پر اطلاق پذیر ہوگا، لہٰذا یہ مسلم پرسنل لاء کے زمرے (Catagory) میں آئے گا، جو کہ فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے، جیسا کہ آئینِ پاکستان کی شق ۲۰۳ ب میں بیان کیا گیا ہے۔

۹: پانچویں دلیل کا انداز یہ تھا کہ انٹرسٹ پر مبنی معاملات اگر چہ رِبا کی حرمت کے دائرے میں داخل ہیں، تاہم تجارتی انٹرسٹ (سود) چونکہ موجودہ زمانے کی عالمی اقتصادی سرگرمیوں میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے کوئی ملک سود پر مبنی معاملات میں ملوث ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، لہٰذا انٹرسٹ (سود) کو اندرونی اور بیرونی معاملات سے بالکلیہ ختم کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا، اسلام چونکہ ایک عملی (Practical) مذہب ہے، اس لئے نظریۂ ضرورت کو تسلیم کرتا ہے، چنانچہ وہ شدید حالات میں جب کوئی شخص خنزیر کھائے بغیر زندہ نہ رہ سکے، خنزیر تک کھانے کی بھی اجازت دے دیتا ہے، یہی نظریۂ ضرورت ان سودی معاملات پر لاگو ہونا چاہئے، لہٰذا نظریۂ ضرورت کے تحت وہ قوانین جو کہ سود وصول کرنے کی اجازت دیتے ہیں، انہیں اسلام کے اُصول سے متصادم قرار نہیں دینا چاہئے۔

۱۰: ان مختلف قسم کے دلائل نے ہمیں اس بنیادی مسئلے کو طے کرنے پر مجبور کیا کہ آیا موجودہ تمویلی نظام کا تجارتی سود قرآنِ کریم کے حرام کردہ ''رِبا'' کی تعریف میں آتا بھی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ ''رِبا'' کی تعریف میں آتا ہے تو اس کے نتیجے میں کیا اس تجارتی سود کو نظریۂ ضرورت کی بنیاد پر حلال قرار دیا جا سکتا ہے؟ ہمیں اس بات کا جائزہ بھی لینا پڑا کہ آیا جدید تمویلی (Financial) معاملات انٹرسٹ کے بغیر بھی ڈیزائن کیے جا سکتے ہیں؟ اور کیا مجوزہ متبادل طریقے عہدِ حاضر کے تجارتی (Commercial) اور تمویلی (Financial) ڈھانچے کو مدِنظر رکھتے ہوئے ممکن (Feasible) بھی ہیں یا نہیں؟ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے ہم نے کافی تعداد میں عدالتی مشیر کی حیثیت میں ماہرین کو مدعو کیا، جن میں شریعہ اسکالرز (علمائے کرام)، اقتصادی ماہرین، بینکرز، اکاؤنٹینٹس اور جدید تجارت کے ماہرین شامل ہیں، جنہوں نے اپنے پیشہ ورانہ اختصاص اور مہارت کے میدان میں عدالت کی معاونت کی۔

حرمتِ رِبا سے متعلق قرآنی آیات کا معروضی مطالعہ

۱۱: مذکورہ بالا دلائل کا تجزیہ کرنے سے پیشتر رِبا سے متعلق آیاتِ قرآنیہ کا معروضی مطالعہ کرنا

مناسب ہوگا، یہ چار قسم کی آیات مختلف مواقع پر نازل ہوئیں۔

۱۲: پہلی آیت سورۂ رُوم کی ہے، جو مکی سورت ہے، جس میں ربا کی اصطلاح درجِ ذیل الفاظ میں ذکر کی گئی ہے:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ. (۱)

ترجمہ: اور جو چیز تم اس غرض سے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جاوے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔

۱۳: دُوسری آیت سورۂ نساء کی ہے، جس میں اصطلاحِ ربا کو یہودیوں کے اعمالِ بد کے سیاق میں ذکر کیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ. (۲)

ترجمہ: نیز ان (یہودیوں) کی یہ بات کہ سود لینے لگے، حالانکہ اس سے روک دیئے گئے تھے۔

۱۴: تیسری آیت سورۂ آلِ عمران میں ہے، اور اس میں ربا کی حرمت مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً. (۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! ربا مت کھاؤ دُگنا چوگنا کر کے۔

۱۵: آیات کا چوتھا مجموعہ سورۃ البقرہ میں درجِ ذیل الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ج وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ج لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا

(۱) ۳۰:۳۹۔ (۲) ۴:۱۶۱۔ (۳) ۳:۱۳۰۔

تُظْلَمُوْنَ ○ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ قف ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (۱)

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو، اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، لہٰذا جس شخص کو اس کے ربّ کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لئے وہ سود خوری سے باز آ جائے تو جو کچھ پہلے کھا چکا سو کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، اور جو اس کے بعد بھی اس حرکت کا اعادہ کرے گا، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے، اور (یاد رکھو!) تمام ایسے لوگوں کو جو نصیحتِ الٰہی کے ناسپاس اور نافرمان ہیں، اس کی پسندیدگی حاصل نہیں ہو سکتی۔ مسلمانو! اگر فی الحقیقت تم خدا پر ایمان رکھتے ہو، تو اس سے ڈرو اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمہ رہ گیا اسے چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ (کیونکہ ممانعت کے صاف صاف حکم کے بعد اس کی خلاف ورزی کرنا، اللہ اور اس کے رسول کے برخلاف جنگ آزما ہو جانا ہے) اور اس (باغیانہ روش سے) توبہ کرتے ہو تو پھر تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی اصل رقم لے لو، اور سود چھوڑ دو، نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔ اور اگر ایسا ہو کہ ایک مقروض تنگ دست ہے (اور فوراً قرض ادا نہیں کر سکتا) تو چاہئے کہ اسے فراخی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے، اور اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو تمہارے لئے بہتری کی بات تو یہ ہے کہ (ایسے تنگ دست بھائی کو) اس کا قرض بطور خیرات بخش دو۔ اور دیکھو! اس دن کی پُرسش سے ڈرو، جبکہ تم سب اللہ کے حضور لوٹائے جاؤ گے، پھر ایسا ہوگا کہ ہر جان کو اپنے عمل سے جو کچھ کمایا ہے اس کا بدلہ پورا پورا اسے مل جائے گا، یہ نہ ہوگا کہ کسی کی بھی حق تلفی ہو۔

(۱) ۲۷۵ تا ۲۸۱۔

آیاتِ رِبا کا تاریخی تجزیہ

۱۶: مزید آگے بڑھنے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کو ان کی تاریخی ترتیب سے سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

سورۂ رُوم

(۱) ۱۷: ان آیات میں سب سے پہلی آیت سورۂ رُوم کی ہے، جو کہ باتفاق مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، یہ آیت تحریمی نوعیت کی نہیں ہے، یہ صرف سادگی سے اتنا کہتی ہے کہ ''رِبا'' اللہ کے یہاں نہیں بڑھتا، یعنی کہ اس کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں ہے۔ بہت سے مفسرینِ قرآن کی رائے یہ ہے کہ لفظِ ''رِبا'' اس آیت میں سود، یوژری یا انٹرسٹ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، ابنِ جریر طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) جو مشہور ترین مفسرِ قرآن ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور متعدد تابعین مثلاً سعید بن جبیر، مجاہد، طاؤس، قتادہ، ضحاک اور ابراہیم نخعی (رحمہم اللہ) سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت میں استعمال شدہ لفظ ''رِبا'' کا مطلب ''نیوتا'' ہے، یعنی کسی کو ہدیہ اس غرض سے دینا تاکہ بعد میں وہ اس کو اس سے بڑا ہدیہ دے۔[۱] تاہم بعض مفسرینِ قرآن نے اس لفظ کو سود کے معنی میں استعمال کیا ہے، بقول ابن[۲] جوزیؒ یہ نقطۂ نظر حضرت حسن بصریؒ کی طرف منسوب ہے، اگر اس نقطۂ نظر کے مطابق لفظِ ''رِبا'' کو اس آیت میں سود کے معنی میں لیا جائے تو بظاہر زیادہ مناسب بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ دُوسری جگہوں میں لفظِ ''رِبا'' اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، تب بھی اس آیت میں رِبا کی ممانعت کے متعین الفاظ موجود نہیں ہیں، زیادہ سے زیادہ اس نے اس بات پر زور دیا ہے کہ آخرت میں رِبا کا اللہ کی طرف سے کوئی ثواب نہیں ہے، اس لئے یہ آیت رِبا کی حرمت پر مشتمل نہیں ہے، تاہم یہ بات واضح ہے کہ اس آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رِبا کا عمل اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

سورۃ النساء

۱۸: دُوسری آیت سورۃ النساء کی ہے، جس میں یہودیوں کی بداعمالیوں کی فہرست کے ذیل میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ وہ رِبا لیا کرتے تھے، باوجودیکہ وہ ان پر پہلے سے حرام تھا، اس آیت کے

(۱) ابنِ جریر: تفسیر جامع البیان، دارالفکر بیروت، ۱۹۸۴ء، ج:۲۱، ص:۴۶ تا ۴۸۔
(۲) ابنِ جوزی: زادالمعاد، المکتبۃ الاسلامیہ بیروت، ۱۹۶۴ء، ج:۶، ص:۳۰۴۔

نزول کے حقیقی وقت کا تعین فی الواقع مشکل ہے، مفسرین کرامؒ اس نکتے پر زیادہ تر خاموش دکھائی دیتے ہیں، تاہم جس سیاق میں یہ آیت نازل ہوئی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت سنہ ۴ھ سے قبل نازل ہوئی ہوگی، سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵۳ درجِ ذیل ہے:

"يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ."

ترجمہ: آپ سے اہلِ کتاب (یہود) یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے پاس ایک خاص نوشتہ آسمان سے منگوادیں۔

۱۹: یہ آیت یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ اگلی چار آیات یہودیوں کے دلائل کے جوابات دینے کے لئے نازل کی گئیں، جو حضور ﷺ کے پاس آئے تھے اور آپ ﷺ سے آسمان سے اس طرح کی کتاب نازل کروانے کی درخواست کی تھی، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی۔

اس کا مطلب ہے کہ آیات کا یہ سلسلہ اس وقت نازل ہوا جب یہودی کافی بڑی تعداد میں مدینہ میں موجود تھے، اور اس وقت وہ اس پوزیشن میں بھی تھے کہ حضور ﷺ سے بحث کرسکیں، چونکہ اکثر یہودی سنہ ۴ھ کے بعد مدینہ چھوڑ چکے تھے، اس لئے یہ آیت اس سے قبل نازل شدہ معلوم ہوتی ہے، یہاں پر لفظِ "ربا" بلاشبہ سود کے معنیٰ میں ہے، کیونکہ وہ یہودیوں کے لئے واقعۃً ممنوع تھا، یہ ممانعت بائبل کے پرانے صحیفوں میں ابھی تک موجود ہے، لیکن اسے مسلمانوں کے لئے دوٹوک اور واضح ممانعتِ ربا کا حکم قرار نہیں دیا جاسکتا، یہ آیت صرف اتنی بات واضح کرتی ہے کہ ربا یہودیوں کے لئے ممنوع تھا، لیکن انہوں نے اپنی عملی زندگیوں میں اس کی تعمیل نہ کی، البتہ اس سے یہ بات ضرور مستنبط ہوتی ہے کہ ربا مسلمانوں کے لئے بھی یقیناً ایک گناہ کا کام ہے، ورنہ یہودیوں کو موردِ الزام ٹھہرانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

سورۂ آل عمران

۲۰: دُوسری آیت سورۂ آلِ عمران کی ہے، جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ہجرت کے دُوسرے سال نازل کی گئی ہوگی، کیونکہ اگلی اور پچھلی آیات غزوۂ اُحد ہی سے متعلق ہیں، جو سنہ ۳ھ میں پیش آیا۔ یہ آیت مسلمانوں کے لئے حرمتِ ربا کے سلسلے میں بالکل واضح حکم رکھتی ہے، لہٰذا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہی وہ پہلی قرآنی آیت ہے جس کے ذریعے سے مسلمانوں کو حرمتِ ربا کا واضح حکم ملا، اسی وجہ سے صحیح البخاری کے معروف شارح علامہ حافظ ابنِ حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں(۱) کہ

(۱) ابن حجر العسقلانی: فتح الباری، مکہ مکرمہ، ۱۹۸۱ء، ج:۸، ص:۲۰۵۔

ممانعتِ ربا کا اعلان غزوۂ اُحد کے آس پاس زمانے میں کیا گیا، بلکہ بعض شراحِ حدیث اور مفسرین کرامؒ نے اس بات کی وجہ بھی بیان کی ہے کہ ممانعتِ رِبا کا حکم غزوۂ اُحد کے قریبی زمانے میں کیوں آیا؟ وہ کہتے ہیں کہ: مکہ کے حملہ آوروں نے اپنی فوج کو سودی قرضوں کے ذریعے سرمایہ مہیا کیا تھا۔ اسی طرح انہوں نے اچھا خاصا اسلحہ جمع کر لیا تھا، یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ بات مسلمانوں کو بھی اسی طریقے پر لوگوں سے سودی قرضے لے کر اسلحہ جمع کرنے پر اُبھار سکتی تھی، مسلمانوں کو اس عمل سے روکنے کے لئے یہ واضح طور پر ممانعت کرنے والی آیتِ رِبا نازل ہوئی۔ (۱)

۲۱: یہ بات کہ ممانعتِ رِبا کا حکم غزوۂ اُحد کے قریبی زمانے میں آیا، اس کی تائید سُنن ابی داؤد میں مذکور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے روایت کردہ ایک واقعے سے بھی ہوتی ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ عمرو بن اقیش ایک ایسا شخص تھا جس نے سود پر قرضہ دے رکھا تھا، وہ اسلام قبول کرنے کی طرف راغب تھا، تاہم وہ ایسا کرنے سے اس لئے متردّد تھا کہ اسے یہ پتہ تھا کہ اگر وہ اسلام لے آیا تو وہ اپنی سودی رقم وصول نہ کر پائے گا، اس لئے اس نے اسلام قبول کرنے میں تأخیر کی، اسی دوران جنگِ اُحد چھڑ گئی، تب اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اسلام لانے کو مؤخر نہیں کرے گا، اور وہ میدانِ معرکہ میں آیا اور مسلمانوں کی طرف سے لڑنے لگا، یہاں تک کہ وہ اسی معرکے میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوا۔ (۲)

۲۲: یہ روایت صاف طریقے سے واضح کرتی ہے کہ رِبا غزوۂ اُحد سے پہلے سے ممنوع تھا، اور یہی وجہ عمرو بن اقیش کے اسلام لانے میں تردّد کی وجہ بنی ہوئی تھی۔

۲۳: آیات کا چوتھا مجموعہ سورۃ البقرہ میں مذکور ہے، جس میں حرمتِ رِبا کی شدت تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے، ان آیات کے نزول کا پسِ منظر یہ ہے کہ فتحِ مکہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام واجب الاداء سودی رقوم کو منسوخ (Void) کر دیا تھا، اس اعلان کا مطلب یہ تھا کہ کوئی شخص بھی اپنے فراہم کردہ قرضے پر سود کا مطالبہ نہیں کر سکتا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا رُخ فرمایا، جو فتح نہ کیا جا سکا، لیکن بعد میں طائف کے باشندے جو زیادہ تر طائف کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، اسلام لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک معاہدہ کیا، اس مجوزہ معاہدے کی ایک شق یہ بھی تھی کہ بنوثقیف اپنے مقروضوں کے قرضوں پر سودی رقوم معاف نہیں کریں گے، لیکن ان کے قرض خواہ (Creditors) ان پر عائد سود کو معاف کر دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدے پر دستخط کرنے کے بجائے اس مسودے پر صرف ایک جملہ لکھ کر بھیج دیا کہ بنوثقیف بھی ویسا

---

(۱) ۔ الرازی: التفسیر الکبیر، مطبوعہ ایران، ج:۹، ص:۲۔
(۲) ابوداؤد: السنن، حدیث: ۲۵۳۷، ج:۳، ص:۲۰۔

ہی حق رکھیں گے جیسا کہ مسلمان رکھتے ہیں،(۱) بنوثقیف اس تأثر میں تھے کہ حضور ﷺ ان کا معاہدہ قبول کر چکے ہیں، اس لئے انہوں نے بنوعمرو بن المغیرہ سے اپنی سودی رقوم کا مطالبہ کر دیا، لیکن بنوعمرو نے ان کے مطالبے کو سود کے ممنوع ہو جانے کی وجہ سے مسترد کر دیا، مقدمہ مکہ مکرمہ کے گورنر عتاب بن اسید کے پاس پیش ہوا، بنوثقیف کی دلیل یہ تھی کہ معاہدے کی رُو سے وہ سودی رقم معاف کرنے پر مجبور نہیں ہیں، عتاب بن اسید نے معاملہ حضور ﷺ کی خدمت میں رکھا تو اس موقع پر مندرجہ ذیل قرآنی آیات نازل ہوئیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ○

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور جس قدر سود مقروضوں کے ذمہ رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو پھر اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ، اور اگر تم اس سے توبہ کرتے ہو تو تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ اپنی اصل رقم لے لو اور سود چھوڑ دو، نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے۔

۲۴: اس موقع پر بنوثقیف نے سرِ تسلیم خم کر لیا اور کہنے لگے:

''ہمارے اندر اتنی سکت نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ چھیڑیں۔''(۲)

رِبا کی حرمت کا وقت

۲۵: قرآنِ کریم کی ان آیات کو ان کے تاریخی پسِ منظر کی روشنی میں مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ رِبا کم از کم ہجرت کے دُوسرے سال میں حرام قرار دے دیا گیا تھا، البتہ یہ بات مشکوک ہے کہ آیا اس سے قبل حرام تھا یا نہیں؟ اگر سورۂ رُوم کی آیت میں استعمال کردہ لفظِ ''رِبا'' بعض محققین کے قول کے مطابق سود کے معنیٰ میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآنِ کریم نے مکی زندگی میں ہی فعلِ رِبا کو شنیع قرار دے دیا تھا، اسی وجہ سے علمائے کرام کی بہت بڑی تعداد

(۱) ابنِ عطیہ: المحرر الوجیز، دوحہ، ۱۹۷۷ء، ج:۲، ص۴۸۹۔

(۲) ابنِ جریر: جامع البیان، ج:۳، ص:۱۰۷۔ الواحدی: الوسیط، ج:۱، ص:۳۹۷۔ ابنِ عطیہ، ج:۲، ص:۴۸۹۔ الواحدی: اسباب النزول، ریاض، ۱۹۸۴ء، ص:۸۷۔

اس بات کی قائل ہے کہ ربا اسلام میں کبھی بھی حلال نہیں رہا، وہ تو بالکل ابتداء سے حرام تھا، تاہم اس کی شناعت اور شدت پر اس وقت زیادہ زور نہیں دیا گیا، کیونکہ اس وقت کفارِ مکہ مسلمانوں کو تعذیب اور اذیتیں دے رہے تھے، اور اس وقت مسلمانوں کی فکر کا زیادہ تر محور ایمان کے بنیادی ارکان کا قیام اور حفاظت تھی، چنانچہ اس وقت ان کے پاس ربا کے مسئلے میں اُلجھنے کا موقع نہ تھا، بہرحال کم از کم اتنی بات تو ضرور ثابت ہو جاتی ہے کہ ربا کی واضح ممانعت بلاشبہ سنہ ۲ھ میں آ چکی تھی۔

۲۶: بعض اپیل کنندگان کا موقف یہ تھا اور وہ اس بات پر مصر رہے کہ ربا کی ممانعت اور حرمت آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری سال آئی، یہ حضرات اپنے موقف کو تین مختلف روایات سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

۲۷: پہلی روایت: یہ بات بہت ساری روایات میں موجود ہے کہ حضور ﷺ نے ربا کی حرمت کا اعلان اپنے آخری خطبۂ حج (حجۃ الوداع) کے موقع پر فرمایا، اس موقع پر حضور ﷺ نے نہ صرف ربا کی حرمت کا اعلان فرمایا، بلکہ یہ اعلان فرمایا کہ پہلا سود جسے ختم کیا جا رہا ہے وہ ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ادا کیے جانے والا سود ہے، یہ اعلان ظاہر کرتا ہے کہ پہلا سود جسے ختم کیا گیا وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سود تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ربا کی حرمت حجۃ الوداع یعنی سنہ ۱۰ھ سے قبل مؤثر نہیں تھی۔

۲۸: متعلقہ مواد کا گہرا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ یہ دلیل مغالطے پر مبنی ہے، درحقیقت ربا کی حرمت کم از کم سنہ ۲ھ سے مؤثر تھی، لیکن حضور ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر جو آپ ﷺ کے پیروؤں کا سب سے بڑا اجتماع تھا، اسلام کے بنیادی اَحکامات کا اعلان کرنا مناسب خیال فرمایا، اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے آپ ﷺ نے دورِ جاہلیت کے مروّجہ بہت سے ایسے افعال جو اسلام میں ممنوع تھے، ان کا اعلان بھی فرمایا، لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ افعال اس سے پہلے ممنوع نہ تھے، مثال کے طور پر حضور ﷺ نے اس موقع پر انسانی زندگی اور عزت کی عظمت و حرمت بیان فرمائی، آپ ﷺ نے شراب کی حرمت کا اعلان فرمایا، عورتوں کے ساتھ بدسلوکی، غیبت اور آپس میں جھگڑوں سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام اَحکام بہت عرصہ پہلے ہی سے مؤثر تھے، لیکن پھر بھی آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر ان کا اعلان فرمایا، تاکہ تمام سامعین ان سے مکمل طور سے آگاہ ہو جائیں، اور کوئی بھی ان اَحکامات سے لاعلمی کا دعویٰ نہ کر سکے۔

بالکل یہی معاملہ ربا کے بارے میں بھی پیش آیا کہ وہ اصل میں کافی عرصہ قبل ہی ممنوع قرار دیا جا چکا تھا، مگر اس کا مکرّر اعلان واضح طور پر اس موقع پر دوبارہ کیا گیا، اسی وقت حضور ﷺ نے

یہ اعلان بھی فرمایا کہ آئندہ سود کا کوئی دعویٰ بھی قابلِ قبول نہ ہوگا، یہ وہ وقت تھا جب جزیرۂ عرب میں بہت بڑی تعداد میں عرب قبائل حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے تھے، عملِ ربا ان کے درمیان پھیلا ہوا تھا، اور یہ بات متصور تھی کہ وہ ایک دُوسرے سے اپنے سود کا دعویٰ کرتے رہیں گے، اسی وجہ سے اس موقع پر حضور ﷺ نے مناسب سمجھا کہ نہ صرف سود کو ممنوع قرار دینے کا اعلان کیا جائے، بلکہ سابقہ تمام سودی معاملات کو کالعدم قرار دے دیا جائے۔

اسی سیاق میں آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ادا کیے جانے والے سود کی معافی اور خاتمہ کا بھی اعلان فرما دیا، یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سنہ ۸ھ میں فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل ہی مسلمان ہوئے تھے، اسلام لانے سے قبل وہ لوگوں کو سودی قرضہ دیا کرتے تھے، اور ان کے مقروضوں کے ذمہ ان کی بہت بھاری رقوم واجب الادا تھیں[1]، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے تھے اور وہ اپنے مقروضوں سے اپنے قرضوں کا تصفیہ نہ کروا پائے تھے، چنانچہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ حج کا سفر فرمایا، تو اب ان کے لئے اپنے قرضوں کے تصفیہ کرانے کا پہلا موقع ملا تھا، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ وہ تمام سودی رقوم جو ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے لئے واجب الادا تھیں، اب وہ کالعدم اور غیر واجب الادا ہیں، اس اعلان کے اندر لفظ ''پہلا'' کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس سے پہلے کے ربا واجب الادا یا کالعدم نہ تھے، بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ وہ پہلی سودی رقم ہے جسے اس خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر کالعدم قرر دینے کا اعلان کیا جارہا ہے۔

ہم پہلے بنوثقیف کے حوالے سے یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ انہوں نے فتح مکہ کے بعد (یعنی حجۃ الوداع سے تقریباً دو سال قبل) اپنے مقروضوں سے سودی رقوم کا دعویٰ کیا تھا، لیکن اس وقت ان کی سودی رقوم کے دعوے کو مسترد کر دیا گیا تھا، اس لئے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا سود، کالعدم قرار دیئے جانے والا پہلا سود تھا، اور نہ ہی یہ دعویٰ صحیح ہے کہ حرمتِ ربا کا حکم پہلی بار حجۃ الوداع کے موقع پر نافذ العمل ہوا۔

قرآنِ کریم کی آخری آیت

۲۹: یہ نظریہ کہ ربا حضور ﷺ کے آخری دورِ حیات میں حرام کیا گیا اس کی تائید میں دُوسری دلیل وہ روایت پیش کی جاتی ہے، جو امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے

(۱) الواحدی۔

سے نقل کی ہے، جس میں انہوں نے ارشاد فرمایا:

"اخر اية نزلت على النبى صلى الله عليه وسلم اية الربا."

ترجمہ: آخری آیت جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی، وہ آیتِ ربا ہے۔

۳۰: لیکن سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ نہیں فرمایا کہ شریعت کا آخری حکم ربا کی حرمت تھی، وہ تو صرف یہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ پر نازل ہونے والی آخری آیت ربا کی تھی، جس کا اس جملے میں بلاشبہ یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد سورۂ بقرہ کی وہ آیات ہیں جو پیچھے نقل کی گئیں، اس روایت میں لفظِ "اية الرِّبا" صرف اس کے عنوان کے طور پر مذکور ہے۔

لہٰذا اگر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جملے کو ظاہری الفاظ پر بھی محمول کیا جائے تو بھی یہ اس بات کا اظہار ہے کہ سورۂ آلِ عمران، سورۂ نساء اور سورۂ رُوم کی آیات کا نزول سورۂ بقرہ کی ان آیات سے پہلے ہو چکا تھا، جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حرمتِ ربا کا حکم سورۂ بقرہ کی ان آیات کے نزول سے پہلے ہی آ گیا تھا۔

اسی لئے یہ بات عیاں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کا مطلب یہ نہیں لیا جا سکتا کہ حرمتِ ربا کا حکم حضور ﷺ کے آخری دورِ حیات میں آیا تھا۔

۳۱: مزید یہ کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی ارشاد بہت سارے دُوسرے علمائے کرام مثلاً ابنِ جریر الطبریؒ سے بھی مروی ہے، جو اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد صرف مندرجہ ذیل آیت سے متعلق ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (۱)

ترجمہ: اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف، پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا، اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

۳۲: چونکہ یہ آیت موجودہ شکل میں آیاتِ ربا (۲۷۵ تا ۲۸۰) کے فوراً بعد رکھی گئی ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے آیتِ ربا فرما دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ارشاد کو کتاب التفسیر کے اس باب میں ذکر فرمایا جس میں سورۂ بقرہ کی صرف آیت نمبر ۲۸۱ کی تفسیر ہے، نہ کہ باب نمبر ۴۹ تا ۵۲ میں، جو آیاتِ ربا یعنی ۲۷۵ تا ۲۸۰ سے متعلق ہیں۔ (۲)

(۱) ۲:۲۸۱۔　　(۲) دیکھئے فتح الباری، ج:۸، ص:۲۰۵۔

اس تشریح کی روشنی میں یہ بات زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سورۂ بقرہ کی وہ آیات جو حرمتِ رِبا کی شدت بیان کرنے پر مشتمل ہیں، یعنی آیات نمبر ۲۷۵ تا ۲۸۰، وہ پہلے نازل ہو چکی تھیں، اور یہ آیت: ۲۸۱ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دنوں میں نازل ہوئی۔ اس بات کی مزید تائید اس حقیقت سے بھی ہو سکتی ہے کہ آیت ۲۷۸ یقینی طور پر فتح مکہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب طائف کے قبیلہ بنوثقیف نے بنومغیرہ سے اپنے سود کی اس رقم کا مطالبہ کیا جس کا واقعہ پیچھے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا چکا ہے، مکہ مکرمہ کی فتح سنہ ۸ ھ میں ہوئی، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال سنہ ۱۱ ھ میں ہوا، اس بات کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ تین سال سے زائد لمبے عرصے تک کوئی اور آیت نازل نہیں ہوئی، اس لئے یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ آیتِ رِبا سے ان کی مراد صرف آیت نمبر: ۲۸۱ ہے، جو ان کے مطابق الگ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات میں نازل ہوئی تھی اور یہ بھی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ذاتی رائے ہی تھی، کیونکہ کچھ دُوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دُوسری آیات کو قرآنِ پاک کی آخری نازل شدہ آیت قرار دیتے ہیں، اس مسئلے پر علامہ سیوطیؒ کی کتاب ''الاتقان'' میں اور دُوسری تفسیر اور حدیث کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

۳۳: یہ ساری تفصیل اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ رِبا کی حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات سے بہت پہلے آ چکی تھی۔

۳۴: مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگرچہ رِبا کی ناپسندیدگی کے بعض اشارے مکی زندگی ہی میں ملتے ہیں، تاہم اس کی واضح حرمت قرآنِ پاک کے ذریعہ سنہ ۲ ھ غزوۂ اُحد کے قریبی زمانے میں نازل ہوئی۔

۳۵: تیسری روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے، جس پر بعض اپیل کنندگان اعتماد کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ رِبا کی حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانے میں آئی، ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول پر تفصیل کے ساتھ ان شاء اللہ پیراگراف نمبر ۵۶ میں غور کریں گے۔

رِبا سے مراد کیا ہے؟

۳۶: اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ رِبا سے کیا مراد ہے؟ قرآنِ کریم نے رِبا کی تعریف اس لئے بیان نہیں فرمائی کیونکہ یہ بات واضح تھی کہ رِبا قرآنِ کریم کے مخاطبین کے لئے ایک معروف فعل تھا، یہ بالکل حرمتِ خمر، قمار اور زنا کی طرح تھا کہ جس کی حرمت بھی بغیر کسی جامع مانع تعریف کے عمل میں آئی، اور اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ سب چیزیں اتنی واضح اور غیر مبہم تھیں کہ ان کی

تعریف کی ضرورت نہ تھی۔ بالکل یہی حالت ربا کی بھی تھی کہ وہ ان کے لئے اجنبی نہ تھا، وہ سب اس اصطلاح کو اپنے روزمرہ معاملات میں استعمال کرتے تھے، نہ صرف عرب بلکہ تمام سابقہ معاشرے اسے اپنے مالیاتی معاملات میں استعمال کیا کرتے تھے، اور کسی کو بھی اس کی حقیقی تعریف کی ضرورت نہ تھی، ہم بہت پہلے سورۃ النساء کی آیت کا حوالہ دے چکے ہیں، جہاں پر قرآنِ کریم نے یہودیوں کے سود کھانے کی مذمت فرمائی ہے، باوجودیکہ وہ ان پر پہلے سے حرام تھا، یہاں یہ عمل بھی اسی طرح ربا سے تعبیر کیا گیا، جس طرح یہ سورۂ آل عمران اور سورۂ بقرہ میں تعبیر کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ عملِ ربا مسلمانوں کے لئے بالکل اسی طرح ممنوع ہے جس طرح یہودیوں کے لئے ممنوع تھا۔

بائبل میں رِبا

۳۷: یہ ممانعت ابھی تک بائبل کے پرانے صحیفوں میں موجود ہے، درجِ ذیل اقتباسات حوالے کے طور پر تائید کے لئے پیش کیے جاتے ہیں:

Thou shalt not lend upon usury to thy brother, usury of money, usury of victuals, usury of any thing that is lent upon usury.

(Deuteronomy 23: 19)

ترجمہ: تم اپنے بھائی کو سود پر قرضہ نہ دو، روپے کا سود، صَرفی اشیاء کا سود، اور کسی بھی چیز کا سود جو سود پر قرضہ دیا جائے۔

Lord, who shall abide in thy tabernacle? Who shall dwell in thy holy hill? He that walketh uprightly, and worketh righteousness and speaketh the truth in his heart. He that putteth not out of his money to usury, nor taketh reward against the innocent.

(Psalms 15: 1, 2, 5)

ترجمہ: اے خدا! کون قربان گاہ میں رہے گا؟ کون مقدس پہاڑی پر رہے گا؟ وہ شخص جو کہ سیدھے راستے پر چلے گا، سچائی اور صحیح طریقے سے کام کرے گا، دِل سے سچ بولے گا، وہ جو کہ اپنی رقم سود پر نہیں چڑھائے گا، نہ ہی کسی معصوم کا حق مارے گا۔

He that by usury and unjust again increaseth his substance, he shall gather it for him that will pity the poor.

(Proverbs 28: 8)

ترجمہ: وہ شخص جو کہ سود اور ناجائز ذرائع سے دولت بڑھاتا ہے، وہ اسے اپنے لئے جمع کرتا ہے جو غریب کے لئے افسوس ہے۔

Then I consulted with myself, and I rebuked the nobles, and roles and said unto them, Ye exact usury, every one of his brother. And I set a great assembly against them.

(Nehemiah 5: 7)

ترجمہ: تب میں نے اپنے آپ سے مشورہ کیا، اور معززین کو ڈانٹا اور قوانین دیکھے اور ان سے کہا: تم اپنے ہر بھائی سے سود لیتے ہو اور میں نے ایک بڑا اجتماع ان کے خلاف تیار کرلیا۔

He that hath not given forth upon usury, neither hath taken any increase, that hat withdrawn his hand from iniquity, hath executed true judgment between man and man, hath walked in my statues, and hath kept my judgments, to deal truly; he is just. He shall surely live, said the Lord God.

(Ezekiel 18: 8, 9)

ترجمہ: اور سود پر قرض نہ دے، اور ناحق نفع نہ لے، اور بدکرداری سے دست بردار رہے، اور لوگوں کے درمیان سچا انصاف کرے، اور میرے قوانین پر چلے، اور میری قضاؤں کو حفظ کر کے عمل میں لائے تو وہ یقیناً صادق ہے اور زندہ رہے گا (یوں مالک خداوند کا فرمان ہے)۔

In thee have they taken gifts to shed blood; thou hast taken usury and increases, and though hast greedily gained of they neighbours by extortion, and hast forgotten me, said the Lord God.

(Ezekiel 22: 12)

ترجمہ: تجھ میں خون کے لئے رشوت لی جاتی ہے، اور سود اور ناحق نفع لیا جاتا ہے، اور لالچ کے باعث ہمسائے پر ظلم کیا جاتا ہے، اور تو نے مجھے فراموش کر دیا (مالک خداوند کا فرمان یوں ہی ہے)۔

۳۸: بائبل کے ان مختصر حوالوں میں لفظ ''یوژری'' کا استعمال ان معنوں میں ہوا ہے کہ کوئی بھی ایسی رقم جو قرض خواہ، مقروض سے اپنے قرضے کے علاوہ اور اس کے اُوپر طلب کرے، قرآنِ کریم میں جو لفظ ''الربا'' استعمال کیا گیا ہے، اس کے بھی بالکل وہی معنیٰ ہیں، کیونکہ سورۃ النساء کی آیت میں صراحۃً مذکور ہے کہ رِبا یہودیوں کے لئے بھی حرام کیا گیا تھا۔

مفسرینِ قرآن کی بیان کردہ تعریفِ رِبا

۳۹: مزید براں کتبِ احادیث لفظِ ''الرِّبا'' کو بیان کرتے ہوئے دورِ جاہلیت کے مروّجہ اہلِ عرب کے سودی معاملات بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کرتی ہیں، جن کی بنیاد پر مفسرینِ قرآن نے رِبا کی واضح تعریف بیان کی ہے۔

۴۰: امام ابوبکر الجصاصؒ (المتوفی ۳۸۰ھ) اپنی مشہور کتاب أحکام القرآن میں رِبا کی تشریح مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

و الربا الذی کانت العرب تعرفه و تفعله انما کان قرض الدراهم والدنانير الى أجل بزيادة على مقدار ما استقرض على ما يتراضون به.(1)

ترجمہ: اور وہ رِبا جو اہلِ عرب کے درمیان معروف اور مستعمل تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ وہ درہم (چاندی کے سکے) یا دینار (سونے کے سکے) کی شکل میں مخصوص مدت کے لئے اپنے اصل سرمایہ پر متعین اضافے کی شرط کے ساتھ قرض دیا کرتے تھے۔

۴۱: اس عمل کی بنیاد پر مذکورہ بالا مصنف نے رِبا کی درجِ ذیل تعریف کی ہے:

هو القرض المشروط فيه الأجل و زيادة مال على المستقرض۔

ترجمہ: جاہلیت کا رِبا یہ ہے کہ کوئی قرض متعینہ مدت کے لئے دے اور مقروض کو اصل سرمایہ پر طے شدہ اضافے کے ساتھ واپس کرنا لازمی ہو۔

---

(۱) احکام القرآن: الجصاص، ج:۱، ص: ۴۶۵، لاہور، ۱۹۸۰ء۔

امام فخر الدین رازیؒ نے دورِ جاہلیت میں مروّج ربا کی تفصیل یوں بیان فرمائی ہے:

و اما ربا النسيئة فهو الأمر الذى كان مشهورًا متعارفًا فى الجاهلية و ذلك انهم كانوا يدفعون المال على أن يأخذوا كل شهر قدرًا معينًا، و يكون رأس المال باقيًا، ثم اذا حل الدين طالبوا المديون برأس المال، فان تعذر عليه الأداء زادوا فى الحق و الأجل، فهذا هو الربا الذى كانوا فى الجاهلية يتعاملون به. (۱)

ترجمہ: جہاں تک ربا النسيئة کا تعلق ہے، تو یہ دورِ جاہلیت کا ایک مشہور و معروف عقد تھا، اور وہ یہ کہ لوگ اس شرط کے ساتھ روپے دیا کرتے تھے کہ وہ ایک متعین رقم ماہانہ وصول کیا کریں گے، اور اصل سرمایہ ویسا ہی واجب الادا رہے گا، پھر مدت کے اختتام پر وہ مقروض سے اصل سرمایہ کی واپسی کا مطالبہ کرتے تھے، اب اگر وہ ادا نہ کر سکا تو وہ مدت اور واجب الادا رقم بڑھا دیتے تھے، یہ تھا وہ ربا جو جاہلیت کے زمانے میں رائج رہا ہے۔

۴۲: بالکل یہی وضاحت ابنِ عدیل الدمشقی نے اپنی مفصل تفسیر "اللباب" میں بیان فرمائی ہے۔ (۲)

۴۳: رِبا الجاہلیہ کی تفصیلی وضاحت

وفاقِ پاکستان کے وکیل محترم ریاض الحسن گیلانی صاحب نے ہمارے سامنے یہ دلیل پیش کی کہ قرآنِ کریم نے جس ربا کو حرام قرار دیا ہے، وہ ایک مخصوص قسم کا عقد تھا جس میں قرض دیتے وقت کوئی اضافہ طے نہیں کیا جاتا تھا، تاہم اگر مقروض مدت کے اختتام پر رقم ادا نہ کر سکتا تو قرض خواہ اس کے سامنے دو اختیار رکھتا تھا، یا تو وہ اصل سرمایہ واپس کر دے ورنہ اس اضافی مدت کے بدلے رقم میں اضافہ کر دے۔ فاضل وکیل صاحب نے یہ موقف اختیار کیا کہ جاہلیت کے زمانے میں قرضہ دیتے وقت اصل سرمایہ پر اضافہ کی کوئی شرط عائد نہ کی جاتی تھی، اس لئے کوئی بھی اضافی رقم جب قرض کے اصل معاملے پر طے کی جائے وہ رِبا القرآن کی تعریف کے ذیل میں نہیں آتی، تاہم وہ رِبا الفضل کی تعریف کے زُمرے میں بے شک داخل ہو جاتی ہے، جو کہ صرف مکروہ یا ناپسندیدہ عمل ہے۔

۴۴: فاضل وکیل صاحب نے بعض مفسرینِ کرامؒ کی روایات کا حوالہ بھی دیا، مثلاً انہوں

(۱) التفسیر الکبیر: للامام الرازیؒ، ج:۷، ص:۹۱، مطبوعہ تہران۔　(۲) ج:۴، ص:۴۴۸۔

نے مشہور و معروف تفسیر ابنِ جریر الطبری کا حوالہ دیا جو کہ مجاہدؒ کے حوالے سے رِبا الجاہلیہ کی اس طرح وضاحت کرتی ہے:

كانوا في الجاهلية يكون للرجل الدّين، فيقول: لك كذا و كذا و تؤخر عني.

ترجمہ: دورِ جاہلیت میں ایک شخص کے ذمہ اپنے قرض خواہ کا قرضہ واجب الادا ہو جاتا تھا، پھر وہ اپنے قرض خواہوں سے کہتا تھا کہ: میں تمہیں اتنی اتنی رقم کی پیشکش کرتا ہوں اور تم مجھے ادا کرنے کی مزید مہلت دو۔

۴۵: بالکل یہی تشریح دُوسرے بہت سے مفسرینِ قرآن سے بھی منقول ہے، جناب ریاض الحسن گیلانی نے دلیل دی کہ ان روایات میں اصل سرمایہ پر کسی متعین اضافہ کا کوئی ذکر نہیں ہے، جس چیز کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ مدت کے اختتام پر اضافے کی پیشکش یا مطالبہ کیا جاتا تھا، جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم کا حرام کردہ سود وہ ہے جس میں مدت کے اختتام پر قرض خواہ کی جانب سے مدت بڑھانے کی وجہ سے اضافی رقم کا مطالبہ کیا جائے، اگر کوئی اضافی رقم عقدِ قرض کی ابتداء میں طے کرلی جائے تو وہ رِبا القرآن میں شامل نہ ہوگی۔

۴۶: محترم وکیل صاحب کے ان دلائل نے ہمیں بالکل متأثر نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر کے اصل مآخذ کے متعلقہ مواد کے محتاط مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصل سرمایہ پر اضافہ کا مطالبہ جاہلیت کے زمانے میں مختلف طریقوں سے ہوتا تھا، پہلا یہ کہ قرض دیتے وقت قرض خواہ اصل سرمایہ پر ایک اضافی رقم کا مطالبہ کیا کرتا تھا، اور یہ بات قرض کے معاہدے میں واضح شرط کے طور پر طے کی جاتی تھی، جس کا ذکر امام الجصاصؒ کی تصنیف ''اَحکام القرآن'' کے حوالے سے پیچھے کیا جاچکا ہے، دُوسری قسم امام رازیؒ اور ابنِ عدیلؒ کے حوالے سے پیچھے گزر چکی ہے کہ قرض خواہ مقروض سے ایک متعین ماہانہ آمدنی کا مطالبہ کیا کرتا تھا، جبکہ اصل سرمایہ مدت کے اختتام تک بحال رہتا تھا۔

۴۷: تیسری قسم مجاہدؒ کے حوالے سے فاضل ایڈووکیٹ نے ذکر فرمائی ہے، لیکن اس کی مکمل تشریح قتادہؒ کے حوالے سے ابنِ جریرؒ نے درجِ ذیل الفاظ میں خود بیان فرمائی ہے:

عن قتادة ان ربا الجاهلية بيع الرجل البيع الى أجل مسمّى، فاذا حل الأجل و لم يكن عند صاحبه قضاء زاده و أخر عنه.(۱)

(۱) ابنِ جریر، تفسیر ج:۳،ص:۱۰۱۔

ترجمہ: جاہلیت کے زمانے کا رِبا یہ تھا کہ ایک شخص متعین مدت کے اُدھار پر کوئی چیز فروخت کرتا تھا، جب وہ مدت آ جاتی اور خریدار قیمت کی ادائیگی نہ کر سکتا تو بیچنے والا قیمت میں اضافہ کر کے خریدار کو مزید وقت کی مہلت دے دیتا تھا۔

۴۸: بالکل یہی تفصیل علامہ سیوطیؒ نے فریابی کے حوالے سے بھی مذکورہ ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

كانوا يتباعون الى الأجل، فاذا حلّ الأجل زادوا عليهم و زادوا فى الأجل. (۱)

ترجمہ: وہ اشیاء اُدھار ادائیگی پر خریدا کرتے تھے، مگر مدت کے اختتام پر فروخت کرنے والے واجب الادا رقم بڑھا کر ادائیگی کی مدت میں اضافہ کر دیا کرتے تھے۔

۴۹: ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ معاملات جن میں قرض خواہ مدت کے اختتام پر ایک اضافی رقم کا مطالبہ کیا کرتے تھے، وہ قرض کے معاملات نہ تھے، بلکہ ابتداء میں وہ اُدھار پر اشیاء کی فروختگی کے معاملات تھے، جن میں بیچنے والا تأخیر سے ادائیگی کی صورت میں زیادہ قیمت کا مطالبہ کیا کرتا تھا، لیکن جب خریدار وقتِ مقررہ پر بھی ادائیگی پر قادر نہ ہوتا تو وہ مدت میں اضافہ کرتے ہوئے اس کے بدلے قیمت میں بھی اضافہ کرتا رہتا تھا۔

یہی وہ مخصوص معاملہ ہے جس کا ذکر حضرت مجاہدؒ نے کیا ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے لفظِ ''قرض'' استعمال نہیں کیا، بلکہ لفظِ ''دَین'' (واجب الادا رقم) استعمال کیا ہے، جو کہ عموماً خرید و فروخت کے معاملے میں پیدا ہوتا ہے۔

۵۰: رِبا کی یہ شکل مفسرینِ قرآن نے بکثرت ذکر فرمائی ہے، کیونکہ وہ رِبا کی آیات میں سے ایک مخصوص جملہ کی وضاحت کرنا چاہتے تھے، جو کہ درج ذیل ہے:

"قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا."

ترجمہ: کفار کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی تو رِبا کی مانند ہے۔

۵۱: کفار کا یہ قول واضح طور پر خرید و فروخت کی مذکورہ بالا مخصوص قسم کی طرف اشارہ کر رہا ہے، کیونکہ ان کا اعتراض یہ تھا کہ جب ہم اُدھار فروخت کرنے کی صورت میں کسی چیز کی قیمت ابتداء ہی سے زیادہ رکھتے ہیں تو اسے جائز کہا جاتا ہے، لیکن جب ہم مدت کے اختتام پر خریدار کی عدم

(۱) السیوطی: لباب المنقول، ص: ۲۰۔

ادائیگی کی صورت میں واجب الادا رقم میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو اسے رِبا کہا جاتا ہے، حالانکہ دونوں صورتوں میں اضافہ بظاہر یکساں معلوم ہوتا ہے، کفارِ مکہ کا یہ اعتراض خاص طور پر مشہور مفسر ابنِ ابی حاتم نے سعید بن جبیرؒ کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے:

قالوا سواء علينا ان زدنا في أول البيع أو عند محل المال، فهما سواء، فذلك قوله: قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا.(۱)

ترجمہ: وہ یہ کہا کرتے تھے کہ یہ بات برابر ہے کہ خواہ ہم قیمت میں ابتدائے عقد میں اضافہ کردیں یا ہم مدت کے اختتام پر اسے بڑھائیں دونوں صورتیں یکساں ہیں، یہی اعتراض ہے جسے قرآنِ کریم کی آیت میں یہ کہہ کر ذکر کیا گیا ہے: کفار کہتے ہیں کہ خرید وفروخت تو بالکل رِبا کی مانند ہے۔

۵۲: بالکل یہی تشریح ابوحیانؒ نے البحر المحیط میں اور متعدد دُوسرے قدیم مفسرینِ قرآن نے ذکر فرمائی ہے۔(۲)

۵۳: مذکورہ تفصیل سے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ مدت کے اختتام پر اضافے کا عمل دو مختلف صورتوں سے متعلق ہے، ایک وہ صورت ہے جہاں اصل معاملہ کسی چیز کی فروختگی کا ہوتا تھا، جیسا کہ قتادہ، فاریابی، سعید بن جبیر (رحمہم اللہ) وغیرہ نے ذکر فرمایا ہے، اور دُوسری صورت وہ تھی جہاں اصل عقد، قرض کا تھا، اور اس پر قرض خواہ کی طرف سے ماہانہ سود وصول کیا جاتا تھا اور مدت کے اختتام تک اصل سرمایہ اتنا ہی برقرار رہتا تھا، اور اگر مقروض اصل سرمایہ اس وقت تک ادا نہ کرسکتا تو قرض خواہ مدت میں اضافہ کرکے اس کے بدلے واجب الادا رقم میں بھی اضافہ کردیتا تھا، جیسا کہ پیچھے امام رازیؒ اور ابنِ عدیلؒ کے حوالے سے پیراگراف نمبر ۴۱ اور ۴۲ میں گزر چکا ہے۔

۵۴: اس طرح یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ وہ رِبا جسے قرآنِ کریم نے حرام قرار دیا ہے وہ صرف اس صورت تک منحصر نہیں ہے، جسے وفاقِ پاکستان کے وکیل جناب ریاض الحسن گیلانی نے بیان کیا ہے، دراصل رِبا کی مختلف صورتیں تھیں اور وہ سب کی سب جاہلیت کے عربوں میں رائج تھیں۔ ان تمام معاملات میں مشترک بات یہ تھی کہ اُدھار کی رقم پر ایک اضافی رقم کا مطالبہ کیا جاتا تھا، پھر بعض اوقات یہ اُدھار خرید وفروخت کے عقد کے ذریعے سے پیدا ہوتا اور بعض اوقات قرضہ دینے کے ذریعے پیدا ہوتا۔ اسی طرح اضافی رقم بعض مرتبہ ماہانہ وصول کی جاتی، جبکہ اصل سرمایہ متعینہ مدت میں ادا کیا جاتا تھا، اور بعض مرتبہ یہ اضافی رقم اکٹھی اصل سرمایہ کے ساتھ وصول کی جاتی۔ ان تمام شکلوں کو

(۱) تفسیر ابن ابی حاتم ج:۲، ص:۵۴۴، مکہ، ۱۹۹۷ء۔ (۲) ابوحیان: البحر المحیط، ج:۲، ص:۳۳۵۔

''رِبا'' کہا جاتا تھا، کیونکہ اس اصطلاح کے لغوی معنیٰ ''اضافے'' کے ہیں۔

اسی وجہ سے مفسرینِ قرآن مثلاً امام ابوبکر الجصاصؒ نے اس اصطلاح کی تعریف درجِ ذیل الفاظ میں بیان کی ہے:

"هو القرض المشروط فيه الأجل و زيادة مال على المستقرض."

ترجمہ: جاہلیت کا رِبا وہ قرض ہے جو ایک متعینہ مدت کے لئے اصل سرمایہ پر اضافہ کے عوض مقروض کو دیا جاتا ہے۔

۵۵: اب ہم ان دُوسرے دلائل کی طرف آتے ہیں جنہیں ہمارے سامنے حرمتِ رِبا کے خلاف پیش کیا گیا۔

رِبا کا تصور مبہم ہونے کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

۵۶: حبیب بینک لمیٹڈ کے وکیل جناب ابوبکر چندریگر نے مرحوم جسٹس قدیرالدین کے روزنامہ ڈان مؤرخہ ۱۲ راگست ۱۹۹۷ء میں شائع شدہ مضمون کو اپنے دلائل کی بنیاد بنایا ہے، اس مضمون میں جسٹس قدیرالدین مرحوم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ قرآنِ کریم میں استعمال شدہ ''رِبا'' کی اصطلاح ایک مبہم اصطلاح ہے، اس کے صحیح معنیٰ کسی شخص کو یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کو معلوم نہ تھے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا حوالہ دیتے ہیں کہ: ''آیاتِ رِبا قرآنِ کریم کی آخری آیات میں سے ہیں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وضاحت کرسکنے سے قبل ہی اس دُنیا سے تشریف لے گئے، لہٰذا رِبا اور ہر قسم کی شک اور شبہ والی چیز کو چھوڑ دو۔'' بالکل یہی دلیل متعدد اپیل کنندگان کی طرف سے ان کی اپیل کی درخواستوں میں پیش کی گئی ہے، یہاں تک کہ بعض اپیل کنندگان نے آیاتِ رِبا کو متشابہات میں شمار کیا ہے، انہوں نے یہ دلیل دی کہ قرآنِ پاک نے ہم سے یہ کہا ہے کہ صرف ان آیات کا اتباع کیا جائے جو معانی کے لحاظ سے بالکل واضح (محکمات) ہوں، اور متشابہات کی اتباع نہ کی جائے۔ ان اپیل کنندگان کے مطابق رِبا کی آیات دُوسری قسم میں داخل ہونے کی وجہ سے قابلِ عمل نہیں ہیں۔

۵۷: ان حضرات کی یہ دلیل بدیہی طور پر باطل ہے، کیونکہ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہے جو عملِ رِبا سے احتراز نہیں کرتے، کوئی شخص یہ تصور کیسے کرسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دانائے کل اور رحیم و کریم ذات کسی ایسے عمل کے خلاف اعلانِ جنگ کرسکتی ہے جس کی صحیح حقیقت کسی کو معلوم ہی نہ ہو! درحقیقت ''متشابہات'' کی اصطلاح قرآنِ پاک کی سورۂ آلِ عمران

کی ابتداء میں دو قسم کی قرآنی آیات کے لئے استعمال کی گئی ہے، ''متشابہات'' کی پہلی قسم میں وہ بعض الفاظ داخل ہیں جو بعض سورتوں کے شروع میں استعمال کئے گئے ہیں، اور جن کے صحیح معانی کسی کو بھی یقینی طور پر معلوم نہیں ہیں، مثلاً "الٓمّٓرٰ" لیکن ان کے صحیح معانی کا نامعلوم ہونا مسلمانوں کی زندگیوں پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتا، کیونکہ شریعت کا کوئی حکم ان الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کیا گیا ہے، دُوسرے یہ کہ ''متشابہات'' کا لفظ اللہ تبارک وتعالیٰ کی کچھ ایسی صفات کے لئے استعمال ہوا ہے جن کی صحیح ماہیت کسی بھی انسان کے لئے ناقابلِ تصور ہے، مثال کے طور پر بعض معامات پر ''اللہ کے ہاتھ'' کے الفاظ آئے ہیں۔(۱) کسی شخص کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کی حقیقت کیا ہے؟ اور نہ ہی یہ بات کسی کے لئے جاننا ضروری ہے، کیونکہ کوئی عملی مسئلہ اس کے معلوم ہونے پر موقوف نہیں، لیکن بعض لوگ ان کی صحیح حقیقت کی کھوج میں پڑ گئے، حالانکہ نہ اس حقیقت کا دریافت کرنا ان کی ذمہ داری تھی، نہ شریعت کا کوئی عملی حکم ان کی فہم پر موقوف تھا، اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو ان صفات کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں جستجو اور قیاسی بحثوں سے منع فرمایا ہے، کیونکہ شریعت کے واجب الاتباع اَحکام سے اِن کا کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شریعت کے کسی عملی حکم کو ''متشابہات'' کی اصطلاح میں داخل قرار دیا گیا ہو، اس بات کا اعلان نہ صرف قرآنِ کریم نے (۲:۲۳۳ آیت میں) کیا ہے، بلکہ یہ ہر شخص کے سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو کسی ایسے حکم کا مکلف نہیں فرماتے جس پر عمل کرنا ان کی طاقت سے باہر ہو، اگر ''ربا'' کے صحیح معنی کسی بھی شخص کو معلوم نہیں تھے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ذمہ یہ بات لازم نہیں فرماسکتے تھے کہ وہ رِبا سے اجتناب کریں۔

سورۂ بقرہ کی آیاتِ رِبا کے سادے مطالعے ہی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ رِبا کو ایک سخت گناہ قرار دیا گیا ہے، اور اس گناہ کی شدت اس سخت انداز میں بیان کی گئی ہے کہ اگر مسلمانوں نے اس عمل کو ترک نہ کیا تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اعلانِ جنگ کے لئے تیار ہوجائیں۔

رِبا الفضل کے بارے میں کچھ تفصیل

۵۸: جہاں تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا تعلق ہے، اس کا تجزیہ کرنے سے پہلے یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ قرآنِ کریم نے جاہلیت کے رِبا کی ان تمام صورتوں کو حرام قرار دیا تھا جن کا ذکر پیچھے گزرا ہے، یہ تمام صورتیں یا تو قرض کے معاملات سے متعلق تھیں یا اس دَین کے متعلق جو بیع کے

(۱) مثلاً ۳:۷۳، ۵:۶۴، ۴۸:۱۰۔

نتیجے میں وجود میں آیا ہو۔ لیکن ان آیات کے نزول کے بعد حضور ﷺ نے کچھ دُوسرے معاملات کو بھی حرام قرار دے دیا تھا جو پہلے رِبا قرار نہ دیئے جاتے تھے، حضور ﷺ نے محسوس فرمایا کہ اس زمانے کی مروّجہ تجارتی فضا میں بارٹر (اجناس کا باہم تبادلہ) کی بعض صورتیں رِبا کے کاروبار میں لوگوں کو ملوث کر سکتی ہیں، اہلِ عرب بعض اجناس مثلاً گندم، جو، کھجو، وغیرہ کو ذریعۂ تبادلہ (Medium of Exchange) کے طور پر استعمال کرتے تھے، حضور ﷺ نے ان اشیاء کو پیسے کی مانند تبادلہ کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل اَحکامات جاری فرمائے:

"الذهب بالذهب و الفضة بالفضة و البر بالبر و الشعير بالشعير، و التمر بالتمر، و الملح بالملح، مثلًا بمثلٍ، يدًا بيدٍ، فمن زاد أو استزاد فقد أربٰى."

ترجمہ: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، کھجور کھجور کے بدلے (اگر بیچا جائے) تو دونوں طرف بالکل برابر ہونا چاہئے، اور دست بدست ہونا چاہئے، لہٰذا جو شخص زیادہ ادا کرے یا اضافے کا مطالبہ کرے وہ رِبا کے کاروبار میں داخل ہو جائے گا۔

۵۹: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر گندم کا تبادلہ گندم سے کیا جا رہا ہو تو مقدار دونوں طرف بالکل برابر ہونی چاہئے، چنانچہ اگر کسی بھی طرف زیادتی یا کمی پائی جائے، تو وہ معاملہ رِبا بن جائے گا، کیونکہ عرب کے قبائل میں یہ اشیاء بطور رقم کے استعمال کی جاتی تھیں اور ایک کلو گندم کو ڈیڑھ کلو گندم کے بدلے فروخت کرنے کا حکم بالکل ایک درہم کو ڈیڑھ درہم کے بدلے فروخت کرنے کی طرح تھا، تاہم اس معاملے کو آنحضرت ﷺ نے رِبا قرار دیا، اور یہ "رِبا الجاہلیہ" کی اصطلاح میں شامل نہیں تھا، بلکہ اسے "رِبا الفضل" یا "رِبا السنۃ" کا نام دیا گیا ہے۔

۶۰: یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ رِبا الفضل کی حرمت کے دوران حضور ﷺ نے بطورِ خاص چھ چیزوں کا ذکر فرمایا، اور مذکورہ بالا حدیث میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ ذکر نہیں کی گئی کہ آیا یہ قاعدہ صرف انہی چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ کچھ اور چیزوں پر بھی لاگو ہوگا؟ اور اگر مؤخر الذکر صورت ہے تو پھر ان کے علاوہ اشیاء کون سی ہوں گی؟ اس سوال پر مسلّم فقہائے کرامؒ کے درمیان اختلاف ہوا، ابتدائی دور کے بعض فقہاء مثلاً قتادہؒ اور طاؤسؒ نے صرف ان چھ چیزوں تک ہی اس حکم کو منحصر رکھا، تاہم دُوسرے فقہاء نے اس حکم کو اسی قسم کی دُوسری چیزوں پر بھی لاگو کیا، اس موقع پر ان فقہاء کے درمیان اختلاف پیدا ہوا کہ ان چھ اشیاء کے درمیان کون سی قدرِ مشترک کو رِبا الفضل قرار

دیئے جانے کی علت قرار دیا جائے؟ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا خیال تھا کہ ان چھ چیزوں کے درمیان قدرِ مشترک یہ بات ہے کہ یہ اشیاء تول کر یا کسی برتن سے ناپ کر بیچی جاتی ہیں، چنانچہ ان کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اگر وزنی یا پیمائشی ہو اور اسے اسی جنس کے ذریعے فروخت کیا جائے تو اس کا بھی بالکل یہی حکم ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان چھ چیزوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ یہ یا تو کھانے کے قابل ہیں یا تبادلے کا ذریعہ بننے کے قابل ہیں۔ گندم، جو، کھجور اور نمک کھانے کے قابل اشیاء ہیں، جبکہ سونا اور چاندی سب جگہ زرِ قانونی سمجھے جاتے ہیں، اسی لئے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تمام کھانے کے قابل اشیاء اور عالمگیر زرِ قانونی کا حکم وہی ہوگا جو سابقہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ان چھ اشیاء میں مشترک خصوصیت یہ ہے کہ یہ یا تو غذائی اشیاء ہیں یا قابلِ ذخیرہ ہیں، اسی لئے ان کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ تمام اشیاء جو غذائی ہوں یا انہیں ذخیرہ کیا جا سکے تو ان کا بھی یہی حکم ہوگا۔

۶۱: مسلمان فقہاء کے اس اختلافِ آراء کا سبب یہ تھا کہ حضور ﷺ نے مذکورہ چھ اشیاء کا حکم بیان کرنے کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ آیا ان کے علاوہ بھی کچھ اور اشیاء اسی حکم کے تابع ہوں گی یا نہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا صحیح مطلب

۶۲: یہ تھا وہ پس منظر جس کے تحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ حضور ﷺ اس سے قبل کہ اس رائے کے اختلاف کی بابت کچھ راہ نمائی فرماتے، انتقال فرما گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان کے گہرے مطالعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ صرف اس رِبا الفضل کے بارے میں متردّد تھے، جسے پیچھے حدیث میں بیان کیا گیا ہے، نہ کہ اس اصل رِبا القرآن کے بارے میں، جسے قرآن نے حرام قرار دیا تھا، اور اسے جاہلیت کے عرب اپنے قرضوں اور بارٹر کے سوا دُوسری خرید و فروخت کے معاملات میں استعمال کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ذکر کردہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی ایک معتبر ترین روایت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے، بخاری کی روایت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"ثلاث وددت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يفارقنا حتّى يعهد الينا عهدًا: الجد و الكلالة، و أبواب من أبواب الربا."

ترجمہ: تین چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں میری یہ خواہش تھی کہ حضور ﷺ ان کی تفصیل بیان کرنے سے قبل ہم سے جدا نہ ہوتے، وہ چیزیں یہ ہیں: دادا کی وراثت کا مسئلہ، کلالہ کی میراث کا مسئلہ (وہ شخص جس نے نہ باپ اور نہ بیٹا چھوڑا ہو) اور رِبا کے کچھ مسائل۔

۶۳: مزید براں ایک اور موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا مطلب مذکورہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

"انکم تزعمون انا لا نعلم أبواب الربا، و لأن أكون أعلمها أحب الى من أن يكون لى مصر و كورها، و من الأمور لا يكن يخفين على أحد، هو: ان يبتاع الذهب بالورق نسيئًا و ان يبتاع الثمرة و هى معصفرة لم تطب."

ترجمہ: تم سوچتے ہو کہ ہم رِبا کے مسئلے کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے اس کے مسائل جاننا اس بات سے بھی زیادہ پسند ہے کہ میں کسی ملک مثلاً مصر اور اس کے مضافات کا مالک بن جاؤں، تاہم رِبا کے بارے میں بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ جن سے کوئی شخص بے خبر نہیں ہو سکتا، مثلاً سونے کا چاندی کے ذریعہ تبادلہ اُدھار پر، اور پھلوں کو درختوں پر اس حال میں خریدنا جب کہ وہ پیلے ہوں اور کاٹے نہ گئے ہوں (اور ان کا تبادلہ اس جنس کے دُوسرے پھلوں کے بغیر وزن کے کیا جائے)۔

۶۴: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی یہ دو روایتیں واضح طریقے سے دو باتوں کا پتہ دیتی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ ان کی تمام توجہ اس رِبا سے متعلق ہے جو "رِبا الفضل" کہلاتا ہے، نہ کہ وہ "رِبا النسیئۃ" جسے قرآنِ کریم نے حرام قرار دیا تھا۔ اور دُوسری بات یہ کہ وہ رِبا الفضل کے مسئلے میں بھی بہت سے معاملات میں کسی قسم کی مشکلات محسوس نہ فرماتے تھے، بلکہ وہ تو صرف ان چند معاملات سے متعلق متردّد تھے جو کہ متعلقہ حدیث یا کسی اور حدیث میں واضح طور پر مذکور نہ تھے۔

۶۵: مذکورہ بالا تفصیل پر ایک اعتراض یہ کیا جا سکتا ہے کہ ابنِ ماجہ کی ایک روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رِبا کی آیت قرآنِ کریم کی نازل شدہ اخیر ترین آیات میں سے ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وضاحت فرمانے سے پیشتر ہی انتقال فرما گئے، یہ روایت ظاہر کرتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شبہات اسی رِبا کے بارے میں تھے جو قرآنِ کریم کا حرام کردہ ہے، نہ کہ رِبا الفضل کے بارے میں۔ لیکن اس ارشاد کو روایت کرنے والے متعدد ذرائع کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ابنِ ماجہ والی روایت اتنی زیادہ قابلِ اعتماد نہیں ہے، جتنی کہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے، ابنِ ماجہ کی روایت میں ایک راوی سعید بن ابی عروبہ ہیں جن کے بارے میں ماہرینِ حدیث کی رائے یہ ہے کہ یہ صاحب بعض اوقات ایک روایت کو دُوسری روایت کے ساتھ اُلجھا دیا

(Confuse) کرتے تھے۔ ہم پہلے ہی بخاری اور مسلم کی روایتیں معتمد ترین راویوں کی سند کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں، ان میں سے کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب نہیں کی کہ آیتِ رِبا قرآن کریم کی آخری ترین آیات میں سے ہے، ایسا لگتا ہے کہ کوئی ایک راوی مثلاً ابن ابی عروبہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اصل الفاظ کو حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یا ان کی رائے (جسے پیچھے بھی ذکر کیا گیا ہے) کے ساتھ مخلوط کر دیا ہوگا، ہم پیچھے بہت تفصیل سے یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ اس بات کو ماننا صحیح نہیں ہے کہ رِبا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دورِ حیات میں ممنوع قرار دیا گیا تھا، اور رِبا کی آیات قرآنِ کریم کی آخری نازل شدہ آیات میں سے ہیں، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کا صحیح مفہوم سمجھ لینے کے بعد ابنِ ماجہ کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ مذکورہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شبہات صرف ''ربا الفضل'' کی حرمت سے متعلق تھے، جہاں تک ''رِبا القرآن'' یا ''رِبا النسیئۃ'' کا تعلق ہے، ان کو اس کی حقیقت کے بارے میں ذرّہ برابر بھی شبہ نہ تھا۔

پیداواری یا صَرفی قرضے

۶۶: بعض اپیل کنندگان کی طرف سے ایک اور دلیل یہ بھی دی گئی کہ قرآنِ کریم نے صرف صَرفی قرضوں کے اُوپر کسی اضافی رقم کے مطالبے کو منع کیا ہے، جس میں مقروض ایسے غریب لوگ ہوتے تھے جو اپنی روزمرہ کی غذائی یا لباس پوشاک وغیرہ سے متعلق ضروریات کی تکمیل کے لئے قرضے لیا کرتے تھے، چونکہ اس زمانے میں کسی قسم کے پیداواری قرضے نہیں ہوتے تھے، اس لئے قرآنِ پاک نے پیداواری یا تجارتی قرضوں پر عائد کیا جانے والا اضافہ حرام قرار نہیں دیا۔ مزید براں انہوں نے یہ دلیل بھی دی کہ کسی غریب شخص سے کسی قسم کی اضافی رقم وصول کرنا ناانصافی ہے، تاہم کسی امیر شخص سے جو اپنی تجارت چمکانے اور نفع کمانے کے لئے قرضہ لیتا ہے اس سے اضافی رقم وصول کرنا ناانصافی نہیں ہے، لہٰذا صرف پہلی قسم کے قرضے یعنی صَرفی قرضوں پر وصول کیا جانے والا اضافہ ''رِبا'' کہلائے گا، اس کے برعکس تجارتی قرضوں پر اضافی رقم رِبا نہیں ہوگی۔

۶۷: ہم نے اس دلیل پر خوب غور وفکر کیا، لیکن یہ دلیل درجِ ذیل تین وجوہات سے قابلِ التفات نہیں رہتی۔

کسی معاملے کی دُرستگی کا معیار کسی فریق کی مالی حیثیت نہیں ہوتی

۶۸: پہلی بات یہ ہے کہ کسی مالیاتی، تجارتی معاملے کی دُرستگی کی بنیاد کسی بھی پارٹی یا فریق

کی مالی حیثیت ہرگز نہیں ہوتی، بلکہ درحقیقت اس معاملے کی دُرستگی کی بنیاد اس عقد کی حقیقی ماہیت ہوتی ہے، اگر کوئی عقد اپنی ماہیت کے لحاظ سے دُرست ہے تو پھر فریقین میں سے کسی کے غریب یا امیر ہونے سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا، خریدار خواہ مال دار ہو یا غریب، وہ معاملہ دُرست قرار پائے گا۔ مثلاً بیع ایک جائز معاملہ ہے، جس کے ذریعے حلال منافع حاصل کیا جاتا ہے، اور یہ معاملہ بہرصورت جائز ہے، خواہ خریدار امیر ہو یا غریب۔ کرایہ داری ایک قانونی اور جائز معاملہ ہے، خواہ اس کا کرایہ دار غریب شخص ہو۔ زیادہ سے زیادہ یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ غریب خریدار یا غریب کرایہ دار انسانی بنیادوں پر رعایت کا مستحق ہوگا، لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ اس سے سرے سے نفع لینا ہی ممنوع و حرام ہے۔ اگر کوئی غریب آدمی کسی نانبائی سے روٹی خریدتا ہے تو کوئی شخص یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ نفع نہ کماؤ، لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ نانبائی کو اسے روٹی صرف لاگت پر فروخت کرنی چاہئے، اور اس پر کسی قسم کا نفع کمانا دوزخ میں لے جانے والا گناہ ہے۔ اگر کوئی غریب شخص کوئی ٹیکسی کرایہ پر لیتا ہے تو ایک شخص اس کے مالک سے یہ تو کہہ سکتا ہے کہ تم اس کی غربت کی وجہ سے اس سے کرایہ کم لو، لیکن اس سے کوئی شخص معقولیت کے ساتھ اس پر یہ اصرار نہیں کرسکتا کہ تم اس سے بالکل کرایہ نہ لو، یا اس سے اپنی لاگت اور خرچے سے زیادہ وصول نہ کرو، ورنہ تمہاری کمائی حرام اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے مترادف ہوگی۔ نانبائی نے اپنی دُکان اس لئے کھولی تھی تاکہ وہ اس میں جائز تجارت کے ذریعے اپنی محنت اور سرمایہ داری کی وجہ سے مناسب نفع کا مستحق ہو، خواہ اس کا خریدار غریب ہو، اب اگر اس کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ تم غریب لوگوں کو روٹیاں لاگت پر فروخت کرو، تو وہ نہ تو اپنی دُکان چلا سکتا ہے، اور نہ ہی وہ اپنے بچوں کے لئے روزینہ کما سکتا ہے، اسی طرح ٹیکسی چلانے والا مسافروں کے واسطے اپنی ٹیکسی چلانے کی خدمت کے عوض ان سے مناسب کرایہ بھی وصول کرسکتا ہے، لہٰذا اگر اس سے یہ کہا جائے کہ تم غریب لوگوں کے لئے یہ خدمت مفت فراہم کرو، تو وہ یہ کام کر ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا کبھی کسی شخص نے بھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ کسی غریب سے کوئی نفع، اُجرت یا کرایہ کمانا مکمل طور پر حرام ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی بھی دُرست معاملے میں جائز نفع کمانا یا ایسے افراد سے جو کسی خدمت کے ذریعہ نفع اُٹھائیں ان سے اُجرت یا کرایہ وصول کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ غریب ہوں۔

۶۹: دُوسری طرف ممنوعہ معاملات کے ممنوع ہونے کی وجہ ان معاملات کی حقیقی ماہیت ہے، نہ کہ کسی فریق کی مالی حیثیت۔ قمار یا جوا، مال دار یا غریب دونوں کے لئے حرام ہے، رشوت حرام ہے خواہ کسی مال دار سے لی جائے یا غریب سے، خلاصہ یہ ہے کہ مال داری یا غربت ایسے وصف نہیں ہیں جو کسی معاملے کی دُرستگی یا نادُرستگی کی بنیاد بنیں، بلکہ اس معاملے کی بنیادی شرائط اس کی صحت و فساد

کا سبب ہوتی ہیں۔

۷۰: کسی مقروض سے انٹرسٹ وصول کرنے کا معاملہ بھی اس سے چنداں مختلف نہیں ہے، چنانچہ اگر یہ بنیادی طور پر ایک جائز معاملہ ہے تو خواہ مقروض غریب ہو یا امیر بہرصورت جائز ہونا چاہئے، اور اگر یہ بنیادی طور پر ناجائز ہے تو بھی غربت اور مال داری کا لحاظ رکھے بغیر اسے ناجائز ہونا چاہئے، یہاں پر انٹرسٹ کے عقد اور خرید وفروخت کے عقد میں اس طرح کی تفریق کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ مذکورۃ الصدر کی دُرشتگی صرف مال دار مقروضوں تک محدود ہو، جبکہ خرید وفروخت کے عقد میں غریب اور امیر دونوں سے مساوی طور پر نفع کمانا جائز ہو۔ درحقیقت یہ اندازِ فکر کہ انٹرسٹ صرف اس صورت میں حرام ہے جبکہ کسی غریب سے وصول کیا جائے، تجارت کے اس مسلّم اُصول کے سرے سے خلاف ہے کہ جس میں کسی معاملے کی صحت کو خود اس معاملے کی حقیقت اور پختگی کے پیمانے سے جانچا جاتا ہے، نہ کہ اس سے متعلق فریقوں کی مالی حیثیت کے پیمانے سے۔

۷۱: مزید براں غربت ایک اضافی (Relative) اصطلاح ہے، جو کہ مختلف مراتب رکھتی ہے، اگر ایک مرتبہ یہ تسلیم کرلیا جائے کہ انٹرسٹ صرف غریب سے وصول نہیں کیا جائے گا، تاہم مال دار سے وصول کرنا بالکل حق بجانب ہوگا، تو پھر وہ کون سی مجاز اتھارٹی ہوگی جو غربت جانچنے کے لئے ایک ایسا پیمانہ مقرر کرے کہ جس کی وجہ سے کسی غریب کو انٹرسٹ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکے، پھر اگر جائز یا ناجائز انٹرسٹ کی بنیاد قرض لینے کے مقاصد کو قرار دیا جائے یعنی ذاتی احتیاج سے متعلق قرضوں پر انٹرسٹ کی ادائیگی کو مستثنیٰ قرار دیا جائے، جیسا کہ بعض اپیل کنندگان کا یہی موقف تھا، تو پھر احتیاج کے بھی بذاتِ خود کئی مراتب اور حدود ہیں، احتیاج کی حد غذائی اجناس سے شروع ہو کر (پُرتعیش) اشیاء تک جاپہنچتی ہے، اگر احتیاج یا صَرف کو کسی کی زندگی کی ضروریات تک ہی محدود کردیا جائے تب بھی یہ آدمی آدمی میں بدل سکتی ہے، ایک شخص یہ دلیل دے سکتا ہے کہ ذاتی ٹرانسپورٹ اب زندگی کی ضرورت بن چکی ہے، لہٰذا کار خریدنے کے لئے بلاسود قرضے جائز ہونے چاہئیں، مکان بھی انسان کی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے، لہٰذا کسی بھی مکان کے لئے لاکھوں روپے کے قرضوں پر بھی انٹرسٹ عائد نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ یہ تمام ضروریات ''احتیاجی قرضوں'' کی فہرست میں داخل ہیں، اس کے برخلاف اگر ایک بیروزگار شخص چند ہزار روپے اس لئے قرض لے تاکہ سڑک پر ایک ٹھلہ لگا کر کاروبار شروع کرے تو اس پر سود عائد کرنا اس فلسفے کے تحت جائز ہونا چاہئے، کیونکہ یہ تجارتی قرضہ ہے نہ کہ صَرفی قرضہ۔

۷۲: اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انٹرسٹ کا جواز نہ تو مقروض کی مالی حیثیت پر مبنی

ہے اور نہ ہی روپیہ قرض لینے کے مقصد پر مبنی ہے، لہٰذا اس لحاظ سے صَرفی اور پیداواری قرضوں میں امتیاز یا تفریق کرنا مُسلّمہ اُصولوں کے خلاف ہے۔

قرآنی ممانعت کی حقیقت

۷۳: دُوسری بات جس کی وجہ سے یہ دلیل قابلِ قبول نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ نہ تو رِبا کو حرام قرار دینے والی آیات صَرفی اور تجارتی قرضوں کے رِبا میں کوئی تفریق کرتی ہیں، اور نہ رِبا سے متعلق احادیث میں اس قسم کا کوئی فرق نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اگر بالفرض تھوڑی دیر کے لئے یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ اس زمانے میں تجارتی قرضے نہیں پائے جاتے تھے، تب بھی اس بات کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا کہ رِبا کا جو تصورقرآنِ کریم کے مخاطب حضرات کے ذہن میں بالکل واضح تھا، اس میں کوئی خارجی شرط عائد کی جائے۔ قرآنِ پاک نے تو رِبا کو علی الاطلاق حرام قرار دیا ہے، خواہ رِبا کی کوئی شکل اس کے نزول کے وقت رائج ہو یا نہ ہو۔ جب قرآنِ پاک کسی چیز کو حرام قرار دیتا ہے تو اس کی حرمت سے مراد اس معاملے کی کوئی ایک مخصوص شکل نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس معاملے کا بنیادی تصور ہوتا ہے جو اس حکم کے ذریعہ متأثر ہوتا ہے، جب شراب حرام کی گئی تھی تو اس سے شراب کی صرف وہ شکلیں مراد نہ تھیں جو عہدِ رسالت ﷺ میں رائج تھیں، بلکہ اس شراب کی بنیادی حقیقت کو حرام کیا گیا تھا، لہٰذا کوئی بھی معقول شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ شراب کی کوئی ایسی شکل جو حضور ﷺ کے زمانے میں مروّج نہ تھی، حرام نہیں ہے۔ جب قمار یا جوئے کی حرمت کا اعلان کیا گیا، تو اس کی حرمت کا مقصد صرف اس زمانے میں رائج قمار کی صورتوں تک محدود نہ تھا، بلکہ درحقیقت اس کی ممانعت اس کی تمام موجودہ اور آئندہ شکلوں پر محیط تھی، اور کوئی بھی یہ عقلی توجیہ نہیں کرسکتا کہ جوئے (Gambling) کی جدید صورتیں اس ممانعت کے حکم کے تحت نہیں آتیں۔ ہم پہلے بھی یہ بات ذکر کر چکے ہیں کہ رِبا کے جو معنی اہلِ عرب کے سمجھ میں آئے اور حضور ﷺ اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بیان فرمائے وہ یہ تھے کہ قرض یا دَین کے معاملے پر کوئی بھی مقرر کردہ اضافی رقم رِبا ہے، رِبا کا یہ تصور حضور ﷺ کے زمانے میں بہت سی شکلیں رکھتا تھا، اور بعد میں آنے والے زمانوں میں اس کی شکلوں میں مزید اضافہ ہوا ہوگا، اور مستقبل میں بھی اس کی شکلوں میں اضافہ متوقع ہے، لیکن جب تک مذکورہ بالا رِبا کا بنیادی عنصر اس معاملے میں موجود رہے گا، رِبا کی وہ شکل یقیناً حرام رہے گی۔

عہدِ قدیم میں بینکاری اور پیداواری قرضے

۷۴: تیسرے یہ کہ یہ بات کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ تجارتی یا پیداواری قرضے اس زمانے میں جبکہ رِبا حرام قرار دیا گیا رائج نہ تھے، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بہت وافر مواد ریکارڈ پر آچکا ہے کہ تجارتی یا پیداواری قرضے اہلِ عرب کے لئے اجنبی نہ تھے، اور پیداواری اور تجارتی مقاصد کے لئے قرضے اسلام کے ظہور سے پہلے اور بعد دونوں زمانوں میں رائج تھے۔

۷۵: حقیقت یہ ہے کہ علمی اور تاریخی ریسرچ نے اس تأثر کی غلطی پورے طور پر بے نقاب کر دی ہے کہ تجارتی اور بینکاری معاملات درحقیقت سترہویں صدی عیسوی کی ایجاد ہیں، عہدِ جدید کی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ بینکاری معاملات کی تاریخ کم از کم دو ہزار سال قبل مسیح پرانی ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا نے بینکوں کی تاریخ پر بحث کے دوران تفصیل سے بینکاری کی ابتداء کی مثالیں بیان کی ہیں، اس کا متعلقہ مضمون درجِ ذیل عبارت سے شروع ہوتا ہے:

> گزشتہ اقوام مثلاً عبرانیوں نے جب سرمایہ قرض دینا شروع کیا، اس زمانے میں وہ ایسا کوئی بینکاری کا نظام نہیں رکھتے تھے جسے جدید نقطۂ نگاہ سے مکمل کہا جا سکے، لیکن ۲۰۰۰ ق م کی ابتداء سے بابل کے رہنے والوں نے اس طرح کا ایک نظام تیار کرلیا تھا۔ یہ کسی انفرادی یا ذاتی تحریک کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ یہ مال دار اور منظم مذہبی اداروں کی طرف سے ادا کی جانے والی ضمنی خدمت تھی، بابل کے عبادت خانے مصر کے عبادت خانوں کی طرح بینک بھی تھے، بابل کی ایک دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ چاندی کے سکے (Shekels) کو اڈاڈری مِنی کے بیٹے ماس شماخ نے وارڈاین ہل کی بیٹی سورج پرست امت شماخ سے قرضے کے طور پر لیے تھے، وہ سورج دیوتا کا سود ادا کرے گا، فصل کی کٹائی کے وقت وہ اصل بمع سود ادا کرے گا۔ یہ بات محقق ہو چکی ہے کہ سورج پرست امت شماخ اس ادارے کی ہی مقرر کردہ وکیل تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چکنی مٹی کی تختیاں اپنے اُوپر کنداں تحریر کے ساتھ موجودہ دور کے قابلِ فروخت (Negotiable) تجارتی دستاویزات (Commercial Paper) کی مانند تھیں۔ ایک اور اس زمانے کی دستاویز اس قسم کی تھی کہ وہ بیان کرتی ہے کہ تاری بم کے بیٹے وارڈالی بیج نے اباتم کی بیٹی سورج پرست

اِلتانی سے ایک چاندی کا سکہ (Shekel) سورج دیوتا کی جمع پونجی (Balance) سے لیا، یہ رقم سرسوں کے بیج کی خریداری میں استعمال ہوئی تھی۔ سرسوں کی کٹائی کے وقت وہ اس کی اس وقت کی قیمت پر یہ قرضہ سرسوں کی شکل میں اس سرٹیفکیٹ کے حامل کو ادا کرے گا۔

۷۶: اس مضمون نے یہ تفصیل بھی بیان کی ہے کہ کس طرح عملِ بینکاری نے مذہبی اداروں سے ترقی پا کر ذاتی تجارتی ادارے (Private Business Institute) کی شکل اختیار کی، یہاں تک کہ ۵۷۵ ق م میں بابل میں ایک بینکاری کا ادارہ ایل جیبی (Lgibi) کے نام سے قائم کیا گیا، اس بینک کا ریکارڈ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ بینک درجِ ذیل کام سرانجام دیتا تھا، اپنے گاہک کے وکیل کے طور پر خریداری کرنا، فصلوں پر قرضے دینا، ادائیگی کو یقینی بنانے کے لئے فصلوں کو پیشگی رہن رکھنا، دستخطوں اور گروی رکھ کر قرضے دینا، اور سود پر کھاتے کھولنا وغیرہ۔

یہ مضمون مزید تفصیل بیان کرتا ہے کہ اس قسم کے بینکاری کے ادارے یونان، رُوم، مصر وغیرہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے صدیوں قبل قائم کئے گئے تھے، اور وہ رقم جمع (Deposit) کرتے، ان کو سودی قرضے پر دیتے، اور بڑی مقدار میں لیٹرز آف کریڈٹ (L.C)، مالیاتی دستاویزات (Certificates) تجارت میں استعمال کرتے تھے۔

۷۷: ماضیِ قریب کا ایک مشہور مؤرخ وِل دورانت نے ان بینکاری کے معاملات کی تفصیل بیان کی ہے جو پانچویں صدی قبل مسیح میں یونان کے اندر رائج تھے، انہوں نے ذکر کیا ہے کہ سود پر پیسے جمع کرانے پر اگرچہ اس زمانے کے فلسفیوں نے بہت تنقید کی، لیکن پھر بھی یونان میں بینک قائم ہو گئے:

> کچھ لوگ اپنے پیسے عبادت خانوں کے خزانے میں جمع کراتے تھے، وہ عبادت خانے بینک کی طرح خدمت سرانجام دیتے تھے، اور وہ متوسط ریٹ آف انٹرسٹ (شرحِ سود) پر افراد اور ریاستوں کو قرضے دیتے تھے، ڈیلفی میں اپولو نام کا عبادت خانہ کسی حد تک پورے یونان کا ایک بین الاقوامی بینک تھا۔ کوئی شخص ذاتی طور پر گورنمنٹ (حکومت) کو قرضے نہیں دیتا تھا، تاہم ایک ریاست دُوسری ریاست کو قرضے دیا کرتی تھی، جبکہ صرافوں (Money Changer's) نے پانچویں صدی عیسوی میں اپنی میز پر لوگوں کے پیسے ڈیپازٹ رکھنے شروع کئے، اور پھر تاجروں کو اپنے رِسک کے حساب سے ۱۲ تا

۳۰ فیصد کی شرحِ سود پر قرضے دینا شروع کیا، اس طرح وہ بینکر بنتے چلے گئے، اگرچہ وہ اسے یونان کے عہدِ قدیم کی انتہاء تک (بجائے لفظ بینک کے) (Trapezite) ٹرے پی زٹ کہتے رہے، جس کا مطلب میز کا آدمی ہے، اس نے اپنا یہ طریقہ درحقیقت مشرقِ قریب سے لے کر اور اسے ترقی دے کر رُوم (اٹلی) میں منتقل کیا، جو کہ بعد میں منتقل ہوتے ہوتے جدید یورپ تک پہنچ گیا۔

ایرانی جنگ کے متصل بعد تھیمس ٹوکلس نے کورینتھیا کے بینکر فلاسٹیفینوس کے پاس سٹرٹیلنٹس (جو چار لاکھ بیس ہزار ڈالر کے مساوی تھے) ڈیپازٹ کے طور پر رکھوائے، اور اس کا یہ عمل بڑی حد تک ان سیاسی مہم جو لوگوں کے طریقۂ کار کے مشابہ تھا جو ہمارے دور میں غیر ملکوں میں اپنے آشیانے بنا کر رکھتے ہیں، یہ معاملہ غیر مذہبی بینکنگ کی سب سے پہلی معلوم مثال ہے، اسی صدی کے اختتام پر اینٹی اتھینیس اور آرچسٹس نے وہ ادارہ قائم کیا جو یونان کے پرائیویٹ بینکوں میں سب سے زیادہ مشہور ثابت ہوا، قدیم بینکاری کے روپ کی اس تیز رفتار اور آزادانہ گردش نے پہلے سے کہیں زیادہ تخلیقی انداز میں ایتھنز کی تجارت کو وسعت بخشی۔

۷۸: عرب میں بھی اسلام کے ظہور سے قریبی زمانے میں تجارتی، صنعتی اور زرعی قرضے سودی بنیاد پر شام کی بازنطینی حکومت میں اتنے زیادہ عام تھے کہ ایک بازنطینی حاکم جسٹینین (Justinian) (۵۶۵-۵۲۷) کو مختلف قسم کے مقروضوں کے لئے ریٹ آف انٹرسٹ (شرحِ سود) کی تعیین کے لئے باقاعدہ ایک قانون نافذ کرنا پڑا۔ گبن (Gibbon) نے جسٹینین کے اس قانون کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے کہ وہ قانون انتہائی ممتاز لوگوں سے ۴ فیصد، عام لوگوں سے ۶ فیصد، تاجروں اور صنعت کاروں سے ۸ فیصد اور بحری انشورنس کرنے والوں کو ۱۲ فیصد تک کے حساب سے سود لینے کی اجازت دیتا تھا، گبن کے اصل الفاظ یہ ہیں:

> Persons of illustrious rank were confined to the moderate profit of four percent; six was pronounced to be the ordinary and legal standard of interest; eight was allowed for the convenience of manufacturers and merchants;

twelve was granted to nautical insurance.[1]

ترجمہ: اعلیٰ ترین عہدوں کے لوگوں سے متوسط نفع ۴ فیصد تک، ۶ فیصد عام لوگوں کے لئے متوسط قانونی ریٹ قرار دیا گیا، ۸ فیصد صنعت کاروں اور تاجروں کے لئے مقرر کیا گیا، اور ۱۲ فیصد بحری انشورنس کرانے والوں کے لئے متعین کیا گیا۔

۷۹: مندرجہ بالا پیراگراف کے تحت السطور یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بازنطینی حکومت میں تجارتی سود اتنا زیادہ پھیل چکا تھا کہ ان کے ریٹ آف انٹرسٹ کو معین کرنے کے لئے ایک مستقل قانون نافذ کرنا پڑا۔

جسٹینین کا یہ قانون حضور ﷺ کی پیدائش سے، کچھ عرصہ قبل ہی بازنطینی حکومت میں نافذ العمل ہوا تھا، کیونکہ جسٹینین کی وفات ۵۶۵ء میں ہوئی، جبکہ آنحضرت ﷺ کی پیدائش ۵۷۰ء میں ہوئی، اور یہ بات ظاہر ہے کہ وہ قانون اپنے نفاذ کے وقت سے لے کر کافی عرصے تک مؤثر رہا۔ دُوسری طرف اہلِ عرب خصوصاً اہلِ مکہ کافی عرصے سے بازنطینی حکومت کے انتہائی تہذیب یافتہ صوبوں میں سے ایک صوبہ شام کے ساتھ تجارتی تعلقات برقرار رکھے ہوئے تھے، ابھی ہم آگے تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کریں گے کہ اہلِ عرب کے تجارتی قافلے شام کے ساتھ درآمد و برآمد کی تجارت کیا کرتے تھے۔ بازنطینی سلطنت کے ساتھ ان کے معاشی اور مالیاتی تعلقات اس قدر نمایاں تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں جو کرنسی استعمال ہوتی تھی وہ بازنطینی حکومت کے بنائے ہوئے (چاندی کے) درہم اور (سونے کے) دینار تھے، یہاں تک کہ شاعروں نے دینار کو قیصری کے نام سے پکارا ہے، عرب کے مشہور شاعروں میں سے ایک کُثیر عَزّہ نے کہا ہے کہ:

یروق عیون الناظرات کانه

هرقلیّ وزن احمر التبر راجح

ترجمہ: دیکھنے والوں کی نگاہوں کو وہ اتنا پسند آتا ہے، جیسے سرخ سونے کا ڈھلا ہوا شاہِ رُوم ہرقل کے مقرر کردہ وزن کا دینار۔

۸۰: ابن العنبری نے ایک شاعر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ:

"دنانیر مما شیف فی ارض قیصر"

(1) Gibbon: The Decline and Fall of the Roman Empire, chapter 44, The Institute iv. 2p 90.

''وہ دینار جو قیصر کی زمین میں چمکائے جاتے تھے۔''

۸۱: مزید یہ کہ بعض معاصر لکھنے والوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ عرب سکوں کے نام درہم، دینار اور فلس دراصل یونانی یا لاطینی الفاظ سے مأخوذ ہیں، جو کہ ان ناموں سے کافی ملتے جلتے ہیں، یہ بازنطینی سکے پورے عالمِ اسلام میں ۷۷ھ تک استعمال میں رہے، یہاں تک کہ اس کے بعد عبدالملک ابن مروان نے اپنے دینار بنانے شروع کئے۔

۸۲: اہلِ عرب کے رُومیوں کے ساتھ اتنے قریبی مالیاتی معاملات کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ تصور کیسے کیا جاتا ہے کہ اہلِ عرب رُومی حکومت میں رائج شدہ قرض کے معاملات سے بالکل بے خبر تھے؟ جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے، عرب کے تجارتی تعلقات صرف شام تک محدود نہیں تھے، بلکہ وہ عراق، مصر اور ایتھوپیا (حبشہ) تک پھیلے ہوئے تھے، وہ ان ممالک کے تجارتی انداز اور طریقۂ کار سے بخوبی واقف تھے، اہلِ عرب ان ممالک کے سودی معاملات سے کس قدر آگاہ تھے، اس کا اندازہ مدینہ کے معروف صحابی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی ایک نصیحت سے ہوتا ہے جو انہوں نے ابو بردہؒ کو کی تھی، ابو بردہؒ جو عراق کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور مدینہ میں زیارت کی غرض سے آئے تھے، عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے ان کو خبردار کیا کہ وہ ایسے ملک میں رہتے ہیں کہ جہاں ربا بہت پھیلا ہوا ہے، لہٰذا انہیں لوگوں کے ساتھ معاملات کرتے وقت خوب محتاط رہنا چاہئے کہ کہیں وہ بے خبری میں ربا میں ملوث نہ ہو جائیں، بالکل یہی نصیحت حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد زرّ بن حُبیشؒ سے کی۔

عرب میں تجارتی سود

۸۳: اب خود جزیرہ نمائے عرب کی طرف آجایئے، اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ تجارت، عرب کی انتہائی اہم معاشی سرگرمی تھی، خصوصاً مکہ مکرمہ چونکہ بنجر زمینوں اور پہاڑی علاقوں پر مشتمل ہے، اس لئے وہ زراعت کے لئے بالکل نامناسب تھا، اس وجہ سے اہلِ مکہ کی اقتصادی زندگی کا تمام تر محور تجارت تھی، اور ان کی تجارت کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ صرف عرب تک محدود نہ تھی، بلکہ ان کا اصل کاروبار ہی اپنی اشیاء کو دُوسرے ممالک کو برآمد کرنا، اور ان کی اشیاء اپنے یہاں درآمد کرنا تھا۔ اس مقصد کے لئے ان کے تجارتی قافلے شام، عراق، مصر اور ایتھوپیا وغیرہ جاتے تھے، ان تجارتی قافلوں کی تاریخ حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانے تک جا ملتی ہے، یہ بات قرآنِ کریم میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے ایک کنویں میں ڈال دیا تھا، جہاں سے ایک قافلہ ان کو نکال کر مصر لے گیا اور وہاں انہیں فروخت کر دیا، اس بات کی تاریخی شہادتیں موجود

ہیں کہ یہ تجارتی قافلہ ایک عرب قافلہ تھا جس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد بھی شامل تھی، جو کہ ایک تجارتی سفر پر اشیاء برآمد کرنے کے لئے مصر جارہے تھے، اس حقیقت کا تذکرہ بائبل کے قدیم صحیفوں میں بھی اس طرح مذکور ہے:

> **And they sat down to eat bread and they lifted up their eyes and looked and behold, a company of Ishmaelites came from Gilad with their camels bearing spicery and balm and myrrh going to carry it down to Egypt.[1]**

> ترجمہ: اور وہ کھانا کھانے بیٹھے اور آنکھ اُٹھائی تو دیکھا کہ اسماعیلیوں کا ایک قافلہ جلعاد سے آرہا ہے اور گرم مصالحہ اور روغن بلسان اور مُرّ اُونٹوں پر لادے ہوئے مصر کو لیے جارہا ہے۔

۸۴: یہ عرب قافلہ اتنے قدیم زمانے میں ہزاروں میل دُور ملک مصر کی طرف مصالحہ جات، بام (مرہم) اور خوشبویات وغیرہ برآمد کرنے جارہا تھا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اہل عرب اپنی تاریخ کے بالکل آغاز سے اپنی جرأت مندانہ تجارتی مہم جوئی کو کس حد تک بروئے کار لائے ہوئے تھے۔

۸۵: چنانچہ بعد میں اہلِ عرب کی تجارتی سرگرمیاں خود بخود بڑھتی رہیں یہاں تک کہ ان کا تعارف ہی ایک تجارتی قوم کی حیثیت سے ہونے لگا، ظہورِ اسلام سے قبل ان کی تجارت کتنی پھیل چکی تھی؟ اس کا بہت سے مؤرخین نے تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور اس تمام تفصیل کے ذکر کا نہ تو یہاں موقع ہے اور نہ ہی ضروری ہے، لیکن اتنی حقیقت کا اعتراف سب لوگوں کو ہے جنہوں نے اہلِ عرب کی تاریخ کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہے[۲] کہ اہلِ عرب تجارتی ذہن رکھنے والے لوگ تھے، ان کے تجارتی قافلوں کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآنِ کریم نے پوری ایک سورت (سورۃ القریش) یہ بتلانے کے لئے نازل فرمائی کہ ان کا سردیوں میں یمن کی طرف اور گرمیوں میں شام کی طرف تجارت کرنا، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کعبۃ اللہ کی خدمت کرنے کا صلہ اور انعام ہے، قرآنِ کریم نے خاص طور پر لفظ "اِیْلَاف" کو ذکر فرمایا جو اُن تجارتی معاہدات سے عبارت ہے جو قریشی

(۱) بائبل کتاب پیدائش ۳۷: ۲۵۔

(۲) ڈاکٹر جواد علی نے اپنی بہترین کتاب "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام" میں تقریباً دو سو صفحات سے زائد (۲۲۷ تا ۴۴۴) ظہورِ اسلام سے قبل اہلِ عرب کی تجارتی زندگی کے تذکرے کے لئے وقف کردیئے ہیں۔

عربوں نے مختلف اقوام اور قبائل سے کیے ہوئے تھے،[1] ان قافلوں کے سائز کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر ابوسفیان کی قیادت میں جانے والا ایک قافلہ ایک ہزار اُونٹوں پر مشتمل تھا، اور اسے اس سفر میں سو فیصد (ہر دینار پر ایک دینار کا) نفع ہوا تھا۔[2]

۸۶: یہ بات ظاہر ہے کہ اتنے بڑے قافلے کا تنہا کوئی ایک فرد مالک نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ پورے قبیلے کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ تھا، اور اس میں مشترک سرمایہ کی کمپنی (Joint Stock Company) کی مانند قبیلے کے ہر فرد نے سرمایہ کاری کی ہوئی تھی، مؤرخوں نے یہ بات تحریر کی ہے کہ:

لم یبق قرشی و لا قرشیة له مثقال الا بعث به فی العیر.

ترجمہ: کوئی قریشی مرد اور عورت ایسا نہ بچا تھا کہ جس کے پاس ایک مثقال سونا ہو اور اس نے اس قافلے میں نہ لگایا ہو۔

۸۷: اور یہ صرف ابوسفیان کے قافلے کی خصوصیت نہیں تھی کہ اس میں اس طرح سرمایہ کاری کی گئی تھی، بلکہ اس وقت ہر بڑے قافلے کو اسی انداز میں منظم کیا جاتا تھا۔

۸۸: وہاں کی اس تجارتی فضا کو مدِنظر رکھتے ہوئے کوئی شخص یہ تصور نہیں کر سکتا کہ اہلِ عرب تجارتی قرضوں سے ناواقف تھے، اور ان کے قرضے صرف احتیاجی (Consumption) اور صَرفی مقاصد کے لئے ہوتے تھے، یہ بات محض ایک قیاس نہیں ہے، بلکہ اس بات کے قطعی ثبوت موجود ہیں کہ وہ اپنے تجارتی اور پیداواری مقاصد کے لئے بھی قرضے لیا کرتے تھے، ان میں سے چند ثبوت مختصراً ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر جواد علی جن کی جاہلیت کے عربوں کے بارے میں تفصیلی تحقیق پوری علمی دُنیا میں پذیرائی حاصل کر چکی ہے، اس میں انہوں نے ان قافلوں کے حصولِ سرمایہ کے ذرائع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

و یظهر مما ذکره أهل الأخبار و أوردوه عن قوافل مکة ان مال القافلة لم یکن مال رجل و احد أو أسرة معینة بل کان یخص تجارًا من أسر مختلفة و أفرادًا وجد عندهم المال، أو اقترضوه من غیرهم فرموه فی رأس مال القافلة أملا فی ربح کبیر.

ترجمہ: مکہ کے تجارتی قافلوں کے بارے میں تاریخ نگاروں نے جو کچھ لکھا

(۱) الزبیدی: تاج العروس ۶: ۴۴۔ (۲) نہایۃ العرب ۱۷: ۸۱، امتاع الاسماء، ج: ۱، ص: ۷۵، قاہرہ، ۱۹۸۱ء۔

ہے، وہ یہ ہے کہ ان قافلوں کا سرمایہ کبھی کسی تنہا فرد کا نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ مختلف خاندانوں کے تاجروں سے تعلق رکھتا تھا، یا ایسے افراد جو بذاتِ خود مال دار تھے، یا انہوں نے دوسروں سے سرمایہ قرض لیا تھا اور پھر اس سرمایہ کو ان قافلوں میں بڑے بڑے نفع کی اُمید پر لگا دیا تھا۔

خط کشیدہ عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان قافلوں کا سرمایہ تجارتی قرض وغیرہ سے بھی آتا تھا۔

ب: تمام تفسیر کی کتابوں نے رِبا سے متعلق سورۂ بقرہ کی آیات کا پس منظر ذکر فرمایا ہے، تقریباً سب نے یہ ذکر کیا ہے کہ عرب کے مختلف قبائل ایک دُوسرے سے سود پر قرض لیا کرتے تھے، مثلاً ابنِ جریر الطبری لکھتے ہیں:

كانت بنو عمرو بن عوف يأخذون الربا من بني المغيرة، و كانت بنو المغيرة يربون لهم في الجاهلية. (۱)

ترجمہ: بنو عمرو کا قبیلہ بنو مغیرہ سے سود لیا کرتا تھا، اور بنو مغیرہ ان کو دورِ جاہلیت میں سود دیتے تھے۔

یہ قرضے کوئی فرد انفرادی طور پر ایک دُوسرے سے نہیں لیتا تھا، بلکہ ایک قبیلہ مجموعی طور پر ایک دُوسرے قبیلے سے قرضے لیتا تھا۔

ہم یہ بات پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ عرب کے قبائل اپنے تجارتی قافلوں میں سرمایہ کاری اور اجتماعی تجارت کے لئے مشترک سرمایہ کی کمپنیوں کی طرح کام کیا کرتے تھے، اس لئے ایک قبیلہ کا دُوسرے قبیلے سے قرض لینا صرف احتیاجی یا صَرفی مقاصد کے لئے نہیں ہوسکتا، بلکہ درحقیقت وہ تجارتی قرضے تھے جن کا مقصد تجارتی مقاصد کی تکمیل تھی۔

ج: سورۂ رُوم (۳۰:۳۹) کی وضاحت کے ذیل میں جس کا ذکر پیچھے اس فیصلے کے پیراگراف نمبر ۷ میں آچکا ہے، علامہ ابنِ جریر طبریؒ نے قرآنِ پاک کے قدیم مفسرین کا نقطۂ نظر بیان کیا ہے کہ یہ آیت دورِ جاہلیت کے ان افراد سے متعلق ہے جو دوسروں کو اس غرض سے قرض دیتے تھے تاکہ مقروض کی دولت میں اضافہ ہو، علامہ ابنِ جریرؒ اپنے اس موقف کی حمایت میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر فرماتے ہیں:

ألم تر الى الرجل يقول للرجل: لأمولنك فيعطيه، فهذا لا يربو عند الله لأنه يعطيه لغير الله يثرى به ماله. (۲)

---

(۱) الطبری: جامع البیان، ج:۳، ص:۱۰۷۔　(۲) الطبری: جامع البیان، ج:۲۱، ص:۴۷۔

ترجمہ: کیا تم نے ایک شخص کو دُوسرے سے یہ کہتے نہیں دیکھا کہ: میں تم کو ضرور تمویل (Finance) کروں گا، پھر وہ اس کو دے دیتا تھا، تو یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں بڑھتا، کیونکہ اس نے اس کو اللہ کی رضامندی کے واسطے نہیں دیا بلکہ مال میں اضافے کے لئے دیا ہے۔

انہوں نے اسی سیاق میں حضرت ابراہیم نخعیؒ کا مندرجہ ذیل جملہ بھی بیان فرمایا ہے:

كان هذا في الجاهلية يعطي أحدهم ذا القربة المال يكثر به ماله.

ترجمہ: دورِ جاہلیت میں یہ تھا کہ کوئی ایک شخص اپنے کسی قرابت دار کو اس غرض سے مال دیتا تھا تا کہ اس کے مال میں اضافہ ہو جائے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ کسی شخص کو اس غرض سے تمویل کرنا کہ اس کے مال میں اضافہ ہو جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مقروض اس مال کو آگے تجارت میں لگائے گا، اور اس سے نفع کمانے کے نتیجے میں اس کی دولت میں اضافہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعیؒ کے مذکورہ دونوں اقوال سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عرب معاشرے میں پیداواری مقاصد کے لئے دیئے جانے والے قرضے اتنے عام تھے کہ اس سلسلے میں قرآنِ پاک کی سورۂ رُوم کی آیات نازل ہوئیں۔

د: تجارتی سود کا تصور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی ملتا ہے جو مسندِ احمد بن حنبل، البزار اور الطبرانی میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، ان کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ایک مقروض کو بلائیں گے، وہ اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا، اور اس سے پوچھا جائے گا: تم نے یہ قرض کیوں لیا؟ اور تم نے لوگوں کے حقوق پامال کیوں کئے؟ وہ کہے گا: اے میرے خدا! آپ جانتے ہیں کہ میں نے یہ قرضہ لیا تھا لیکن میں نے اسے نہ کھانے پینے میں، نہ کپڑے پہننے میں اور نہ ان کے بجائے کچھ کام کرنے میں استعمال کیا، بلکہ میں آگ یا چوری یا تجارتی نقصان کی تکلیف میں مبتلا ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میرے بندے نے سچ بات کہی! میں ہی وہ بہترین ذات ہوں جو تمہاری طرف سے آج وہ قرضہ ادا کرے گی۔ (۱)

خط کشیدہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس شخص نے تجارتی مقصد کے لئے قرضہ لیا تھا، جس

(۱) الہیثمی: مجمع الزوائد ج:۴، ص:۱۳۳۔

میں اس کو تجارتی نقصان ہو گیا، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تجارتی قرضے لینے کا تصور حضور ﷺ کے ذہن میں بالکل صاف اور واضح تھا۔

بخاری کی ایک قوی حدیث میں حضور ﷺ نے ایک اسرائیلی شخص کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ایک شخص سے ایک ہزار دینار قرض لینے کے بعد سمندری سفر پر روانہ ہو گیا،(۱) کچھ دُوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا یہ قرضہ تجارتی مقاصد کے لئے تھا۔ (۲)

مزید یہ کہ اتنی بڑی مقدار کا قرضہ صرف ذاتی ضروریات کی تکمیل کے لئے نہیں ہوسکتا، اور اس حدیث میں اس کا بھی ذکر ہے کہ وہ قرضہ لینے کے بعد سمندری سفر پر روانہ ہو گیا، اس قرضے کی میعاد کے اختتام پر اس کو اتنا زیادہ نفع ہوا کہ اس نے ایک ہزار دینار اپنے قرض دینے والے کو بھیجے اور پھر اس نے ان کو دوبارہ ایک ہزار دینار اس خیال سے بھیجنے کی پیشکش کی کہ شاید انہیں پہلے ایک ہزار وصول نہیں ہوئے ہوں گے، لیکن قرض دینے والے نے یہ تسلیم کرلیا کہ میں نے وہ وصول کر لیے تھے، لہٰذا اس نے دوبارہ ایک ہزار دینار قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

یہاں پر ایک اور مثال ہے جس میں حضور ﷺ نے بذاتِ خود تجارتی قرضے کا تذکرہ فرمایا ہے۔

ھ: مذکورہ بالا تجارتی قافلوں کے علاوہ کچھ دُوسری مثالیں ایسی بھی ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ تجارتی قرضے ذاتی حیثیت سے بھی لیے اور دیئے جاتے تھے، یہاں ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں۔

(۱) حضور ﷺ کا چچا ابولہب آپ ﷺ کا سخت ترین مخالف اور دُشمن تھا، لیکن اس نے بذاتِ خود غزوۂ بدر میں شرکت نہیں کی، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک شخص عاصم بن ہشام کو ۴ ہزار درہم سودی قرضے پر دیئے تھے، اور جب وہ ان کی ادائیگی کرنے پر قادر نہ ہوا تو اس نے اپنے مقروض کو اس قرضے کے بدلے اس جنگ میں اپنا اجیر (غلام) بنا کر بھیج دیا، ظاہر ہے کہ اس زمانے میں چار ہزار درہم کی حیثیت ایک بھوکے آدمی کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھی، لیکن درحقیقت اس نے یہ رقم تجارت کے لئے لی تھی، جو اس کے لئے نفع آور ثابت نہ ہوئی، بلکہ وہ دیوالیہ ہو گیا۔

(۲) حدیث اور تاریخ کی بہت سی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ حضرت زبیر بن عوام

---

(۱) البخاری: کتاب:۳۹، حدیث:۲۲۹۱۔

(۲) فتح الباری، ج:۴، ص:۴۷۱، امام بخاری نے یہ حدیث دُوسری جگہ پر بھی اس کے عنوان کے تحت لائی ہے، اور وہاں سمندر کے ذریعہ تجارت کا ذکر کیا ہے، کتاب:۳۴، باب:۱۰، حدیث:۲۰۶۳۔

رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال دار ترین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے تھے، ان پر اعتماد کی وجہ سے لوگ ان کے پاس بطور امانت پیسے رکھوانا چاہتے تھے، وہ ان تمام پیسوں کو بطور امانت رکھنے سے انکار کر دیتے تھے، البتہ بطور قرض رکھنا منظور کر لیتے تھے، اور یہ بات لوگوں کے لئے زیادہ فائدہ مند تھی، کیونکہ قرض کی صورت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو انہیں وہ رقم ہر حالت میں لوٹانی پڑتی تھی، جبکہ امانت کے طور پر رکھوانے کی صورت میں اگر وہ رقم ناگہانی آفتوں میں تلف ہو جاتی مثلاً چوری، آگ وغیرہ لگنے کی صورت میں، تو وہ اس پیسے کو لوٹانے کے ذمہ دار نہ تھے، جب لوگ ان کو وہ رقم بطور قرض دیتے، وہ اس رقم کو آگے تجارت میں لگا دیا کرتے تھے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا پیسے رکھنے اور پھر اسے آگے تجارت میں لگانے کا یہ انداز اور طریقہ موجودہ دور کے پرائیویٹ بینکوں کے کافی مشابہ ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کے پاس جمع کردہ رقوم کا جب حساب لگایا گیا تو وہ بائیس لاکھ تھیں، اور وہ تمام کی تمام تجارتی منصوبوں میں لگی ہوئی تھیں۔ [1]

(۳) ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک تجارتی قافلہ شام بھیجنا چاہتے تھے، اور اس مقصد کے تحت انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے چار ہزار درہم قرض لیا۔ [2]

(۴) ابن جریر کی روایت کے مطابق ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تجارت کی غرض سے ۴ ہزار روپے قرض لیے، انہوں نے یہ پیسے سامان کی خریداری میں لگائے اور پھر اس سامان کو قبیلۂ کلب کے بازار میں فروخت کیا۔ [3]

(۵) بیہقی کی روایت کے مطابق حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ساٹھ ہزار درہم بطور قرض لیے، ظاہر ہے کہ کسی غریب شخص کا اتنی بڑی مقدار میں قرض لینا اپنی ذاتی احتیاج کی تکمیل کے لئے نہیں ہو سکتا، جبکہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ جنہوں نے یہ قرضہ لیا ایسے واحد مال دار صحابی ہیں کہ جن کے پاس غزوۂ بدر میں گھوڑا تھا، اور جن کی زرعی پیداوار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک لاکھ درہم میں خریدی تھی۔

(۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ایک عیسائی نے زخمی کر دیا، تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلا کر اسے ہدایت کی کہ وہ ان کے قرض خواہوں کے قرضوں کا حساب کرے۔ ان کے صاحبزادے نے جب ان قرضوں کا حساب کیا تو وہ ۸۰ ہزار درہم تھے، بعض حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ مشورہ دیا کہ آپ یہ رقم بیت المال سے قرض لے کر قرض خواہوں کو ادا کر دیں، اور پھر اپنے اثاثے بیچ کر بیت

---

(۱) صحیح البخاری: کتاب الجہاد، کتاب: ۷ باب: ۱۳، حدیث: ۳۱۲۹، فتح الباری، ج: ۶، ص: ۲۱۱۔

(۲) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، بیروت، ج: ۳، ص: ۲۷۸۔ (۳) الطبری: تاریخ الامم ج: ۳، ص: ۲۷۸۔

المال کو ادا کر دیجئے گا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تجویز نہ مانی اور اپنے صاحبزادے کو ہدایت کی کہ وہ ان کے اثاثے بیچ کر یہ قرضہ ادا کر دے، ظاہر ہے کہ ۸۰ ہزار درہم کی رقم ذاتی احتیاج کے لئے قرض نہیں لی جاسکتی۔

(۷) امام مالکؒ نے اپنی کتاب مؤطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادوں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا ہے، جو جہاد کے سلسلے میں عراق گئے تھے، سفر سے واپسی کے دوران ان کی ملاقات بصرہ کے گورنر حضرت ابوموسی الاشعری رضی اللہ عنہ سے ہوئی، انہوں نے ان صاحبزادگان کو بتلایا کہ وہ عوامی خزانہ کی کچھ رقم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجنا چاہتے ہیں، انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ یہ رقم امانت کے طور پر ان کو دینے کے بجائے بطور قرض دے دیں، تاکہ وہ رقم حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے ضمان میں داخل ہو جائے اور وہ بحفاظت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جائے، یہ بات حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے مفاد میں بھی تھی، کیونکہ وہ رقم بطور قرض لینے کے بعد وہ اس سے عراق سے سامان خرید کر مدینہ لے جاکر فروخت کر سکتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اصل سرمایہ واپس دینے کے بعد انہیں اس سے نفع بھی حاصل ہو جاتا، ان صاحبزادگان نے یہ تجویز قبول کر کے اسی کے مطابق عمل کر لیا۔ جب وہ مدینہ پہنچے اور انہوں نے اصل سرمایہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ آیا حضرت ابوموسیٰ نے یہ رقم بطور قرض تمام مجاہدین کو بھی دی تھی؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوموسیٰ نے تم کو یہ رقم صرف میری رشتے داری کی وجہ سے دی تھی، لہٰذا تم کو نہ صرف وہ رقم بلکہ اس کے اُوپر حاصل ہونے والا نفع بھی دینا چاہئے، حضرت عبیداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ فیصلہ انصاف پر مبنی نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ سرمایہ راستے میں تلف ہو جاتا تو وہ ہر حال میں اس کا نقصان برداشت کرتے، اور اصل سرمایہ بہرصورت واپس کرتے، اس لئے وہ اس پر کمانے والے نفع کے مستحق ہیں، اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ وہ نفع بھی بیت المال میں جمع کرایا جائے، حاضرینِ مجلس میں سے ایک شخص نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ ان سے سارے نفع کا مطالبہ کرنے کے بجائے ان کے اس معاملے کو مضاربت میں تبدیل کر دیں اور ان سے آدھا نفع لے لیا جائے اور بقیہ آدھا دونوں بھائیوں میں تقسیم کر دیا جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تجویز کو تسلیم کر لیا اور اسی کے مطابق عمل کر لیا،[1] ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیداللہ رضی اللہ عنہ کو دیا جانے والا قرضہ تجارتی قرضہ تھا، جس کی ابتداء ہی سے نیت تجارت میں لگانے کی تھی۔

(۱) امام مالک: مؤطا، باب القرض۔

۸۹: مذکورہ بالا تفاصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تجارتی قرضوں کا تصور حضور ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے رِبا کی حرمت کے وقت اجنبی نہ تھا، اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ رِبا کی حرمت صرف صَرفی سود تک محدود تھی اور وہ تجارتی سود کو شامل نہیں تھی۔

اضافی شرحِ سود (Excessive Rates of Interest)

۹۰: بعض اپیل کنندگان کی طرف سے پیش کی جانے والی ایک دلیل یہ تھی کہ رِبا کی حرمت صرف ان معاملات سے متعلق ہے جن میں سود کی شرح بہت زیادہ یا مرکب ہو، ان کی دلیل کی بنیاد سورۂ آلِ عمران کی درج ذیل آیت ہے:

"يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟ أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً ."(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم سود نہ کھاؤ دُگنا چوگنا کر کے۔

۹۱: دلیل یہ پیش کی گئی کہ یہ رِبا کو واضح طریقے سے حرام کرنے والی پہلی آیتِ قرآنی ہے، لیکن اس میں رِبا کی حرمت کو "أَضْعَٰفًا مُّضَٰعَفَةً" (دُگنا چوگنا کر کے) کے ساتھ مقید کر دیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صرف وہ رِبا حرام قرار دیا گیا ہے جس کی شرح اتنی زیادہ ہو کہ وہ اصل سرمایہ سے دُگنی ہو جائے، جس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اگر سود کی شرح اتنی زیادہ نہ ہو تو وہ حرام نہیں ہے، اور چونکہ بینکوں کے سود کی شرح اتنی زیادہ نہیں ہوتی کہ وہ اصل سرمایہ کے مقابلہ میں دُگنی ہو جائے، لہٰذا وہ سود کی حرمت کے زُمرہ میں نہیں آئے گا۔

۹۲: لیکن یہ دلیل اس حقیقت کو نظر انداز کر رہی ہے کہ ایک ہی موضوع سے متعلق متعدد قرآنی آیات کو ایک دُوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہئے، قرآنِ کریم کی کسی آیت کی تشریح اسے قرآن ہی میں پائے جانے والے دُوسرے مواد سے الگ کر کے نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ ابتداء میں ذکر کیا گیا ہے، قرآنِ کریم نے رِبا کے موضوع کو چار مختلف ابواب میں ذکر کیا ہے، ظاہر ہے کہ کوئی بھی آیت اسی موضوع کی دُوسری آیت سے کبھی متضاد نہیں ہوسکتی، رِبا کے بارے میں سب سے تفصیلی بیان سورۂ بقرہ میں موجود ہے، جس کا تفصیلی تذکرہ اس فیصلے کے پیراگراف نمبر ۱۵ میں ہو چکا ہے، یہ آیات درجِ ذیل حکم پر بھی مشتمل ہیں:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَذَرُوا۟ مَا بَقِىَ مِنَ ٱلرِّبَوٰٓا۟ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○(۲)

---

(۱) ۳:۱۳۰۔ (۲) البقرۃ:۲۷۸۔

ترجمہ: اے مؤمنو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم مؤمن ہو۔

۹۳: اس آیت میں ''جو کچھ سود رہ گیا ہے'' کا جملہ یہ بتا رہا ہے کہ اصل سرمایہ کے اُوپر ہر مقدار چھوڑ دینی چاہئے، اس نکتے کو درج ذیل جملے میں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے:

''وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ.''

ترجمہ: اور اگر تم (عملِ ربا) سے توبہ کرلو تو پھر تم صرف اصل سرمایہ کے مستحق ہو گے۔

۹۴: یہ الفاظ اس حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتے ہیں کہ عملِ ربا سے توبہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک اصل سرمایہ کے اُوپر ہر قسم کی رقم چھوڑی نہ جائے، اور قرض دینے والا صرف اور صرف اصل سرمایہ کا مستحق ہو۔ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی آیات کے مشترکہ مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سورۂ آل عمران میں موجود یہ الفاظ ''اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً'' (دُگنا چوگنا کر کے) قیدِ احترازی نہیں ہیں، اور ''دُگنا چوگنا'' ہونا حرمتِ رِبا کی لازمی شرط نہیں ہے، بلکہ ''اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً'' کے الفاظ درحقیقت رِبا کی اس بدترین صورت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے لائے گئے ہیں جو اس وقت رائج تھی۔

۹۵: اس نکتے کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہمیں قرآنِ پاک کی تفسیر کا ایک اہم اور بنیادی اُصول سمجھنا ضروری ہوگا، اور وہ یہ ہے کہ قرآنِ پاک دراصل ایسی آئینی یا قانونی کتاب نہیں ہے جسے ایک قانونی متن کے طور پر استعمال کرنا مقصود ہو، بلکہ درحقیقت یہ ایک ایسی راہ نما کتاب ہے جو بہت سارے قوانین و اَحکامات کے ساتھ ایسی باتیں بیان کرتی ہے جو ترغیبی انداز رکھتی ہیں، قانون کی کتابوں کے برخلاف قرآنِ کریم کچھ ایسے الفاظ یا جملے استعمال کرتا ہے جن کا مقصد مزید تاکید یا کسی فعل کی مزید شناعت بیان کرنا ہوتا ہے، ان کا مقصد کسی اَمر یا نہی کے لئے قید لگانا نہیں ہوتا، قرآنِ پاک کے اس انداز کے ثبوت کے لئے خود اس آیت کا مطالعہ کافی ہے:

''لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا.''(1)

ترجمہ: میری آیات کو کم قیمت پر مت بیچو۔

۹۶: اس آیت کا کوئی شخص بھی یہ مطلب نہیں سمجھ سکتا کہ قرآنی آیات کو فروخت کرنے کی حرمت کی وجہ اس کی قیمت کم ہونا ہے، اور اگر اس کو مہنگے داموں فروخت کیا جائے تو جائز ہوگا۔ ذرا سی

(۱) البقرۃ:۴۱۔

عقل رکھنے والا شخص بھی اس آیت میں ''کم قیمت پر'' کی قید کو قیدِ احترازی نہیں سمجھے گا، بلکہ اس کا مطلب کچھ لوگوں کے عملِ بد کو واضح کرنا مقصود ہے کہ وہ اس قدر عظیم گناہ ذرا سی مالی منفعت کے عوض کر بیٹھتے ہیں، یہاں ان پر ملامت کی وجہ سستے داموں بیچنا نہیں، بلکہ خود بیچنے پر ملامت مقصود ہے۔

۹۷: اسی طرح دُوسری جگہ قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے:

"وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا." (۱)

ترجمہ: اور اپنی لڑکیوں کو طوائف بننے پر مجبور نہ کرو، اگر وہ پاک دامنی چاہتی ہوں۔

۹۸: ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ اگر کوئی لڑکی پاک دامنی نہ چاہتی ہو تو اس کو کوئی شخص طوائف بننے پر مجبور کرسکتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ عصمت فروشی اَز خود ایک بڑا گناہ ہے، مگر اس کی بُرائی اس وقت اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے جب کوئی لڑکی پاک دامنی چاہے اور کوئی شخص اسے عصمت فروشی پر مجبور کرے، اس آیت میں شرط کا اضافہ صرف اس فعلِ بد کی شناعت میں اضافے کے لئے کیا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیتِ ربا میں "اضعافًا مضاعفة" (دُگنا چوگنا کرکے) کی قید صرف عملِ ربا کی مزید خرابی کو بیان کرنے کے لئے لائی گئی ہے، اس میں صرف یہ بتلایا گیا ہے کہ ربا کا گناہ اس وقت اور زیادہ سخت ہو جاتا ہے جب اس کی شرحِ سود اتنی زیادہ یا دُگنی ہو جائے، اس آیت کا یہ مقصد اس وقت مزید واضح ہو جاتا ہے جب اس آیت (آل عمران) کو سورۂ بقرہ کی آیات کی روشنی میں پڑھا جائے۔

۹۹: دُوسرے یہ کہ قرآنِ پاک کی تفسیر ہمیشہ اس تشریح پر مبنی ہونی چاہئے جو حضور ﷺ کی احادیث اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں مذکور یا ان سے مأخوذ ہو، کیونکہ وہی دراصل قرآنی آیات کے بلاواسطہ مخاطب اور وصول کنندہ تھے، اور وہی قرآنی آیات کے سیاق و سباق اور اس پسِ منظر کو سمجھتے تھے جس کے تحت وہ آیات نازل ہوئی تھیں۔ اس پہلو سے بھی اگر غور کیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ربا کی حرمت صرف مخصوص شرحِ سود تک محدود نہ تھی، بلکہ حرمتِ سود اصل سرمایہ سے زائد ہر رقم پر محیط تھی، خواہ وہ تھوڑی ہو یا زائد۔

درج ذیل احادیث اس نکتے کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

(۱) ہم نے پیچھے یہ ذکر کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ربا کی حرمت کا اعلانِ عام اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا، ابنِ ابی حاتم کی روایت کے مطابق اس موقع پر آپ ﷺ نے جو الفاظ استعمال

(۱) النور: ۳۳۔

فرمائے، وہ درج ذیل ہیں:

اَلا! ان کل رِبا کان فی الجاهلیة موضوع عنکم کله، لکم رء وس أموالکم لا تظلمون و لا تظلمون، و أوّل رِبا موضوع رِبا العباس بن عبدالمطلب، موضوع کله. (۱)

ترجمہ: سنو! تمام سود کی رقوم جو دورِ جاہلیت میں واجب الادا تھیں، وہ سب پوری کی پوری ختم کر دی گئیں، تم صرف اپنے اصل سرمایہ کے حق دار رہو گے کہ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے، اور سب سے پہلا سود جس کے فسخ کا اعلان کیا جاتا ہے وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے، جو کہ مکمل طور پر ختم کر دیا گیا ہے۔

یہاں حضور ﷺ نے اصل سرمایہ سے زائد ہر قسم کی رقم کو مکمل طور سے ختم فرما دیا، اور اس بات کی صراحت کر کے کسی قسم کا شبہ یا ابہام باقی نہ رہنے دیا کہ قرض دینے والے صرف اپنے رأس المال کے حق دار ہوں گے، اس کے علاوہ وہ ایک سکے کے بھی حق دار نہ ہوں گے۔

(۲) حماد بن ابی سلمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اذا رتهن شاة شرب المرتهن من لبنها بقدر علفها فان استفضل من اللبن بعد ثمن العلف فهو ربا. (۲)

ترجمہ: اگر قرض دینے والا اپنے مقروض سے رہن (گروی) کے طور پر کوئی بکری وصول کرے، تو قرض دینے والا اس کا صرف اتنا دودھ پی سکتا ہے جتنا اس نے اس کے چارے کھلانے پر صرف کیا، تاہم اگر دودھ اس کے چارہ سے زیادہ مہنگا ہے تو یہ اضافہ بھی ربا ہے۔

(۳) امام مالکؒ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا درج ذیل فتویٰ ذکر فرماتے ہیں:

من أسلف سلفًا فلا يشترط الاقضاء ه. (۳)

ترجمہ: جو شخص کسی کو کوئی قرضہ دے تو وہ اس کے ساتھ سوائے اس کی واپسی کی شرط کے دوسری کوئی شرط نہیں لگا سکتا۔

(۱) تفسیر ابن ابی حاتم، ج:۲، ص:۵۵۱، حدیث: ۲۹۲۵۔ تفسیر ابن کثیر، ج:۱، ص:۳۳۱۔
(۲) الشوکانی: نیل الاوطار، ج:۵، ص:۱۹۸۔ (۳) امام مالکؒ: مؤطا، ص:۶۱۳، نور محمد کراچی۔

(۴) امام مالکؒ نے اسی باب میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

من أسلف سلفًا فلا يشترط أفضل منه و ان كان قبضة من علف فهو ربا.(۱)

ترجمہ: جو شخص کسی کو کوئی قرضہ دے، وہ اس سے بہتر واپس دینے کی شرط نہیں لگا سکتا، یہاں تک کہ اگر ایک مٹھی بھر چارہ زائد لے لے تو وہ بھی ربا ہے۔

(۵) امام بیہقیؒ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے ایک شخص سے ۵۰۰ اس شرط پر قرض لیے کہ میں اسے اپنا گھوڑا سواری کے لئے عاریۃً (مفت) دوں گا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جوب دیا:

تمہارا قرض خواہ جو بھی نفع اس گھوڑے سے حاصل کرے گا، وہ ربا ہے۔(۲)

(۶) یہی مصنف حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی کو کوئی قرضہ دے اور پھر مقروض شخص اسے کوئی تحفہ دے، تو کیا اس کے لئے یہ تحفہ قبول کرنا جائز ہوگا؟ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اذا قرض أحدكم قرضًا فأهدىٰ اليه طبقًا فلا يقبله، أو حمله على دابة فلا يركبها، الا أن يكون بينه و بينه قبل ذٰلك.(۳)

ترجمہ: اگر تم میں سے کسی شخص نے کسی کو کوئی قرضہ دیا اور مقروض قرض خواہ کو ایک کھانے کا طبق پیش کر دے، تو اسے قبول نہیں کرنا چاہئے، یا مقروض قرض خواہ کو اپنے جانور کی سواری کرائے تو اسے اس کی سواری نہیں کرنی چاہئے، مگر صرف اس صورت میں جب اس قسم کے تحفوں کے تبادلے کا ان دونوں کے درمیان قرضے کے معاملے سے پہلے معمول رہا ہو۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مقروض اور قرض خواہ دونوں کے آپس میں قریبی تعلقات ہوں، اور ان کی عادت یہ رہی ہو کہ ان میں سے ایک دوسرے کو تحفہ دیتا ہو تو اس قسم کا تحفہ قابلِ قبول ہوگا، خواہ ان دونوں کے درمیان قرض کا معاملہ ہو، لیکن اگر ان دونوں کے درمیان اس قسم کے تعلقات نہ ہوں، تو پھر مقروض کو اس سے کوئی تحفہ قبول نہیں کرنا چاہئے، ورنہ اس میں ربا کا شائبہ یا ربا کی بو آ

(۱) امام مالکؒ: مؤطا، ص:۶۱۳، نور محمد کراچی۔ (۲) البیہقی: السنن الکبریٰ، ج:۵، ص:۳۵۰۔ (۳) ایضاً۔

جائے گی۔

(۷) یہی مصنف امام بیہقی، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ان سے کسی نے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا کہ اس نے بیس درہم کسی سے قرض لیے، اور اپنے قرض خواہ کو تحفے دینا شروع کیے، جب بھی قرض خواہ اس سے کوئی تحفہ وصول کرتا اسے لے جا کر بازار میں فروخت کر دیتا، یہاں تک کہ اس سے وصول ہونے والے تحفوں میں تقریباً ۱۳ درہم اسے وصول ہو گئے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے کہا کہ: تمہیں اب ۷ درہم سے زائد نہیں لینا چاہئے۔

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كل قرض جر منفعةً فهو ربوا.

ترجمہ: ہر ایسا قرضہ جو نفع کھینچے وہ رِبا ہے۔

یہ حدیث حارث بن ابی اسامہ سے ان کی مسند میں مذکور ہے۔ (۱)

۱۰۰: وفاقِ پاکستان کے وکیل محترم ریاض الحسن گیلانی نے اس حدیث کے قابلِ اعتماد ہونے پر اعتراض کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس کو بہت سے محدثین نے حدیثِ ضعیف قرار دیا ہے، انہوں نے علامہ مناوی رحمہ اللہ کا حوالہ دیا، جنہوں نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۰۱: یہ بات صحیح ہے کہ متعدد ناقدینِ حدیث نے اس حدیث کو معتمد اور صحیح قرار نہیں دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ایک راوی سوار بن مصعب بھی ہیں جنہیں غیر قابلِ اعتماد قرار دیا گیا ہے، لیکن دُوسری طرف ایسے بہت سے محدثین بھی ہیں جنہوں نے اس حدیث کو معتمد قرار دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ سوار بن مصعب ضعیف راوی ہیں، تاہم یہ حدیث اور بھی ذرائع سے منقول ہے، یہ رائے علامہ عزیزی، امام غزالی اور امام الحرمین (رحمہم اللہ) کی بھی ہے، تاہم یہ یاد رہے کہ یہ سارا اختلاف اس روایت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ہے، البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار اور اقوال کے طور پر سب کے نزدیک قابلِ اعتماد ہے، اور بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے، مثلاً حضرت فضالہ بن عبید کا اثر جو سننِ بیہقی میں مذکور ہے درج ذیل ہے:

كل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا.

ترجمہ: ہر ایسا قرضہ جو کسی قسم کا نفع کھینچے وہ رِبا کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔

(۱) السیوطی: الجامع الصغیر، ج:۲، ص:۹۴۔

۱۰۲: امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ بالکل یہی اُصول حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت اُبیؓ بن کعب، حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

۱۰۳: کسی نے ان روایات کے قابلِ اعتماد ہونے کے بارے میں کلام نہیں کیا ہے، اگر یہ بات بالفرض تسلیم بھی کر لی جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب روایت ضعیف ہے، تب بھی یہ اصول بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہونے کی وجہ سے ثابت ہو جاتا ہے، چونکہ عموماً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریعت کے اُصول بیان کرنے میں بہت محتاط تھے، اور وہ عموماً کوئی ایسا اُصول اپنی رائے سے بیان نہیں فرماتے تھے، لہٰذا بظاہر ایسا لگتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے متفقہ بیان کردہ یہ اُصول درحقیقت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر ہی مبنی تھا، یہاں تک کہ اگر اس مفروضے کو مسترد بھی کر دیا جائے تو یہ روایات کم از کم اتنی بات ثابت کر دیتی ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کے مطابق رِبا کا تصور ہر اس رقم کو شامل تھا جو اصل سرمایہ سے زائد ہو، خواہ وہ رقم تھوڑی ہو یا زیادہ۔ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآنِ کریم کے اوّلین بلاواسطہ مخاطب تھے، اور وہی قرآنِ پاک کی آیات کے پسِ منظر اور سیاق و سباق کو صحیح طور پر سمجھنے والے تھے، اور اسی لئے قرآنِ پاک کی اصطلاحات مثلاً رِبا کے بارے میں ان کا فہم، تشریح کے لئے سب سے مضبوط بنیاد ہے۔

۱۰۴: وفاقِ پاکستان کے محترم وکیل ریاض الحسن گیلانی نے مندرجہ بالا روایت کے قابلِ اعتماد ہونے کے بارے میں ایک دُوسرے انداز سے اعتراض کیا، اور وہ یہ کہ اس روایت میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ ذاتی طور پر بھی کمزور ہے، کیونکہ اگر مقروض ادائیگی کے وقت رضاکارانہ طور پر قرض دینے والے کے مطالبے کے بغیر اَز خود اصل سرمایہ سے زائد ادا کرے تو اسے کبھی بھی رِبا قرار نہیں دیا جاتا، حالانکہ اس روایت میں ذکر کردہ الفاظ اس قسم کی زیادتی اور اضافے کو بھی شامل ہیں، کیونکہ اس صورت میں بھی قرض دینے والے نے اپنے قرض سے نفع اُٹھایا ہے، اگرچہ یہ نفع اس کو مطالبے کے بغیر ملا ہے، لہٰذا اس اُصول کو رِبا کی جامع مانع تعریف قرار نہیں دیا جاسکتا، اور اس قسم کے ڈھیلے اور ہلکے اقوال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔

۱۰۵: محترم وکیل صاحب کا یہ اندازِ فکر درحقیقت قدیم اہلِ عرب کے روزمرہ اندازِ بیان کو مدِنظر نہ رکھنے پر مبنی ہے، وہ پیچیدہ قانونی زبان استعمال کرنے کے بجائے اپنا مفہوم سادہ انداز میں بیان کرنے کے عادی تھے، وہ اکثر اوقات ایک طویل مفہوم انتہائی مختصر الفاظ میں بیان کرتے تھے، مندرجہ بالا روایت میں لفظِ "قرض" کے ساتھ "جَرَّ" کا لفظ مذکور ہے، جس کے لغوی معنی کھینچنے کے آتے ہیں، لہٰذا اگر پورے جملے کا لفظی ترجمہ کیا جائے تو وہ یہ ہوگا کہ "ہر ایسا قرض جو اپنے ساتھ نفع کھینچ

کرلائے وہ رِبا ہے'' اس عبارت کے الفاظ یہ واضح کرتے ہیں کہ رِبا سے مراد صرف وہ معاملہ ہے جہاں پر قرضہ اپنے ساتھ اس طرح نفع کھینچ کرلائے کہ گویا کہ عقدِ قرض نفع کے ساتھ مشروط ہو، لہٰذا اس سے مقروض کی جانب سے اَز خود رضا کارانہ طور پر دیا جانے والا نفع رِبا کی تعریف سے خارج ہو جاتا ہے۔

۱۰۶: مذکورہ بالا بحث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس بات میں کوئی وزن نہیں ہے کہ حرمتِ رِبا صرف حد سے زائد ریٹ آف انٹرسٹ تک محدود تھی، قرآن وحدیث کی تعلیمات اس سلسلے میں بالکل واضح ہیں کہ رأس المال پر وصول کی جانے والی کوئی بھی اضافی رقم خواہ کم ہو یا زیادہ اگر عقدِ قرض میں مشروط ہوگی تو وہ ''رِبا'' کہلائے گی، لہٰذا وہ حرام ہوگی۔

رِبا الفضل اور بینکاری قرضے

۱۰۷: مزید آگے بڑھنے سے قبل یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وفاقِ پاکستان کے محترم وکیل کی ایک اور دلیل پر نظر ڈالتے چلیں کہ انہوں نے فرمایا کہ واپسی کے وقت اضافے کی شرط اگر ابتدائے عقد میں لگائی جائے تو وہ رِبا القرآن کے زُمرے میں نہیں آتی، البتہ وہ رِبا الفضل کے زُمرے میں آتی ہے، تاہم اگر ابتدائے عقد میں اضافہ مشروط نہ ہو تو اسے مہلت دیتے ہوئے رقم میں اضافہ کرنا یہ رِبا القرآن ہے۔ محترم وکیل کی رائے کے مطابق چونکہ بینکاری قرضوں میں اضافہ ابتدائے عقد ہی میں طے کرلیا جاتا ہے لہٰذا یہ اضافہ رِبا القرآن نہیں بلکہ رِبا الفضل ہے، پھر محترم وکیل صاحب نے مزید دلائل دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ رِبا الفضل کی حرمت کی تنفیذ دراصل ریاست کا کام نہیں ہے، اس کا نفاذ دراصل مسلمان کی انفرادی ذمہ داری ہے۔

اور مسلمانوں کی تاریخ میں اسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم یا مسلمان حکمرانوں میں سے کسی نے بھی اپنے کسی حکم، فرمان یا قانون کے ذریعہ ختم نہیں کیا۔ انہوں نے مزید یہ بھی فرمایا کہ رِبا الفضل کی حرمت مسلمان ریاست میں رہائش پذیر غیر مسلموں پر بھی لاگو نہیں ہوتی، لہٰذا اسے آئینِ پاکستان کے آرٹیکل ۲۰۳ ب میں بیان کردہ اصطلاح ''مسلم پرسنل لاء'' کے تحت آنا چاہئے، جو کہ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ کے دائرۂ اختیارِ سماعت سے باہر ہے۔

۱۰۸: محترم وکیل صاحب کی دلیل ایک ایسے نظریے پر قائم ہے جس کی ماضی میں کوئی نظیر نہیں، اور وہ یہ کہ کوئی بھی اضافی رقم اگر قرض کی ابتداء میں مشروط کرلی جائے تو وہ رِبا القرآن کے بجائے رِبا الفضل بن جاتی ہے۔ اس دلیل کا پہلا حصہ یہ بیان کرتا ہے کہ رِبا القرآن کی تعریف تو صرف

اس صورت تک محدود ہے جہاں پر قرض دہندہ قرضے کی میعاد کے اختتام پر مقروض کو مزید وقت کی مہلت دیتے ہوئے اپنے مطالبے میں اضافہ کر دیتا ہے، مگر اس دلیل پر بحث اس فیصلے کے پیرا گراف ۴۳ تا ۵۴ میں پیچھے گزر چکی ہے، جس میں ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ رِبا القرآن صرف اسی صورت تک منحصر نہیں ہے بلکہ یہ رأس المال پر اضافی رقم کے مطالبے کو شامل ہے، خواہ وہ مطالبہ ابتداء میں کیا جائے یا انتہائے معیاد پر۔ آیئے اب ہم اس دلیل کے دُوسرے حصے پر غور کرتے ہیں کہ جس میں ان کے نزدیک اصل قرض پر کوئی اضافی رقم اگر ابتدائے عقدِ قرض میں طے کی جائے تو وہ رِبا الفضل کی تعریف میں داخل ہے نہ کہ رِبا القرآن کی تعریف میں۔ محترم وکیل صاحب رِبا الفضل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اتنے آگے نکل گئے کہ غیر سودی قرضوں کو بھی انہوں نے رِبا الفضل میں داخل کر دیا، کیونکہ حدیث کی رُو سے بشمول سونا اور چاندی چھ چیزوں کا باہم تبادلہ کیا جائے تو وہ نقد ہونا چاہئے، اگر سونے کا تبادلہ سونے سے کیا جائے مگر اس میں ایک جانب اُدھار ہو تو وہ رِبا الفضل میں داخل ہوگا، اسی لئے محترم وکیل صاحب نے یہ خیال فرمایا کہ اگر سونے چاندی کے ذریعے قرض کا کوئی بھی معاملہ کیا جائے جس میں اس قرضے کی ادائیگی مؤخر ہو تو وہ رِبا الفضل میں داخل ہو جائے گا، لہٰذا وہ مکروہ ہوگا، باوجودیکہ وہ بغیر اضافے کے لوٹایا گیا ہو، کیونکہ سونے کا معاملہ سونے کے ذریعے (یا رقم کا تبادلہ رقم کے ذریعے) صرف اس وقت جائز ہوتا ہے جبکہ دو شرطیں پائی جائیں:

الف: دونوں طرف سے مقدار برابر ہو۔

ب: تبادلہ نقد ہو، اُدھار نہ ہو۔

۱۰۹: غیر سودی قرضے میں دُوسری شرط (ب) مفقود ہے، جبکہ سودی قرضوں میں مذکورہ بالا دونوں شرطیں موجود نہیں ہیں، لہٰذا دونوں قسم کے قرضے رِبا الفضل کی تعریف میں داخل ہیں۔

۱۱۰: محترم وکیل صاحب کا یہ نقطۂ نظر بالکل ناقابلِ تسلیم ہے، کیونکہ یہ عقدِ بیع اور عقدِ قرض کے درمیان شدید خلط ملط پر مبنی ہے، محترم وکیل صاحب نے عقدِ قرض کو عقدِ بیع کی مانند اور مساوی قرار دیا ہے، حالانکہ رِبا الفضل کی حدیث خرید و فروخت کے معاملے سے متعلق ہے نہ کہ قرضے کے معاملے کے، حدیث کے حقیقی الفاظ یہ ہیں:

لا تبیعوا الذھب بالذھب الا مثلا بمثل...... و لا تبیعوا منھا غائبًا بناجز۔

ترجمہ: سونے کو سونے کے ذریعے مت بیچو، مگر برابر سرابر اور اُدھار (سونے یا چاندی کو) نقد (سونے یا چاندی) کے عوض مت فروخت کرو۔

۱۱۱: یہاں پر ''فروخت نہ کرو'' کے الفاظ یہ بتلانے کے لئے کافی ہیں کہ حدیث کی گفتگو عقدِ بیع کے بارے میں ہے، نہ کہ عقدِ قرض کے بارے میں۔ دراصل دونوں عقدوں کے درمیان بہت سارے فرق ہیں، ایک اہم فرق یہ ہے کہ عقدِ بیع میں اگر قیمت کی ادائیگی متعینہ مدت تک کے لئے اُدھار ہو تو فروخت کنندہ اس وقت سے قبل کسی بھی قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ نہیں کرسکتا، اس کے برخلاف عموماً غیر سودی قرضوں میں قرض دہندہ مقروض سے کسی بھی وقت اپنے قرضے کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے، یہاں تک کہ اگر ادائیگی کے لئے کوئی وقت بھی متعین کیا گیا ہے تو وہ معینہ وقت صرف اخلاقی اہمیت تو رکھے گا لیکن وہ قانونی طور پر واجب التعمیل نہیں ہوگا،[۱] یہی وجہ ہے کہ غیر سودی قرضہ تو جائز ہے لیکن سونے کو سونے کے ساتھ اُدھار ادائیگی کی شرط پر بیچنا جائز نہیں ہے۔

محترم وکیل صاحب کا یہ نقطۂ نظر کہ غیر سودی قرضہ بھی ربا الفضل میں داخل ہے، صرف اس وجہ سے بھی ناقابلِ اعتبار ہے کہ حضور ﷺ نے نہ صرف غیر سودی قرضوں کی اجازت دی، بلکہ اس زمانے میں جب آپ ﷺ نے سونے کو سونے کے ذریعے اُدھار بیچنے پر منع فرمایا، خود غیر سودی قرضوں کا معاملہ فرمایا۔ محترم وکیل صاحب نے ان احادیث کا حوالہ دیا کہ جن میں حضور ﷺ نے حقیقی ضرورت کے بغیر قرضے لینے کو ناپسند فرمایا ہے اور اس شخص کے جنازے میں شرکت نہیں کی جو مقروض حالت میں مرا ہو۔ لیکن حضور ﷺ نے قرضے لینے کو اس وجہ سے ناپسند نہیں فرمایا کہ وہ عقد بذاتِ خود ناجائز تھا، بلکہ آپ ﷺ نے صرف اس واضح وجہ سے منع فرمایا کہ کسی بھی شخص کو حقیقی ضرورت کے بغیر اپنے اُوپر قرضے کا بوجھ لینے کا کوئی بھی مشورہ نہیں دے سکتا، اور اگر ممانعت کی اصل وجہ قرضے کا عقد ہوتا تو پھر یہ ممانعت قرض دہندہ اور مقروض دونوں کے لئے ہوتی، جبکہ یہ بات واضح ہے کہ یہ ممانعت قرض دہندہ کے لئے ہرگز نہیں ہے، بلکہ محترم وکیل صاحب نے ابنِ ماجہ کی یہ حدیث اَزخود ذکر فرمائی ہے کہ قرضہ دینا صدقہ سے زیادہ باعثِ فضیلت اور ثواب ہے۔[۲] اس سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ قرض کا معاملہ بذاتِ خود ناجائز نہیں ہے، تاہم لوگوں کو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ بغیر حقیقی وجہ کے اپنے اُوپر قرضے کا بوجھ نہ لیں۔ اس کے برخلاف سونے کی سونے کے ساتھ یا چاندی کی چاندی کے ساتھ اُدھار فروختگی کا معاملہ بذاتِ خود ناجائز معاملہ ہے، اور یہ معاملہ دونوں فریقوں کے لئے ناجائز ہے، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔

---

(۱) الجصاص: اَحکام القرآن، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص: ۴۸۲، ۴۸۳، تفصیل کے لئے۔

(۲) ابنِ ماجہ: السنن، ج:۳، ص: ۱۵۴، حدیث: ۲۴۳۱، بیروت، ۱۹۹۶ء، یہ بات یاد رہے کہ اس حدیث کو البوصیری وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۱۱۲: خلاصہ یہ کہ رِبا الفضل کی احادیث صرف خرید و فروخت سے متعلق ہیں، قرض کے معاملے سے ان کا بالکل تعلق نہیں ہے، تاہم رِبا القرض قرضے کے معاملے سے متعلق ہے، جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ قرض دہندہ صرف اپنے سرمایہ کا حق دار ہوگا، اس سے زائد رقم کا بالکل حق دار نہ ہوگا، لہٰذا اگر وہ صرف قرضے کا معاملہ کرے اور اپنے سرمایہ پر کسی قسم کے اضافے کا مطالبہ نہ کرے، تو پھر وہ بالکل ممنوع نہیں ہے، اس لئے یہ بات کہنا صحیح نہیں ہے کہ سودی قرضے کا معاملہ جس میں ابتدائے عقد میں اضافی رقم طے کی جائے وہ رِبا القرآن کے بجائے رِبا الفضل میں داخل ہوگا اور یہ کہ بینکاری معاملات چونکہ رِبا الفضل میں داخل ہیں لہٰذا حرام نہیں ہیں۔

سودی قوانین میں اس کورٹ کا دائرۂ اختیار

۱۱۳: یہ بات طے ہو جانے کے بعد کہ بینکاری قرضوں پر وصول کیے جانے والا سود دراصل رِبا الفضل کے بجائے رِبا القرآن کے زُمرے میں آتا ہے، اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اس سوال پر غور کریں کہ آیا اس کی حرمت غیر مسلموں پر بھی لاگو ہے یا نہیں؟ تاہم یہ بات باور کرانا پسند کریں گے کہ محترم وکیل صاحب نے ایک نقطۂ نظر یہ پیش کیا کہ رِبا الفضل کا اطلاق صرف مسلمانوں پر ہونے کی وجہ سے بینکاری سود سے متعلق قوانین مسلم پرسنل لاء کی تعریف میں آتے ہیں، جو دستورِ پاکستان کے آرٹیکل ۲۰۳ ب میں ذکر کی گئی ہے، لہٰذا یہ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کی شریعت اپیلٹ بینچ کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے۔ اگر ہم بالفرض ان کا یہ نقطۂ نظر تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کر لیں کہ بینک انٹرسٹ رِبا الفضل میں شامل ہے اور اس کی حرمت صرف مسلمانوں سے متعلق ہے، تب بھی ان کا یہ موقف کہ زیرِ نظر قوانین وفاقی شرعی عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں، دو واضح وجوہات کی وجہ سے قابلِ رَدّ ہے:

۱۱۴: پہلا یہ کہ موجودہ مقدمے میں غور طلب قوانین وہ قوانین ہیں جو موجودہ شکل میں موجود ہیں، نہ کہ اس شکل میں جس میں وہ فاضل وکیل صاحب کے خیال کے مطابق ہونے چاہئیں، یہ موجودہ قوانین اپنے اطلاق کے لحاظ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ذرا بھی تفریق نہیں کرتے، وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں پر یکساں لاگو کیے جاتے ہیں۔

۱۱۵: دُوسرے یہ کہ یہ خیال کہ یہ قوانین مسلم پرسنل لاء کی تعریف کے تحت جو کہ دستورِ پاکستان کے آرٹیکل ۲۰۳ ب میں مذکور ہے، صرف مسلمانوں پر قابلِ اطلاق ہوں گے، اس کی بنیاد بظاہر اس عدالت کا وہ فیصلہ ہے جو مسماۃ فرشتہ کے مقدمے (پی ایل ڈی ۔ ۱۹۸۱، سپریم کورٹ ۱۲۰)

میں دیا گیا تھا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محترم وکیل صاحب شاید اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں کہ اس عدالت نے اپنے موقف کا بعد میں ایک دُوسرے مقدمے ڈاکٹر محمود الرحمٰن بنام حکومتِ پاکستان (پی ایل ڈی ۱۹۹۴ء ایس سی ۶۰۷) کے فیصلے میں دوبارہ جائزہ لیا ہے، جس میں یہ قرار دیا گیا کہ مدوّن قوانین (Statute Laws) اگرچہ صرف مسلمانوں پر لاگو ہوتے ہیں، پھر بھی دستورِ پاکستان کی دفعہ ۲۰۳ب میں مذکور مسلم پرسنل لاء کے تحت داخل نہیں ہوتے، لہٰذا وکیل صاحب کا یہ خیال غلط ہے کہ بینکاری سود سے متعلقہ قوانین اس عدالت کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں۔

حرمت کی بنیادی وجہ

۱۱۶: بعض اپیل کنندگان کی طرف سے دُوسری دلیل یہ پیش کی گئی کہ حرمتِ ربا کی بنیادی علت ظلم ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ. (۱)

ترجمہ: اور اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے واسطے تمہارا اصل سرمایہ ہے کہ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

۱۱۷: یہاں ''نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے'' کے الفاظ کی حرمت کی بنیادی علت ظلم ہے۔ بعض اپیل کنندگان کی طرف سے یہ دلیل دی گئی کہ ان مال دار لوگوں سے سود وصول کرنے میں قطعاً کوئی ظلم نہیں جنہوں نے خطیر نفع کمانے کے لئے بھاری بھاری رقمیں قرضے پر حاصل کیں، بینکوں اور مالیاتی اداروں کے تجارتی سود میں چونکہ حرمت کی بنیادی علت موجود نہیں ہے، لہٰذا اسے ممنوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بالکل یہی دلیل جناب خالد ایم اسحاق صاحب ایڈووکیٹ نے بھی دی جو باوجود اپنی علالتِ طبع کے ازراہِ عنایت اس مقدمے میں عدالتی مشیر کی حیثیت سے تشریف لائے، تاہم انہوں نے بینکاری کی تمام صورتوں کو جائز قرار دینے کے بجائے یہ رائے دی کہ تمام بینکاری کے معاملات اور معاہدات کا انفرادی حالات اور واقعات کے تناظر میں جائزہ لینا چاہئے، اور اس تجزیے کا معیار اور محور یہ سوال ہونا چاہئے کہ آیا اس مخصوص عقد میں ظلم کا عنصر پایا جارہا ہے یا نہیں؟ اگر ظلم موجود ہو تو پھر اس عقد کو ربا سمجھ کر ناجائز قرار دینا چاہئے، لیکن اگر اس میں ظلم نہ ہو تو پھر اسے حرام نہیں سمجھنا چاہئے۔

۱۱۸: ہم نے دلائل کے ان خطوط پر بھی غور کیا، لیکن اسے تسلیم کرنے سے قاصر رہے، درحقیقت ان کی دلیل دو تصورات پر مبنی ہے، ایک یہ کہ حرمت کی بنیادی علت ظلم ہے، اور دُوسرے یہ

(۱) ۲:۲۷۹۔

کہ موجودہ سودی نظام بینکاری میں یا تو کوئی ظلم نہیں ہے یا کم از کم بعض سودی معاملات میں ظلم نہیں ہے۔

اس دلیل کے دونوں حصے، گہرے مطالعے کے بعد بھی قابلِ تسلیم نظر نہیں آتے، آیئے اب دونوں تصورات کا علیحدہ علیحدہ تجزیہ کریں۔

علت اور حکمت کے درمیان فرق

۱۱۹: پہلا تصور جو کہ ظلم کو حرمتِ ربا کی بنیادی علت قرار دیتا ہے، درحقیقت حرمت کی علت کو اس کی حکمت سے خلط ملط کرنے کا نتیجہ ہے۔ یہ اسلامی فقہ کا ایک طے شدہ اُصول ہے کہ علت اور حکمت کے درمیان بہت فرق ہے، علت کسی معاملے کا ایسا وصف ہوتا ہے کہ جس کے بغیر متعلقہ قانون اس پر لاگو نہیں ہوتا، جبکہ حکمت اس مصلحت یا فلسفے کا نام ہے جو کوئی قانون ساز قانون بناتے وقت مدِنظر رکھتا ہے یا بالفاظِ دیگر اس فائدے کا نام ہے جو قانون کی تنفیذ کے ذریعے حاصل کرنا مقصود ہو، اب قاعدہ یہ ہے کہ کسی قانون کا اطلاق علت پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ حکمت پر، بالفاظِ دیگر اگر کبھی علت (کسی معاملے کا بنیادی وصف) پائی جائے جبکہ اس کی حکمت اس میں نظر نہ آرہی ہو تو قانون پھر بھی اطلاق پذیر ہوگا۔ یہ اُصول غیر اسلامی قوانین میں بھی مُسلّم ہے، اس کی آسان مثال لے لیں کہ قانون نے تمام شہریوں پر لازم کیا ہے کہ جب وہ سڑک پر جارہے ہوں اور سرخ بتی جل رہی ہو تو وہ رک جائیں، اس قانون میں علت سرخ بتی کا جلنا ہے، جبکہ حکمت حادثات سے بچاؤ ہے۔ اب قانون ہر اس وقت لاگو ہوگا جب بھی سرخ بتی جلے گی، اس کا اطلاق حادثے کے خوف ہونے یا نہ ہونے پر مبنی نہ ہوگا، چنانچہ اگر سرخ بتی کھلی ہو تو ہر گاڑی رُکنے پر مجبور ہوگی خواہ اس کے سامنے دونوں طرف کی سڑکوں سے کوئی ٹریفک نہ آرہی ہو، اس متعین صورت میں قانون کی بنیادی حکمت نظر نہیں آرہی ہے، کیونکہ کسی قسم کے حادثے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، پھر بھی قانون اپنی پوری قوت کے ساتھ اطلاق پذیر ہے، کیونکہ سرخ بتی جو کہ اس قانون کی بنیادی علت ہے، وہ موجود ہے۔ ایک دُوسری مثال لے لیجئے، قرآنِ پاک نے شراب حرام قرار دی ہے، اس کی حرمت کی علت نشہ ہے، جبکہ اس کی حکمت جو قرآن میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ:

إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ أَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ، فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ.

ترجمہ: شراب اور جوئے کے ذریعے شیطان تمہارے درمیان دُشمنی اور بغض

ڈالنا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنا چاہتا ہے، تو پھر کیا تم باز آؤ گے؟

۱۲۰: شراب اور قمار کی حرمت کا بنیادی فلسفہ جو قرآن کی اس آیت میں مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں لوگوں کے درمیان عداوت اور بغض پیدا کرتی ہیں، اور یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکتی ہیں، کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کافی عرصے سے شراب پی رہا ہوں، لیکن میری کسی سے کوئی دُشمنی نہیں ہے، لہٰذا شراب کی حرمت کی علت نہیں پائی جارہی ہے اور وہ مجھ پر حلال ہونی چاہئے؟ یا کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ شراب پینے کی وجہ سے میری کوئی نماز ترک نہیں ہوئی اور میں نماز پابندی سے اوقات کے مطابق پڑھتا ہوں، لہٰذا حرمتِ شراب کی بنیادی وجہ نہ پائے جانے کی وجہ سے شراب میرے لئے حلال ہونی چاہئے؟ ظاہر ہے کہ کوئی شخص ان دلائل کو قبول نہیں کر سکتا، کیونکہ عداوت اور بغض کے قرآنِ پاک کی اس آیت میں تذکرے کا مقصد اس کی حرمت کی علت بیان کرنا نہیں تھا، بلکہ اس میں تو صرف شراب اور قمار سے پیدا ہونے والے ان بُرے نتائج کا ذکر ہے جو اکثر ان سے پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا انہیں حرمت کی حکمت یا فلسفہ تو کہا جا سکتا ہے، علت نہیں کہا جائے گا، لہٰذا ان کی حرمت ان بُرے نتائج کے پائے جانے یا نہ پائے جانے پر منحصر نہیں ہوگی۔ بالکل یہی صورتحال ربا والی قرآنی آیت کے اندر بھی ہے کہ اس میں ظلم کا تذکرہ حرمت کی حکمت اور فلسفے کے طور پر کیا گیا ہے، لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جہاں پر بظاہر ظلم نظر نہ آرہا ہو وہاں پر حرمت نہیں آئے گی، ربا کی بنیادی علت قرض کے معاملے میں وہ زیادتی ہے جو اصل سرمایہ کے اُوپر طلب کی جائے، اور جیسے ہی یہ علت پائی جائے گی حرمت آجائے گی، خواہ اس صورت میں قانون کا فلسفہ اور حکمت نظر آئے یا نہ آئے۔

۱۲۱: یہاں ایک اور نکتہ قابلِ ذکر ہے، وہ یہ کہ کسی قانون کی علت ہمیشہ ایسی چیز ہوتی ہے جس کی شناخت جامع و مانع تعریف کے ذریعے ہو سکے اور جس میں اس اختلاف اور نزاع کی گنجائش نہ ہو کہ آیا اس صورت میں علت پائی جارہی ہے یا نہیں؟ کوئی بھی اضافی اصطلاح جو اپنی فطرت کے لحاظ سے مبہم ہو وہ کسی قانون کی علت قرار نہیں دی جا سکتی، کیونکہ اس کا وجود مشکوک اور مبہم ہونے کی وجہ سے قانون کے حقیقی مقصود کو فوت کر دے گا۔ ظلم بھی اسی طرح ایک ایسی اضافی اور مبہم اصطلاح ہے کہ اس کی حقیقی ماہیت اور تعریف متعین کرنا انتہائی مشکل کام ہے، باہم اختلاف رکھنے والے تمام سیاسی و معاشی نظام ظلم ختم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، تاہم ایک چیز جسے ایک نظام ظلم قرار دیتا ہے، تو اسے دُوسرا نظام جائز اور صحیح قرار دیتا ہے، اشتراکی نظریۂ معیشت ذاتی ملکیت کو بذاتِ خود ظلم قرار دیتا ہے،

جبکہ سرمایہ دارانہ نظام کا نظریہ ذاتی ملکیت ختم کرنے کو ظلم قرار دیتا ہے، اس قسم کی مبہم اصطلاح کو کسی قانون کی علت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۱۲۲: مسٹر خالد ایم اسحاق ایڈووکیٹ جو اس کورٹ میں قانونی مشیر کے طور پر پیش ہوئے تھے، انہوں نے ایک دُوسرا انداز اختیار فرمایا، ان کے نزدیک ظلم یا رِبا کی جامع مانع تعریف کا موجود نہ ہونا اَز خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کے لئے یہ سہولت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ خود فیصلہ کرلیں کہ ان کے زمانے کے مخصوص حالات میں ظلم کیا ہے؟

اپنے تحریری بیان میں محترم قانونی مشیر نے مذکورہ ذیل الفاظ میں اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے:

> (الف) (ربا کی) تعریفیں گھڑنے کی جو کوششیں غلط سمت میں ہو رہی ہیں، اب وہ ختم ہو جانی چاہئیں۔ قرآن میں رِبا کی تعریف مذکور نہ ہونے کو جوں کا توں تسلیم کر لینا چاہئے، بلکہ اسے انسانیت کے لئے ایک رحمت سمجھنا چاہئے، کسی جامد تعریف سے سوچا سمجھا اجتناب مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کرے گا کہ وہ خود اپنی رہنمائی کے لئے آگے آئیں اور ایسے اُصول پروان چڑھائیں جو زمان، مکان کے حالات میں ظلم کی شناخت کر سکیں۔ معاشی حالات جامد نہیں ہوتے، نہ انسانی احوال جامد ہوتے ہیں۔
>
> (ب) ایک صحت مند معاشی پالیسی میں حکومت کے ایسے تمام بامقصد اقدامات شامل ہونے چاہئیں جن کا حقیقی اور برملا بنیادی مطمحِ نظر حکومت کے زیرِ انتظام ساری آبادی کی معاشی فلاح و بہبود ہو نہ کہ اس آبادی کے کسی ایک حصے کی۔ اسلامی تصورِ معیشت اس مقصد کا نہ مخالف ہے، نہ اس سے مختلف، لہٰذا ایک اسلامی طرزِ فکر کو معاشی طرزِ فکر پروگرام سے نہ جدا کیا جانا چاہئے، نہ اس سے الگ تھلگ۔ نہ اسلامی طرزِ فکر کو اس سے لاعلم ہونا چاہئے، کیونکہ یہ دونوں ایک دُوسرے کے حریف نہیں ہیں۔ فقہاء کو اس امکان سے اپنے ذہن کو بند نہ کر لینا چاہئے کہ بہترین اور مفید نتائج حاصل کرنے کے لئے دونوں کو جمع بھی کیا جا سکتا ہے، جب کبھی مسلمان فقہاء نے اپنے آپ کو عصری علوم (اور زیرِ نظر معاملے میں معاشیات) سے پوری طرح باخبر نہیں رکھا، تو ان میں یہ رُجحان پیدا ہو گیا کہ وہ اس کے مخالف ہو جائیں، اسے شک کی نگاہوں سے دیکھیں، اسے خطرناک سمجھیں اور اس کے مطالعے سے نجات حاصل کرنے

کے لئے اس پر ''غیر اسلامی'' کا لیبل لگا دیں۔

۱۲۳: ہم نے اس اندازِ فکر پر کما حقہ کافی غور کیا، لیکن فاضل مشیرِ عدالت کے پورے احترام کے باوجود ان کی یہ دلیل چند بنیادی نکات کو نظر انداز کرتی نظر آتی ہے۔

۱۲۴: پہلی بات یہ ہے کہ محترم مشیرِ عدالت نے قرآنِ پاک میں رِبا کی جامع مانع تعریف مذکور نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت قرار دیا ہے۔ یہ دلیل اس مفروضے پر قائم ہے کہ وہ تمام اُمور جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے، ان کی کوئی تعریف قرآن میں موجود ہے، اور صرف رِبا کی صورت میں قرآنِ پاک نے دانستہ اس کی تعریف ذکر نہیں فرمائی۔ اس کے برعکس صورتِ حال یہ ہے کہ قرآن شاید ہی کسی حرام کام کی کوئی تعریف ذکر کرتا ہو، قرآن میں نہ شراب کی تعریف مذکور ہے، نہ زنا کی، نہ چوری کی، نہ ڈاکے کی، یہاں تک کہ کفر کی بھی کوئی تعریف مذکور نہیں، اسی طرح قرآن میں اَوامر مثلاً نماز، روزہ، حج اور جہاد کی تعریف مذکور نہیں ہے، اب کیا ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ ان تصورات میں سے کوئی بھی کوئی مخصوص مطلب نہیں رکھتا، اور اس وجہ سے یہ تمام اَحکامات زمان، مکان کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ قرآنِ کریم نے درحقیقت ان تصورات کی کوئی قانونی تعریف اس لئے نہیں دی کیونکہ ان کے معانی خود اتنے زیادہ واضح تھے کہ وہ محتاجِ وضاحت نہیں تھے، اس بات کا امکان ہے کہ ان تصورات کی کچھ ذیلی تفصیلات بہت زیادہ واضح نہ ہوں اور وہ اختلافِ آراء کا سبب بن رہی ہوں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کے بنیادی تصور ہی کو خلا میں تیرتا چھوڑ دیا گیا ہے جن کا کوئی مخصوص مفہوم ہے ہی نہیں۔

۱۲۵: دُوسرے یہ کہ محترم قانونی مشیرِ عدالت نے مندرجہ بالا اقتباس کے خط کشیدہ جملوں میں صحت مند اقتصادی پالیسی کی بڑے اختصار اور جامعیت کے ساتھ وضاحت فرمائی ہے، کوئی بھی شخص اس کی سچائی کا بمشکل ہی انکار کرسکتا ہے، تقریباً تمام معاشی نظام انہی مقاصد کے حصول کی کوششوں کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ انہیں حاصل کیسے کیا جائے؟ اس سوال کے جواب نے ہی مختلف معاشی نظاموں کو ایک دُوسرے کے مدِمقابل لا کھڑا کیا ہے، محترم ایڈووکیٹ نے یہ مشورہ دیا ہے کہ اسلامی ذہنیت کو معاشی پروگرام سے الگ نہیں کرنا چاہئے، یہ مشورہ کافی معقول معلوم ہوتا ہے لیکن جب یہ مشورہ اس سیاق و سباق میں دیا جارہا ہے کہ رِبا کی تعریف کو متعین نہ کیا جائے اور ایسے اُصول پروان چڑھائے جائیں جو زمان، مکان کے حالات میں ظلم کی شناخت کرسکیں تو اس کا کھلا مطلب یہ ہے کہ ظلم کی شناخت اور نتیجتاً حلال و حرام کے فیصلے میں حتمی کردار ''معاشی اندازِ فکر'' ہی ادا کرے گا۔ اگر یہ مفروضہ تسلیم کرلیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا ''معاشی اندازِ فکر''؟ اس

وقت بے شمار معاشی نظریات میدان میں ہیں جو ایک دُوسرے سے برسرِ پیکار ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اس ''صحت مند معاشی پالیسی'' کے لئے دُوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے جو ''ساری آبادی کی معاشی فلاو بہبود'' کو بہتر بنا سکے۔

ایک فلاحی معیشت کے بنیادی مقاصد ہر اس شخص کو تسلیم ہیں جو معاشی موضوعات پر کچھ بھی سوچ بچار کرتا ہو، لیکن ان مقاصد کو حقیقت کا رُوپ دینے کے لئے حکمتِ عملی کیا ہو؟ یہ بات ہے جو بڑے اختلافات پیدا کرتی ہے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے اسلام کی حکمتِ عملی اتنی تنگ نہیں ہے کہ وہ انسانیت کی سدابدلتی ہوئی ضروریات کا خیال نہ رکھ سکے، نہ وہ اتنی متعصب ہے کہ وہ کسی نئی فکر کے ساتھ چل نہ سکے، لیکن ساتھ ہی وہ جدید نظریات کی اتنی محتاج بھی نہیں ہے کہ مذکورہ مقاصد کے حصول کے لئے اپنا راستہ خود بنانے کے قابل نہ ہو۔ اسلام کے لئے کسی بھی تعمیری تجویز کو خوش آمدید کہنا کوئی مسئلہ نہیں ہے، خواہ وہ تجویز کسی بھی طرف سے آئی ہو، لیکن ساتھ ہی اسلام کے کچھ اپنے اُصول ہیں جن پر کوئی مصالحت نہیں ہوسکتی، کیونکہ وہ خدائی رہنمائی پر مبنی ہیں، اور یہ بات اسلامی معیشت کی ایسی بنیادی خصوصیت ہے جو اسلامی اور لادینی معیشت کے درمیان واضح خطِ امتیاز کھینچتی ہے، ربا کی حرمت انہی بنیادی اُصولوں کا ایک حصہ ہے، لہٰذا اس اُصول کو لادینی معاشی پالیسی کے رحم وکرم پر چھوڑ دینا، گھوڑے کے آگے چھکڑا جوتنے کے مترادف ہے۔

۱۲۶: تیسرے یہ کہ ظلم کو ختم کرنا صرف ربا ہی کی حرمت کا سبب اور حکمت نہیں ہے، بلکہ یہی حکمت بیشتر ایسے اسلامی اَحکام کی بھی ہے جو کاروبار اور تجارت سے متعلق ہیں۔ قرآن وحدیث نے ان معاملات میں جب بھی کوئی اَوامر ونواہی عطا فرمائے ہیں تو ان اَحکام کے بارے میں انہوں نے لوگوں کے عقلی تخمینوں پر اعتماد نہیں کیا، اور نہ ہی انہوں نے ان معاملات کو انسانی عقل کے رحم وکرم پر چھوڑا کہ وہ خود فیصلہ کریں کہ اس میں ظلم ہے یا نہیں؟ اگر قرآنِ پاک اور سنت اس قسم کا فیصلہ انسانی عقل کے سپرد کردیتے تو پھر اَحکامات اور حرمات کی اس قدر طویل فہرست بذریعۂ وحی فراہم نہ کی جاتی، بلکہ صرف اتنا حکم دے دیا جاتا کہ تم لوگ اپنے معاملات میں ظلم سے بچو۔ قرآن وسنت اس حقیقت سے باخبر تھے کہ انسانی عقل اپنی وسیع قابلیتوں کے باوجود حق بات تک رسائی کی غیرمحدود صلاحیت کا دعویٰ نہیں کرسکتی، ان سب قابلیتوں کے باوجود اس کی کچھ حدود ہیں کہ جن کے پار وہ یا تو صحیح طریقے سے کام نہیں کرسکتی یا وہ کسی غلطی کا شکار ہوجاتی ہے، انسانی زندگی کے بہت سے حصے ایسے ہیں جہاں اکثر ''خواہشات'' پر ''عقل'' کا دھوکا ہوجاتا ہے، اور جہاں پر غیرصحت مند جبلّتیں عقلی دلائل کے لبادے میں انسانیت کو غلط راہ دکھاتی ہیں، اور غیرمنصفانہ کاموں کو انصاف کی پُرفریب شکل میں

ظاہر کر کے پیش کرتی ہیں، یہی وہ جگہیں ہیں جہاں پر انسانی عقل کو وحیٔ الٰہی کی ضرورت ہوتی ہے، اور یہی وحیٔ الٰہی فیصلہ کرتی ہے کہ کون سا انسانی رویہ حقیقت میں ظلم کی حدود میں آتا ہے؟ چاہے وہ بات لادینی فلسفیوں کو صحیح اور مبنی بر انصاف نظر آتی ہو، بالکل اسی موقع پر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک مخصوص حکم آ جاتا ہے جو متضاد نظریات کی طرف سے دیئے ہوئے عقلی دلائل پر فوقیت رکھتا ہے۔ بالکل یہی صورتِ حال رِبا کے معاملے کے ساتھ بھی پیش آئی کہ لادین فلسفی اپنے اس نظریے پر بالکل مطمئن تھے کہ سود بالکل برحق اور مبنی بر انصاف ہے، کیونکہ وہ آمدنی جو سود کے ذریعے کماتے ہیں وہ اس آمدنی کے بالکل مشابہ ہے جو وہ خرید و فروخت کے ذریعے کماتے ہیں، چنانچہ انہوں نے رِبا کی حرمت کی مخالفت اسی دلیل کی وجہ سے کی جس کا ذکر قرآنِ پاک میں ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا. (۱)

ترجمہ: خرید و فروخت تو رِبا کی مانند ہے۔

۱۲۷: ان کا مقصد یہ تھا کہ اگر عقدِ بیع میں کسی قسم کے نفع کا مطالبہ صحیح اور مبنی بر انصاف ہے تو اس بات کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ عقدِ قرض میں سود کے مطالبے کو ناجائز اور ظلم کہا جائے۔ ان کی اس دلیل کے جواب میں قرآنِ پاک خالص منطقی انداز میں رِبا اور نفع کا فرق واضح کر سکتا تھا، اور یہ بھی واضح کر سکتا تھا کہ بیع کے اندر نفع کیوں صحیح ہے اور عقدِ قرض میں رِبا کیوں صحیح نہیں ہے؟ قرآنِ کریم معیشت پر رِبا کے بُرے اثرات کھول کر بیان کر سکتا تھا، لیکن یہ طریقۂ استدلال ترک کر دیا گیا، اور قرآنِ پاک میں اس کا آسان اور مختصر جواب مندرجہ ذیلہ جملے میں دے دیا گیا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور رِبا کو حرام قرار دیا ہے۔

۱۲۸: اس آیت میں جو اشارہ دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ سوال کہ آیا یہ معاملات اپنے اندر ظلم کا عنصر رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس کا فیصلہ صرف انسانی عقل پر نہیں چھوڑا گیا، کیونکہ مختلف افراد کی عقل مختلف جواب پیش کر سکتی ہے، اور خالص عقلی دلائل کی بنیاد پر کسی ایسے نتیجے تک نہیں پہنچا جا سکتا جو عالمگیر اطلاق کا حامل ہو، اسی لئے صحیح اصول یہ ہے کہ ایک مرتبہ اگر ایک مخصوص معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام قرار دے دیا جائے تو پھر اس میں صرف عقلی وجوہات سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم اور حکمت ان حدود سے ماوراء ہے جہاں تک انسانوں کی عقل کی پہنچ ہے۔

(۱) ۲:۲۷۵۔ (۲) ۲:۲۷۵۔

اگر انسانی عقل ہر مسئلے پر ایک صحیح اور متفق علیہ فیصلہ پر پہنچنے کے قابل ہوتی تو پھر اس کے واسطے کسی خدائی وحی کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ انسانی معاملات سے متعلق بہت سے ایسے معاملات ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی مخصوص حکم نازل نہیں فرمایا، یہی وہ جگہ ہے کہ جہاں پر انسانی عقل اپنا کردار خوب اچھی طرح ادا کرسکتی ہے، لیکن اس پر یہ بوجھ ڈالنا دُرست نہیں کہ وہ صریح خدائی اَحکام کے حریف کا کردار ادا کرے۔

۱۲۹: رِبا کے سیاق میں ظلم کا حوالہ دینے والی آیتِ قرآنیہ کو اسی تناظر میں پڑھنا چاہئے، اس آیت کے الفاظ یہ ہیں:

وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ. (۱)

ترجمہ: اور اگر تم رِبا کا دعویٰ کرنے سے توبہ کرو تو تمہارے واسطے صرف اصل سرمایہ ہے، نہ تم ظلم کرو، اور نہ تمہارے اُوپر ظلم کیا جائے۔

۱۳۰: ظلم کا حوالہ دینے سے قبل، آیتِ قرآنیہ نے ایک اُصول بیان فرمایا کہ کوئی شخص بھی رِبا سے توبہ کا اس وقت تک دعویٰ نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ اصل سرمایہ پر ملنے والا سود چھوڑنے کا اعلان نہ کردے، تاہم وہ اپنے اصل سرمایہ کے واپس ملنے کا پورا پورا حق دار ہے، اور اس کا مقروض اسے پوری قرضے کی رقم واپس کرنے پر مجبور ہے، اب اگر وہ مقروض اصل سرمایہ ادا نہیں کرتا تو وہ قرض خواہ کے خلاف ناانصافی کر رہا ہے، اور اگر قرض خواہ مقروض سے اپنے قرضے کے اُوپر مزید رقم کا مطالبہ کر رہا ہے تو پھر وہ مقروض پر ظلم کر رہا ہے۔

۱۳۱: اس طرح قرآنِ پاک نے ظلم کے ہونے یا نہ ہونے کا تعین کرنے کا کام فریقین کے اُوپر نہیں چھوڑا، بلکہ قرآنِ پاک نے بذاتِ خود قرضے کے معاملات میں اس بات کو متعین فرمادیا کہ کون سی صورت کس کے واسطے ظلم ہے؟ اس لئے یہ کہنا کہ رِبا کے مختلف معاملات کی حلت کا اندازہ انسانی عقل کے فیصلے کی بنیاد پر کیا جائے گا، یہ بات وحی کے مقصد کو فوت کرنے کے مترادف ہوگی، لہٰذا ناقابلِ قبول ہے۔

رِبا کی حرمت کی حکمت

۱۳۲: اب ہم اس دلیل کے دُوسرے حصے کی طرف آتے ہیں جو یہ کہتا ہے کہ بینکوں کے تجارتی انٹرسٹ میں ظلم کا عنصر موجود نہیں ہے۔

(۱) ۲:۲۷۹۔

۱۳۴: مندرجہ بالا تفصیل کی روشنی میں چونکہ قرآنِ کریم نے بذاتِ خود فیصلہ فرمادیا ہے کہ قرض کے معاملے میں ظلم کب پایا جاتا ہے؟ لہٰذا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص رِبا کے معاملے میں ظلم کے تمام اجزاء ضرور تلاش ہی کرلے، تاہم رِبا کے اثراتِ بد سابقہ دور میں کبھی اتنے واضح نہ تھے جتنے کہ اب ہیں، انفرادی مہاجنی یا صَرفی سود میں صرف مقروض کے ساتھ ظلم ہوتا تھا، لیکن موجودہ تجارتی سود کے اثراتِ بد پوری معیشت پر پڑتے ہیں، حرمتِ رِبا کی حکمتیں تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے لئے باقاعدہ ایک الگ جلد چاہئے، لیکن ہم مختصراً بیان کرنے کے لئے اس موضوع کو تین پہلوؤں میں محدود کردیتے ہیں:

۱: حرمت کا فلسفہ نظریاتی سطح پر۔

۲: پیدائشِ دولت پر سود کے بُرے اثرات۔

۳: خالص نظریاتی سطح پر ہم دو بنیادی مسائل پر بنیادی توجہ دیں گے، پہلے روپے کی ماہیت پر اور پھر دُوسرے نمبر پر قرضے کے معاملے کی ماہیت پر۔

روپے کی ماہیت

۱۳۵: ایک غلط تصور جس پر تمام سودی نظریات کی بنیاد ہے، وہ یہ ہے کہ نقدی کو سامان (جنس) کا درجہ دے دیا گیا ہے، اسی لئے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ جس طرح سامان کو اپنی اصل لاگت سے زائد نفع پر فروخت کیا جاسکتا ہے، اسی طرح نقدی کو بھی اس کی قیمتِ اسمیہ سے زائد پر فروخت کیا جانا چاہئے، یا جس طرح کوئی شخص اپنی جائیداد کو کرایہ پر چڑھا سکتا ہے اسی طرح وہ نقدی کو بھی کرایہ پر دے کر ایک مخصوص اور متعین سود یا کرایہ کما سکتا ہے۔

۱۳۶: اسلامی اُصول اس نقطۂ نظر کی حمایت نہیں کرتے، نقدی اور جنس (سامان) میں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بڑا فرق ہے، اس لئے اسلام میں دونوں کے ساتھ معاملہ بھی الگ الگ کیا گیا ہے، نقدی اور سامان کے درمیان بنیادی فرق درج ذیل طریقوں سے واضح کیا جاسکتا ہے:

(۱) نقدی کا اپنا کوئی ذاتی فائدہ اور استعمال نہیں ہے، اسے انسانی ضروریات پورا کرنے کے لئے بلاواسطہ استعمال نہیں کیا جاسکتا، اسے صرف کچھ سامان یا خدمات حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اس کے برعکس سامان کی اپنی افادیت ہوتی ہے، اسے ذریعۂ مبادلہ بنائے بغیر بھی استعمال کرکے فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے۔

(۲) اشیاء یا سامان مختلف اوصاف کے ہوسکتے ہیں، جبکہ نقدی میں اوصاف کا کوئی اعتبار

نہیں ہوتا، نقدی کے تمام اجزاء برابر مالیت کے سمجھے جاتے ہیں، مثلاً ایک ہزار روپے کا میلا کچیلا اور پرانا نوٹ وہی مالیت رکھتا ہے جو کہ بالکل نیا نویلا ایک ہزار روپے کا نوٹ رکھتا ہے۔

(۳) سامان کی خرید وفروخت کسی متعین اور شناخت شدہ چیز سے متعلق ہوتی ہے، مثلاً زید بکر سے ایک کار اشارے کے ذریعے متعین کر کے خریدتا ہے، تو اب زید اُسی کار کے لینے کا حق دار ہے جو اشارہ کر کے متعین کی گئی تھی، بیچنے والا اسے کوئی دُوسری کار لینے پر مجبور نہیں کر سکتا، خواہ وہ انہی خصوصیات کی حامل ہو۔

اس کے برخلاف رقم کسی خرید وفروخت کے معاملے میں اشارے کے ذریعہ متعین نہیں کی جاسکتی، مثلاً زید نے بکر سے ایک چیز ایک ہزار کا مخصوص نوٹ دِکھلا کر خریدی، جب ایک ہزار کی ادائیگی کا وقت آیا تو اسے اختیار ہے کہ وہ اس کی جگہ کوئی دُوسرا ایک ہزار کا نوٹ بکر کو دے دے۔

۱۳۷: مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر شریعتِ اسلامیہ نے خصوصاً مذکورہ دو باتوں میں نقدی کا حکم سامان سے الگ رکھا ہے۔

۱۳۸: پہلا یہ کہ ایک ہی جنس کی نقدی کو تجارت کا موضوع نہیں بنایا، بلکہ اس کے استعمال کو اس کے بنیادی مقصد تک محدود کر دیا گیا ہے، اور وہ بنیادی مقصود یہ ہے کہ وہ ذریعۂ تبادلہ (Medium of Exchange) یا قدر کی پیائش (Measure of Value) کے طور پر کام کرے۔

۱۳۹: اگر استثنائی حالات میں نقدی کا تبادلہ نقدی سے کرنا ہی پڑے یا اسے قرض لیا جا رہا ہو تو دونوں طرف کی ادائیگی برابر ہونی چاہئے تا کہ اسے اس کے لئے استعمال نہ کیا جا سکے جس کے واسطے اسے نہیں بنایا گیا، یعنی خود نقدی کی تجارت کرنا۔

۱۴۰: اسلامی تاریخ کے مشہور فقیہ اور فلسفی امام غزالیؒ (متوفی ۵۰۵ھ) نے نقدی کی ماہیت کے بارے میں اس قدیم زمانے میں تفصیل سے بحث کی جبکہ نقدی کے بارے میں مغربی نظریات وجود میں بھی نہ آئے تھے، وہ فرماتے ہیں:

> درہم اور دینار کی تخلیق خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت ہے، یہ ایسے پتھر ہیں جن کی اپنی ذاتی افادیت نہیں ہے، لیکن تمام انسان اس کے محتاج ہیں، کیونکہ ہر شخص اپنے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے لئے بہت سی اشیاء کا محتاج ہے، اور اکثر اوقات انسان کے پاس وہ اشیاء نہیں ہوتیں جن کی اسے ضرورت ہوتی ہے، اور وہ اشیاء ہوتی ہیں جن کی اسے ضرورت نہیں ہوتی، اسی لئے تبادلے

کے معاملات ضروری ہیں، البتہ ایک ایسا آلۂ پیائش ہونا چاہئے کہ جس کی بنیاد پر قیمت کا تعین کیا جائے، کیونکہ اشیاء کا تبادلہ ایک ہی جنس اور قسم میں نہیں ہوتا، اور نہ ہی ایک پیائش سے ہوتا ہے، کہ وہ متعین کر سکے کہ کتنی مقدار کی ایک شے دُوسری شے کی صحیح قیمت ہے، اسی لئے یہ تمام اشیاء اپنی صحیح قدر جانچنے کے لئے کسی درمیانی واسطے کی محتاج ہیں...... اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی لئے درہم اور دینار کو تمام اشیاء کی قدر جانچنے کے لئے ایک واسطہ بنایا ہے، اور ان کا آلۂ قدر ہونا اس حقیقت پر مبنی ہے کہ وہ بذاتِ خود کوئی سامان نہیں ہیں، اگر وہ بذاتِ خود کوئی سامان ہوتے تو کوئی شخص انہیں رکھنے کا کوئی مخصوص مقصد رکھتا، جو انہیں اس کی نیت کی وجہ سے اہمیت دے دیتا، جبکہ کوئی دُوسرا ان کا کوئی مخصوص مقصد نہ ہونے کی بناء پر انہیں اتنی اہمیت نہ دیتا، جس کی وجہ سے پورا نظام خراب ہو جاتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان گردش کریں اور مختلف اشیاء کے درمیان منصف کا کام دیں، اور وہ دُوسری اشیاء کے تبادلے اور حصول کے لئے ایک ذریعے کا کام دیں، چنانچہ جو شخص ان کا مالک ہے گویا وہ ہر چیز کا مالک ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی شخص ایک کپڑے کا مالک ہے تو وہ صرف ایک کپڑے کا مالک ہے، اسی لئے اگر اسے غذا کی ضرورت ہے تو اس بات کا امکان ہے کہ غذا کا مالک اپنی غذا کو اس کے کپڑے سے تبادلہ کرنے میں کوئی دِلچسپی نہ رکھتا ہو، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مثال کے طور پر اسے کپڑے کے بجائے جانور کی ضرورت ہو۔ اسی لئے کسی ایسی چیز کی ضرورت تھی کہ جو بظاہر خود کچھ نہ ہو لیکن اپنی رُوح کے لحاظ سے سب کچھ ہو، ایک ایسی شے جو کوئی مخصوص شکل نہیں رکھتی، دُوسری اشیاء کی نسبت سے مختلف شکلیں رکھ سکتی ہے، مثلاً آئینہ جس کا اپنا کوئی رنگ نہیں ہوتا لیکن وہ ہر رنگ کی عکاسی کرتا ہے، بالکل یہی حال نقدی کا بھی ہے، کہ وہ بذاتِ خود کوئی سامان یا شے نہیں ہے، لیکن یہ ایسا آلہ ہے جو تمام اشیاء کے حصول کا سبب بنتا ہے

چنانچہ اگر کوئی شخص جو نقدی کو اس طرح استعمال کر رہا ہو جو کہ اس کے بنیادی مقصد کے خلاف ہو تو وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کی ناشکری کر رہا ہے،

نتیجتاً اگر کوئی شخص نقدی کی ذخیرہ اندوزی کر رہا ہے تو وہ اس کے ساتھ ناانصافی اور اس کے بنیادی مقصد کو تلف کر رہا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حاکم کو قید خانے میں بند کر دے۔

اور جو شخص نقدی پر سودی معاملات کرتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کو ٹھکرا رہا ہے اور ناانصافی کر رہا ہے، کیونکہ نقدی کو دُوسری اشیاء کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ خود اپنے لئے۔ چنانچہ جو شخص نقدی کی تجارت کر رہا ہے تو اس نے اس کو ایک شے یا سامان بنا دیا ہے جو کہ اس کی اصل خلقت کی حکمت کے خلاف ہے، کیونکہ یہ ناانصافی ہے کہ پیسے کو اس مقصد کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کیا جائے کہ جس کے واسطے اسے پیدا کیا گیا، اب اگر اسے اس بات کی اجازت دے دی جائے کہ وہ پیسے کی تجارت کرے تو پیسہ ہی اس کا آخری مقصد بن جائے گا، اور وہ اسی کے پاس ذخیرہ شدہ نقدی کی مانند پڑا رہے گا، اور حاکم کو قید کرنا یا ایلچی کو پیغام دینے سے روکنا ظلم کے سوا کچھ نہیں۔ (۱)

۱۴۱: نقدی کی حقیقت کے بارے میں امام غزالیؒ کا یہ مختصر مگر جامع تجزیہ جو نوسو سال پہلے کیا گیا تھا، وہ معاشی مفکرین صحیح تسلیم کر رہے ہیں جو ان کے کئی صدیوں بعد آئے ہیں، اس بات پر کہ پیسہ صرف آلۂ تبادلہ اور آلۂ پیمائش قدر ہے، پوری دُنیا کے تمام معاشی مفکرین کا اجماع نظر آتا ہے، لیکن بدقسمتی سے بہت سے معاشی مفکرین اس تصور کے اس منطقی نتیجے تک پہنچنے میں ناکام رہے، جو امام غزالیؒ نے اتنی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، یعنی یہ کہ پیسہ کی سامان کی طرح تجارت نہیں کرنی چاہئے، روپے کو جنس (عروض) قرار دے کر موجودہ معیشت دان اس قدر پریشان کن مسائل میں گرفتار ہو چکے ہیں کہ جن سے چھٹکارا پانا ناممکن ہے، عروض کی عموماً دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں، ان میں سے پہلی کو صَرفی اشیاء اور دُوسری اعلیٰ قسم کو پیداواری اشیاء کہا جاتا ہے، چونکہ نقدی بذاتِ خود اپنی کوئی افادیت نہیں رکھتی، لہٰذا اسے صَرفی اشیاء میں تو شامل نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا بہت سے معاشی مفکرین کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ اسے پیداواری اشیا میں شامل کرتے، لیکن اسے پیداواری اشیاء میں

---

(۱) یہ امام غزالی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب ''احیاء العلوم'' ج:۴، ص:۸۸، طبع قاہرہ، ۱۹۳۹ء کی ایک مفصل بحث کا ملخص ترجمہ ہے، انہوں نے اس بات کو مزید بیان فرمایا ہے کہ نقدی کی خرید و فروخت کی حرمت کا اطلاق صرف اس وقت ہوگا جب وہ ایک جنس کی ہو، البتہ مختلف کرنسیوں میں یہ جائز ہے، انہوں نے ان دونوں صورتوں کے درمیان فرق بھی بیان فرمایا ہے۔

شامل کرنے کے ثبوت پر منطقی دلائل پیش کرنا انتہائی مشکل کام ہے، موجودہ صدی کا مشہور معیشت دان لڈوِگ وان مائسیس نے اس موضوع پر تفصیلی اظہارِ خیال کیا ہے، وہ کہتا ہے:

> آخر کار اگر ہم معاشی اشیاء کو صرف دو اقسام پر منحصر کر دیں تو پھر ہمیں نقدی کو ان دونوں میں سے کسی ایک قسم میں شامل کرنا پڑے گا، یہی صورتِ حال اکثر معیشت دانوں کی ہے اور چونکہ یہ بالکل ناممکن نظر آتا ہے کہ نقدی کو صَرفی اشیاء میں شمار کیا جائے، لہٰذا اسے پیداواری اشیاء میں شمار کرنا پڑے گا۔(1)

۱۴۲: اس نقطۂ نظر پر بہت سے دلائل ذکر کرنے کے بعد مصنفِ مذکور اپنا درج ذیل تبصرہ فرماتے ہیں:

> یہ بات سچ ہے کہ بہت سے معیشت دانوں نے نقدی کو پیداواری اشیاء میں شمار کیا ہے، لیکن ان سب کے باوجود ان کے دلائل غلط ہیں، کسی نظریے کا ثبوت خود اس کی عقلی وجوہات پر ہوتا ہے، نہ کہ اس کی پشت پناہی پر، اور ان تمام مقتداؤں کے پورے احترام کے ساتھ یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ اس معاملے میں اپنے نقطۂ نظر کو صحیح طرح سے ثابت نہیں کر سکے ہیں۔

۱۴۳: آخر کار انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اس نقطۂ نظر کے تحت وہ اشیاء جو نقدی کہلاتی ہیں درحقیقت بقول آدم اسمتھ کے مردہ اشیاء ہیں، جو کچھ بھی تیار (Produce) نہیں کرتیں۔

۱۴۴: مصنف مذکور نے اپنا رُجحان ''کین'' (Kien) کے نظریے کی طرف ظاہر کیا ہے کہ نقدی نہ تو صَرفی اشیاء میں داخل ہے، اور نہ ہی پیداواری اشیاء میں، بلکہ یہ درحقیقت تبادلہ کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے۔

۱۴۵: اس تحقیق کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نقدی کو ایسا آلہ نہیں سمجھنا چاہئے جو روزانہ پیداوار کی بنیاد پر مزید نقدی پیدا کرے، اور نہ اسے اس وقت قابلِ تجارت چیز سمجھنا چاہئے، جبکہ اس کو اسی جنس کی کسی دُوسری نقدی کے ساتھ مبادلہ کیا جا رہا ہو، کیونکہ جب ایک مرتبہ یہ بات تسلیم کی جا چکی ہے کہ نقدی نہ تو صَرفی اشیاء میں داخل ہے اور نہ ہی پیداواری اشیاء میں داخل ہے، بلکہ وہ صرف آلۂ تبادلہ ہے، تو پھر اسے قابلِ نفع تجارتی شے بنانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ صلح کرانے والا یا فیصلہ کرنے والا از خود ایک فریق بن بیٹھا، لیکن شاید کہ سودی مالیاتی نظام کے بہت زیادہ

(1) Ludwig Von Misses: "The theory of Money and Credit" Liberty Classic Indianapolis, 1980, P. 95.

رائج ہونے کی وجہ سے اکثر معیشت دان مزید اس رُخ کی طرف نہیں چلے۔

۱۴۶: دُوسری طرف امام غزالیؒ نے آلۂ تبادلہ ہونے کے تصور کو اپنے منطقی انجام تک پہنچا دیا، چنانچہ انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ جب ایک نقدی کو دُوسری اس جنس کی نقدی سے تبادلہ کیا جائے تو پھر اُسے کبھی بھی نفع پیدا کرنے والا آلہ نہیں سمجھنا چاہئے۔

۱۴۷: قرآنِ کریم اور سنت کے واضح احکامات کی تائید کے ساتھ امام غزالیؒ کے اس نقطۂ نظر کو اُن معاشروں کے حقیقت پسند اسکالرز اور محققین نے بھی تسلیم کیا ہے جہاں پر سود کا غلبہ ہے، ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے اُس مالیاتی نظام کی بدحالی کا سامنا کرنے کے بعد جو نقدی کی تجارت پر مبنی تھا، اس بات کو تسلیم کرلیا کہ ان کی معاشی بدحالی کی وجہ بشمول اور وجوہات کے یہ تھی کہ وہاں نقدی کا استعمال اپنے بنیادی فعل یعنی آلۂ تبادلہ ہونے تک محدود نہ تھا۔

۱۴۸: ۱۹۳۰ء کی خوفناک کساد بازاری کے دوران جنوری ۱۹۳۳ء میں ساؤتھ ہمپٹن کے ایوانِ تجارت نے معاشی بحران کی ایک کمیٹی تشکیل دی، کمیٹی دس ارکان پر مشتمل تھی، جس کی صدارت E. Denis Mandi کر رہے تھے، اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں ان بنیادی وجوہات کی نشاندہی کی ہے جو قومی اور بین الاقوامی معاشی بدحالی اور بحران کا سبب بنی تھیں، اور ان مسائل پر قابو پانے کے لئے مختلف تجاویز پیش کی ہیں، اس میں انہوں نے موجودہ مالیاتی نظام کے اندرونی خطرات کا تذکرہ کرنے کے بعد اپنی کمیٹی کی تجاویز میں سے ایک تجویز یہ بھی دی کہ:

> اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ نقدی آلۂ تبادلہ وتقسیم کی اپنی حقیقی ذمہ داری صحیح طرح ادا کر رہی ہے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عروض اور اشیاء کے طور پر تجارت بالکل بند کردی جائے۔(1)

۱۴۹: نقدی کی یہ حقیقی ماہیت جس کو مالیاتی نظام کے بنیادی اُصول کے طور پر تسلیم کیا جانا چاہئے تھا، کئی صدیوں تک نظر انداز کی جاتی رہی، لیکن اب موجودہ معیشت دان بڑی تیزی کے ساتھ اس نظریے کو تسلیم کر رہے ہیں، چنانچہ پروفیسر جان گرے (آکسفورڈ یونیورسٹی) اپنی حالیہ تحقیقی کتاب "False Dawn" (جھوٹی صبح) میں درج ذیل تبصرہ کرتے ہیں:

> سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ غیر ملکی کرنسی کے تبادلے کی مارکیٹ کی مالیت

(1) The report of Economic Crises Committee "Southampton Chamber of Commerce, 1933 part 3, (iii) Para 2, (with thanks to Mr. P. M Pidcock. Director Institute of Rational Economic, who very kindly provided us with a copy of the report.)

۲ء۱ ٹریلین ڈالرز روزانہ کی حیرت ناک حد تک پہنچ چکی ہے، جو کہ دُنیا کی تجارت کی سطح سے ۵۰ گنا زائد ہے، ان میں سے تقریباً ۹۵ فیصد معاملات سٹے کی نوعیت کے ہیں، ان میں سے بہت سے فیوچرز (مستقبلیات) اور اوپشنز (خیارات) پر مبنی تمویلی معاملات سے متعلق ہیں، مائیکل البرٹ (Michael Albert) کے مطابق غیر ملکی کرنسی کے تبادلے کے معاملات کے روزانہ سودے تقریباً ۹۰۰ بلین امریکی ڈالرز ہیں جو کہ فرانس کی سالانہ مجموعی پیداوار کے مساوی ہے، اور ساری دُنیا کے مرکزی بینکوں کے مجموعی زرِمبادلہ کے ذخائر سے دوسو ملین ڈالرز زیادہ ہے۔

یہ تمویلی معیشت بنیادی اور حقیقی معیشت کو نقصان پہنچانے کا بہت بڑا خدشہ رکھتی ہے، جیسا کہ ۱۹۹۵ء میں برطانیہ کے قدیم ترین بینک بارنگس (Barings) کے زوال کا مشاہدہ کیا جا چکا ہے۔(1)

برسبیل تذکرہ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ مشتقات(۲) (Derivatives) کا حجم جان گرے (John Gray) نے روزانہ معاملات کی بنیاد پر بیان کیا ہے، تاہم اس کی مجموعی مالیت بہت زیادہ ہے، رچرڈ تھامس نے اپنی کتاب "Apocalypse Roulette" میں درج ذیل بات بیان کی ہے:

تمویلی مشتقات جن کی ابتداء ۱۹۷۰ء میں ہوئی تھی ان کی ۱۹۹۶ء تک کی صنعت ۶۴ ٹریلین امریکی ڈالرز تک پہنچ چکی تھی، آپ اتنے بڑے عدد کا کیسے تصور کر سکتے ہیں؟ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر آپ ان تمام ڈالرز کو ایک سرے سے دُوسرے سرے تک پھیلا دیں تو یہ یہاں سے سورج تک کے فاصلے کا ساٹھ گنا زیادہ فاصلہ ہے، یا یہاں سے چاند تک پچیس ہزار نو سو (۲۵۹۰۰) گنا زیادہ فاصلہ ہوگا۔

---

(1) John Gray, False Dawn: The Delusions of capitalism Grunte Books, London, 1998. P. 62, based on Wall Street Journal 24 October 1995. Bank of international Settlements, annual reports 1995 and Michael Albert Capitalism- original capitalism, London Whurr Publishers 1993 P. 188.

(۲) ان سے مراد ایسے دستاویزات سرٹیفکیٹس ہوتے ہیں جن کی پشت پر سوائے چانس یا حق کے کچھ نہیں ہوتا۔

۱۵۰: جیمس رابرٹسن اپنی آخری تصنیف (Transforming Economic Life") میں لکھتے ہیں:

> آج کا مالیاتی اور تمویلی نظام ظالمانہ تجزیاتی طور پر تباہ کن اور معاشی لحاظ سے نامکمل ہے، "نقد کو لازماً بڑھنا ہوگا" کا حکم پیداوار (اور پھر صَرف) کو ضرورت سے اُونچی سطح تک لے جاتا ہے، یہ معاشی کاوشوں کا رُخ مال سے مال کی طرف اور حقیقی خدمات اور اشیاء مہیا کرنے کے خلاف موڑ دیتا ہے...... یہ عالمگیر پیمانے پر مفید اشیاء اور خدمات فراہم کرنے کی کاوشوں کا رُخ روپے سے روپے بنانے کی طرف موڑ دیتا ہے، کئی بلین ڈالرز کے معاملات کا پچانوے فیصد روزانہ دُنیا کے اردگرد صرف ایسے تمویلی معاملات کی خاطر منتقل ہوتا ہے جس کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ (1)

۱۵۱: یہ وہی بات ہے جو اَب سے ٹھیک نو سو سال قبل امام غزالیؒ نے فرمائی تھی، اس قسم کی غیر فطری تجارت کے اثراتِ بد کا مزید تذکرہ امام غزالیؒ نے ایک دُوسری جگہ ان الفاظ میں فرمایا ہے:

> رِبا کو اس لئے حرام قرار دیا گیا ہے کہ یہ لوگوں کو حقیقی معاشی سرگرمی کرنے سے روکتا ہے، کیونکہ جب ایک مال دار شخص کو اُدھار یا نقد سود پر روپے کمانے کی اجازت دی جائے گی تو پھر اس کے لئے بغیر معاشی جدوجہد کی کلفتوں کے روپے کمانا آسان ہو جائے گا، اور یہ انسانیت کے حقیقی مفاد کے خلاف ہوگا، کیونکہ انسانیت کے مفاد کا تحفظ حقیقی تجارتی قابلیت صنعت کاری اور تعمیر کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ (۲)

۱۵۲: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام غزالیؒ نے اس ابتدائی زمانے میں ہی ایسے مالیاتی حقائق کی نشاندہی فرما دی تھی جو پیداوار پر مسلط ہو کر روپے کی رسد اور حقیقی اشیاء کی رسد کے درمیان فرق (Gap) پیدا کرتے ہیں، جس کو متأخرین (بعد کے زمانے والے) افراطِ زَر کے بنیادی سبب کے طور پر بیان کرتے ہیں، یہ خطرناک نتیجہ روپے کی تجارت کی وجہ سے نکلتا ہے، جیسے پیچھے جان گرے اور جیمس رابرٹسن کے اقتباسات میں ذکر کیا گیا ہے، ہم اس پہلو پر ذرا دیر بعد غور کریں گے، لیکن جو بات اس

---

(1) James Robertson, Transforming economic life: A Millenial Challenge, Green Books Devon, 1998.

(۲) الغزالی: احیاء العلوم۔

جگہ پر اہم ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ نقدی آلۂ تبادلہ اور قدر کا پیمانہ ہونے کی وجہ سے پیداواری سامان نہیں بن سکتا، جیسا کہ نظریۂ سود میں فرض کیا گیا ہے کہ یہ روزانہ پیداوار کی بنیاد پر نفع دیتا ہے، یہ درحقیقت ایک "ثالث" ہے، لہٰذا اسے صرف یہی کردار ادا کرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے، اسے نفع بخش سامانِ تجارت قرار دینا پورے مالیاتی نظام کو خراب کر دیتا ہے، اور پورے معاشرے پر اخلاقی و معاشی مفاسد کا ایک ملغوبہ مسلط کر دیتا ہے۔

قرضوں کی اصل

۱۵۳: موجودہ سیکولر سرمایہ داری نظام اور اسلامی اُصولوں کے درمیان ایک اور بنیادی فرق یہ ہے کہ سرمایہ داری نظام میں قرضوں کا مقصد صرف تجارتی ہوتا ہے تاکہ قرضوں کے ذریعے قرض دینے والے ایک متعین نفع کما سکیں۔ اس کے برخلاف اسلام قرضوں کو نفع کمانے کا ذریعہ قرار نہیں دیتا، اس کے بجائے ان کا مقصد یا تو انسانیت کی بنیاد پر دوسروں کی مدد کر کے ثواب کمانا ہوتا ہے یا پھر کسی محفوظ ہاتھ میں اپنی رقم کو محفوظ کرنا ہوتا ہے۔ جہاں تک سرمایہ کاری کا تعلق ہے، اسلام میں اس کے لئے دُوسرے طریقے ہیں مثلاً شرکت وغیرہ، لہٰذا قرضوں کے عقد کے ذریعے نفع اندوزی نہیں کی جا سکتی۔

۱۵۴: اس نقطۂ نظر کے پیچھے فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص کسی دُوسرے شخص کو قرضہ دیتا ہے اس کے تین مقاصد ہو سکتے ہیں:

(۱) وہ قرضہ صرف ہمدردی کی بنیاد پر دے رہا ہے۔

(۲) وہ مقروض کو قرضہ دُوسرے ہاتھوں میں محفوظ کرنے کے لئے دے رہا ہے۔

(۳) وہ دُوسرے کو اپنا سرمایہ، لینے والے کے نفع میں شرکت کے لئے دے رہا ہے۔

۱۵۵: ابتدائی دو صورتوں میں وہ اپنے اصل سرمایہ کے اُوپر کسی قسم کے بھی نفع کا مستحق نہیں ہے، کیونکہ پہلی صورت میں اس کے قرضہ دینے کا مقصد انسانی ہمدردی تھی، اور دُوسری صورت میں اس کا مقصد اپنی رقم محفوظ کرنا تھا، نہ کہ نفع کمانا۔

۱۵۶: تاہم اگر اس کی نیت لینے والے کے نفع میں شرکت ہے تو پھر اسے نقصان کی صورت میں نقصان میں بھی شریک ہونا پڑے گا، اسے اس کے ساتھ شرکت کا معاملہ کر کے اس کی تجارت میں حصہ دار بننا پڑے گا، اور اس کے نفع نقصان میں انصاف کے ساتھ شریک ہونا پڑے گا۔ اس کے برعکس اگر قرضے کے نفع میں شراکت کا مطلب یہ ہو کہ قرضہ دینے والا تو اپنا نفع یقینی بنا لے لیکن قرض لینے

والے کا نفع تجارت کے حقیقی نتائج پر چھوڑ دے، جس میں اس مقروض کا پورا بزنس تباہ ہو جائے، تو وہ اس کے نقصان کو برداشت نہ کرے، تاہم مقروض کے ذمہ قرض خواہ کو پھر بھی سود دینا پڑے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ کا نفع یا سود بہر حال یقینی ہے، خواہ مقروض کو تباہ کن نقصان ہی کیوں نہ اُٹھانا پڑے، یہ بات صراحۃً ظلم اور ناانصافی ہے۔

۱۵۷: اس کے برعکس اگر مقروض کی تجارت خوب نفع کمائے تو اس صورت میں قرض دینے والے کو مناسب حصہ ملنا چاہئے، لیکن موجودہ سودی نظام میں تمویل کنندہ کا حصۂ نفع ایک قیمت پر متعین ہوتا ہے، جس کی بنیاد روپے کی طلب و رسد کی طاقتیں ہوتی ہیں نہ کہ وہ حقیقی نفع جو اس تجارت میں ہوا ہے، یہ سودی شرح اس مناسب حصۂ نفع سے بہت کم ہو سکتی ہے جس کا وہ شرکت کی صورت میں مستحق بن سکتا تھا، اس صورت میں نفع کا بیشتر حصہ مقروض کو مل گیا، جبکہ تمویل کرنے والے کو اس تناسب سے بہت کم حصہ ملا، جس تناسب سے اس کی رقم کاروبار میں لگی تھی۔

۱۵۸: اس طرح سود پر تجارت کی فائنانسنگ (تمویل) ایک ناہموار اور غیر عادلانہ فضاء پیدا کرتی ہے، جس میں مذکورہ دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے ساتھ ظلم ضرور ہوتا ہے، یہی وہ حکمت ہے جس کی وجہ سے اسلام نے سودی معاملات کو ناجائز قرار دیا ہے۔

۱۵۹: جب ایک مرتبہ سود ممنوع قرار دے دیا جائے تو تجارتی سرگرمیوں میں قرضوں کا استعمال بہت محدود ہو جاتا ہے، اور تمویل کا پورا ڈھانچہ حصہ داری یا اثاثوں پر مبنی نظام تمویل کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، قرضوں کے استعمال کو محدود کرنے کے لئے شریعت نے صرف انتہائی ضرورت کے وقت قرضے لینے کو جائز قرار دیا ہے، اور اپنے ذرائع سے یا (چادر سے باہر) اور صرف اپنی دولت میں اضافے کی خاطر قرضے لینے سے منع فرما دیا ہے، یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک ایسے شخص کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار فرما دیا تھا، جو مقروض ہونے کی حالت میں مرا تھا۔(۱) یہ واقعہ اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ قرضے لینا کسی بھی انسان کو اپنی روزمرہ زندگی کے معمول کا حصہ نہیں بنانا چاہئے، بلکہ اسے اپنی معاشی زندگی کے مسائل کا آخری حل سمجھنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ سود کو حرام قرار دیا گیا ہے کہ کوئی شخص دُوسرے کو بلاوجہ فضولیاتِ تعیش یا تجارتی منصوبوں کی تکمیل کے واسطے غیر سودی قرضے فراہم کرنے پر راضی نہیں ہوگا، جس کی وجہ سے غیر ضروری اخراجات کے واسطے قرضوں کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس کے برعکس نفع بخش تجارتوں کی تمویل منصفانہ شراکت کی بنیاد پر ڈیزائن کی جائے گی جس کی وجہ سے قرضوں کا عمل دخل ایک تنگ دائرہ تک محدود رہ جائے گا۔

(۱) البخاری: صحیح البخاری، کتاب نمبر ۳۹، باب: ۳، حدیث: ۲۲۹۵۔

۱۶۰: اس کے برعکس اگر ایک بار سود کو جائز قرار دے دیا جائے، اور قرضہ دینا از خود ایک تجارتی صورت اختیار کر جائے، تو پھر پوری معیشت قرضہ میں لپٹی ہوئی معیشت میں بدل جاتی ہے، جو نہ صرف یہ کہ حقیقی معاشی سرگرمیوں پر غالب آجاتی ہے، اور اپنے جھٹکوں کے ذریعے معیشت کے فطری عمل کو نقصان پہنچاتی ہے، بلکہ پوری انسانیت قرضوں کی غلامی میں چلی جاتی ہے، یہ بات کوئی راز نہیں ہے کہ آج تمام اقوامِ عالم بشمول تمام ترقی یافتہ ممالک ملکی اور غیر ملکی قرضوں کے تحت اس حد تک ڈوب چکے ہیں کہ ان میں سے اکثر ممالک پر واجب الادا رقوم ان کی مجموعی آمدنی سے کافی زیادہ ہیں۔ مثال کے طور پر صرف برطانیہ کا اندرونی قرضہ ۱۹۶۲ء میں اس کی مجموعی آمدنی کا ۳۰ فیصد تھا، جو کہ بڑھ کر ۱۹۹۷ء میں اس کی مجموعی آمدنی کا ۱۰۰ فیصد سے بھی زائد ہو گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ برطانیہ کا اندرونی قرضہ جس کا ہر امیر و غریب کو سامنا ہے، اس ملک کی مجموعی سالانہ آمدنی سے زائد ہے۔ صارفین نے اپنی مستقبل کی آمدنی کی بنیاد پر آج قرضے بھی لیے اور خریداریاں بھی کیں، جو کہ ان کی پوری سالانہ آمدنی سے کافی زیادہ ہیں، (1) پیٹر وار برٹسن جن کا شمار انتہائی مؤقر مالیاتی مبصرین میں ہوتا ہے اور جنہوں نے ماضی میں معاشی پیش گوئیوں کا انعام جیتا تھا، وہ ان الفاظ میں اس حالت پر تبصرہ کرتے ہیں:

> The Credit and capital markets have grown too rapidly, with too little transparency and accountability. Prepare for an explosion that will rock the western financial system to its foundation.

> ترجمہ: قرضوں اور بازارِ سرمایہ نے اتنی زیادہ تیزی اور اتنی کم شفافیت اور اتنے کم احتساب کے ساتھ یہ ترقی کی ہے کہ اب ایک ایسے دھماکے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے جو کہ مغربی مالیاتی نظام کو اس کی جڑ سے اُکھاڑ دے گا۔

سود کے مجموعی اثرات

۱۶۱: سودی قرضوں کا دائمی رُجحان یہ ہے کہ وہ مال داروں کو فائدہ اور عام آدمیوں کو نقصان

(1) Source: OECD structural indicators 1996. Bank of England and council for Mortgage lenders statistics as quoted by Michael Rowbortham in "The Grip of Death". Jon Carpenter Publishing, England.

پہنچاتے ہیں، یہ پیدائش دولت، وسائل کی تخصیص اور تقسیمِ دولت پر بھی منفی اثرات لاتے ہیں، ان میں سے چند اثرات ذیل میں درج ہیں:

(الف) وسائل کی تخصیص (Allocation of Resources)

پر اثراتِ بد

۱۶۲: موجودہ بینکاری نظام میں قرضے زیادہ تر ان لوگوں کو دیئے جاتے ہیں جو مال و دولت کے لحاظ سے خوب مضبوط ہوتے ہیں اور وہ ان قرضوں کے لئے آسانی کے ساتھ رہن (Collatoral) مہیا کر سکتے ہیں، ڈاکٹر عمر چھاپرا جو اس مقدمے میں بطور عدالتی مشیر تشریف لائے تھے، انہوں نے ان اثرات کو درج ذیل الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

> Credit, therefore, tends to go to those who, according to Lester Thurow, are lucky rather than smart or meritocratic.[1] The banking system thus tends to reinforce the unequal distribution of capital.[2] Even Morgan Guarantee Trust Company, sixth largest bank in the U.S. has admitted that the banking system has failed to finance either maturing smaller companies or venture capitalist and though a wash with funds is not encouraged to deliver competitively priced funding to any but the largest, most cash-rich companies.[3] Hence while deposits come from a broder cross-section of the population, their benefit goes mainly to the rich.
>
> (Dr. Chapra's written statement under the caption "Why has Islam Prohibited Interest?" P. 18)

(1) Through, Lester, Zero-Sun Society. New York: Basic Books 1980, P. 175.

(2) Bigsten, arne, poverty, inequality and Development, in Norman Gammel, surveys in development Economics. Oxford: Blackwell, 1987, P. 156.

(3) Morgan Guarantee Trust Company of New York, world financial market, Jan 1987, P. 7.

ترجمہ: اسی لئے قرضے لیسٹر تھرو کے قول کے مطابق ان لوگوں کو دیئے جاتے ہیں جو خوش قسمت ہوں، نہ کہ وہ جو حاجت مند اور مستحق ہوں، اسی لئے موجودہ بینکاری نظام تقسیمِ دولت کا غیر عادلانہ نظام مسلط کرتا ہے، یہاں تک کہ مورگن گارنٹی ٹرسٹ کمپنی جو امریکا کا چھٹا سب سے بڑا بینک ہے، اس نے یہ تسلیم کیا ہے کہ بینکاری نظام ان لوگوں کو تمویل کرنے میں ناکام رہا ہے جو چھوٹی کمپنیاں ہوں یا شراکت داری کرنا چاہتی ہوں، اور بینکوں کے سرمایہ کی زیادتی بھی انہیں صرف ان کمپنیوں کو تمویل کرنے پر ہی اُبھارتی ہے جن کے پاس بہت زیادہ مال ہوتا ہے، لہٰذا اگرچہ بینکوں کی زیادہ تر آمدنی آبادی کی اکثریت حصے سے آتی ہے لیکن اس کا فائدہ مجموعی طور پر مال دار لوگ ہی اُٹھاتے ہیں۔

(ڈاکٹر چھاپرا کا تحریری بیان بعنوان "اسلام نے سود کو کیوں حرام قرار دیا؟" ص:۱۸)

۱۶۳: مندرجہ بالا اقتباس کی سچائی کا اندازہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی ستمبر ۱۹۹۹ء کی شماریاتی رپورٹ میں کیا جاسکتا ہے کہ کل ۲۱لاکھ ۸۴ ہزار ۴سو سترہ (۲،۱۸۴،۴۱۷) کھاتے داروں میں سے صرف نو ہزار دو سو اُنہتر (۹،۲۶۹) افراد (جو کہ مجموعی کھاتوں کا ۰،۴۲۴۳ فیصد ہیں) نے ۴۳۸،۶۷ بلین روپے کا فائدہ اُٹھایا جو ۱۹۹۸ء کے دسمبر کے اخیر تک مجموعی تمویلات کا ۶۴،۵ فیصد حصہ ہیں۔

(ب) پیداوار پر بُرے اثرات

۱۶۴: چونکہ سود پر مبنی نظام میں سرمایہ مضبوط رہن گروی (Collateral) کی بنیاد پر فراہم کیا جاتا ہے، اور فنڈز کا استعمال تمویل کے لئے کسی قسم کا بنیادی معیار قائم نہیں کرتا، اسی واسطے یہ لوگوں کو اپنے وسائل کے پار رہنے کے لئے مجبور کرتا ہے، مال دار لوگ صرف پیداواری مقاصد کے لئے قرضے نہیں لیتے، بلکہ عیاشانہ خرچوں کے لئے بھی قرضے لیتے ہیں۔

اسی طرح حکومت صرف حقیقی ترقیاتی پروگرام کے لئے قرضے نہیں لیتی، بلکہ فضول اخراجات اور اپنے ان سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی قرضے لیتی ہے، جو صحت مند معاشی فیصلوں پر مبنی نہیں ہوتے، منصوبوں سے غیر مربوط (Non-Project-Related) قرضے جو کہ صرف سود

پر مبنی نظام میں ہی ممکن ہیں، ان کا فائدہ قرضوں کے سائز کو خطرناک حد تک بڑھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ۱۹۹۸ء سے ۱۹۹۹ء کے بجٹ کے مطابق ہمارے ملک کے ۴۶ فیصد اخراجات صرف قرضوں کی ادائیگی میں صَرف (خرچ) ہوئے، جبکہ صرف ۱۸ فیصد ترقیات پر لگے، جن میں تعلیم، صحت اور تعمیرات شامل ہیں۔

(ج) اثراتِ بد تقسیم دولت پر

۱۶۵: ہم یہ بات پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب تجارت کو سود کی بنیاد پر فائنانس (تمویل) کیا جائے تو وہ یا تو یہ سود پر مبنی تمویل اس وقت مقروض کو مزید نقصان پہنچاتی ہے جب وہ تجارتی خسارے کا شکار ہو یا قرض دینے والے کو نقصان پہنچاتی ہے اگر مقروض اس سے عظیم نفع کمائے، سودی نظام میں مذکورہ دونوں صورتیں مساوی طور پر ممکن ہیں، اور اس طرح کی بہت سی مثالیں ہیں کہ جس میں سود کی ادائیگی نے چھوٹے تاجروں کو تباہ کر دیا ہے، لیکن ہمارے موجودہ بینکاری نظام میں تمویل کرنے والے (Financier) کے ساتھ ہونے والا ظلم کہیں زیادہ ہے، اور اس کی وجہ سے تقسیم دولت کا نظام بہت بُری طرح متاثر ہوا ہے۔

۱۶۶: موجودہ بینکاری نظام میں بینک ہی کھاتہ داروں کا سرمایہ بڑے بڑے تاجروں کو فراہم کرتے ہیں، تمام بڑے تجارتی منصوبوں کی تمویل بینکوں یا مالیاتی اداروں کے ذریعے ہی ہوتی ہے، متعدد حالت میں تاجروں کا اپنی جیب سے لگایا ہوا سرمایہ اس سرمایہ کے مقابلے میں بہت کم ہوتا ہے جو انہوں نے عوام کا سرمایہ بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرض کی صورت میں لیا ہوا ہوتا ہے، اگر ایک تاجر کا اپنا سرمایہ صرف دس ملین ہو تو وہ نوے ملین بینک سے لے کر عظیم نفع بخش تجارت شروع کر دیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نوّے فیصد پروجیکٹ کھاتہ داروں کے وسائل سے اور دس فیصد خود اس کے اپنے وسائل سے شروع کیا گیا ہے، اگر یہ عظیم پروجیکٹ بہت زیادہ نفع کمائے تو اس کا بہت تھوڑا سا تناسب جس کی حدود مختلف ممالک میں ۲ فیصد سے ۱۰ فیصد تک ہوتی ہیں، اُن کھاتہ داروں کو ملتی ہے جن کی سرمایہ کاری اس منصوبے میں ۹۰ فیصد تھی، جبکہ بقیہ سارا نفع وہ تاجر لے جاتا ہے جس کا سرمایہ صرف ۱۰ فیصد لگا ہوا ہوتا ہے، اور پھر یہ تھوڑی رقم جو کہ کھاتہ داروں کو دی گئی ہوتی ہے وہ واپس انہی بڑے بڑے تاجروں کی جیب میں چلی جاتی ہے، کیونکہ وہ تمام رقم جو انہوں نے سود کی شکل میں ادا کی تھی وہ اپنی پیداوار کے اخراجات میں شامل کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے اس پیداوار (Product) کی قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے جس کا صافی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام بڑی بڑی تجارتوں کا نفع صرف ان لوگوں نے

کمایا جن کی خود اپنی سرمایہ کاری ۱۰ فیصد سے زائد نہ تھی، جب کہ جن لوگوں کی سرمایہ کاری ۹۰ فیصد تھی انہوں نے درحقیقت کچھ نہ کمایا، کیونکہ انہیں سود کی شکل میں جو کچھ نفع ملا تھا اسے اس پیداوار کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے واپس انہی تاجروں کو ادا کرنا پڑ گیا، بلکہ بہت سی صورتوں میں ان کا نفع حقیقی معنوں میں منفی ہو گیا۔

۱۶۷: جب اس صورتِ حاصل کو اس حقیقت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے جسے پیچھے بھی ذکر کیا گیا تھا کہ مجموعی تمویلات کا ۶۴٫۵ فیصد صرف ۴۲۴۳ء۰ فیصد کھاتہ داروں کو دیا گیا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کئی لاکھ (ملینز) افراد کی رقوم سے صرف نو ہزار دو سو انہتر (۹،۲۶۹) افراد نے فائدہ اُٹھایا، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں موجود تقسیم دولت کی ناہمواریوں اور ناانصافیوں میں اس قسم کی تمویلات نے کتنا بڑا کردار ادا کیا ہے، بہ نسبت اس پرائے صَرفی سود کے جو چند افراد پر انفرادی طور پر ظلم کرتا تھا، اس جدید تجارتی سود نے پورے معاشرے کے ساتھ مجموعی طور پر کس قدر زبردست ظلم کیا ہے۔

۱۶۸: موجودہ سودی نظام کس طرح امیروں کے لئے کام کرتا ہے؟ اور کس طرح غریبوں کو مار دیتا ہے؟ یہ بات جیمس رابرٹسن نے درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے:

> The pervasive role of interest in the economic system results in the systematic transfer of money from those who have less to those who have more. Again, this transfer of resources from poor to rich has been made shockingly clear by the Third World debt crisis. But it applies universally. It is partly because those who have more money to lend, get more in interest than those who have less; it is partly because the cost of interest repayments now forms a substantial element in the cost of all goods and services, and the necessary goods and services looms much larger in the finances of the rich. When we look at the money system that way and when we begin to think about how it should be redesigned to carry out its functions fairly, and efficiently as part of an

enabling and conserving economy, the arguments for an interest-free inflation-free money system for the twenty-first century seems to be very strong.(1)

ترجمہ: سود کا ایک عام کردار معاشی نظام میں یہ ہوتا ہے کہ یہ خودکار طریقے سے غریب سے امیر کی طرف سرمایہ کے انتقال کا سبب بنتا ہے، اور پھر غریب سے امیر کی طرف انتقالِ سرمایہ تیسری دُنیا کے ممالک کے قرضوں کے ذریعے اور بھی زیادہ چونکا دینے کی حد تک واضح ہوگیا ہے، لیکن یہ اُصول پوری دُنیا میں لاگو ہوتا ہے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جو لوگ قرض دینے کے لئے زیادہ سرمایہ رکھتے ہیں وہ ان لوگوں کے مقابلے میں سود زیادہ کماتے ہیں کہ جو لوگ کم سرمایہ رکھتے ہیں، نیز اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ سود کی ادائیگی کے اخراجات کا بہت بڑا اثر تمام سامان اور خدمات کی قیمتوں پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے ضروری اشیاء بھی کافی گراں معلوم ہونے لگتی ہیں، اگر ہم کبھی نظامِ سرمایہ پر غور کرتے ہیں کہ کب اور کس طرح ہم اس قابل ہوں گے کہ اس نظام کو دوبارہ ازسرِنو اس طرح ترتیب دیں کہ وہ نظام انصاف کے ساتھ بہترین طریقے سے چل سکے، تو پھر سود اور افراطِ زَر سے آزاد نظام کے دلائل اس ۲۱ویں صدی کے لئے بڑے مضبوط دکھائی دیتے ہیں۔

۱۶۹: وہی مصنف ایک دُوسری کتاب میں درج ذیل بات بیان کرتے ہیں:
انتقالِ نفع غریب سے امیر کی طرف، غریب جگہوں سے امیر جگہوں کی طرف، غریب ممالک سے امیر ممالک کی طرف، موجودہ مالیاتی اور تمویلی نظام کی وجہ سے ہے، ایک وجہ غریب سے امیر کی طرف انتقالِ سرمایہ کی سود کی ادائیگی اور وصولی ہے، جو معیشت کے اندر ایک کردار ادا کرتی ہے۔

مصنوعی سرمایہ اور افراطِ زَر کا اضافہ

۱۷۰: چونکہ سودی قرضے حقیقی پیداوار کے ساتھ کوئی خاص ربط نہیں رکھتے، اور تمویل کرنے

(1) James Roberson, Future Wealth: A new Economics for the 21st Century. Cassell Pu blications, London 1990. P. 131.

والا ایک مضبوط گروی حاصل کرنے کے بعد عموماً اس طرف کوئی خیال نہیں کرتا کہ اس کی رقم مقروض کہاں استعمال کر رہا ہے؟ بینکوں اور مالیاتی اداروں کے ذریعے سرمایہ کی فراہمی و رسد، ان اشیاء یا خدمات سے کوئی تعلق یا رابطہ نہیں رکھتی جو کہ واقعات کی دُنیا میں پیدا کی گئی ہیں، اس طرح یہ صورتِ حال رسدِ سرمایہ اور پیداوارِ اشیاء و خدمات کے درمیان ایک سنگین حد تک عدمِ توازن (Mismatch) پیدا کرتی ہے، یہی درحقیقت ایک واضح وجہ ہے جو افراطِ زر پیدا کرتی یا اسے مزید بھڑکاتی ہے۔

۱۷۱: مذکورہ بالا صورتِ حال کو جدید بینکوں کے اُس عمل نے خوفناک حد تک بڑھا دیا ہے جو عموماً ''تخلیقِ زر'' کے نام سے مشہور ہے، معاشیات کی ابتدائی کتابیں بھی عموماً تعریفی انداز میں ذکر کرتی ہیں کہ کس طرح بینک سرمایہ تخلیق کرتے ہیں؟ بینکوں کے اس بظاہر معجزانہ کردار کو بعض اوقات افزائشِ پیداوار اور خوشحالی لانے کا ایک اہم ذریعہ قرار دیا جاتا ہے، لیکن موجودہ بینکاری کے چمپئن اس تصور کے ذیل میں موجود خرابیوں کو بہت کم منکشف کرتے ہیں۔

۱۷۲: تخلیقِ زر کی تاریخ انگلستان کے زمانۂ وسطیٰ کے سناروں کے مشہور واقعہ جتنی پرانی ہے کہ لوگ ان کے پاس بطور امانت کے سونے کے سکے رکھوایا کرتے تھے، اور یہ ان کو ایک رسید دے دیا کرتے تھے، کام کی آسانی کے لئے سناروں نے بیئرر (Bearer) رسیدیں جاری کرنی شروع کر دیں، جنہوں نے تدریجاً سونے کے سکّوں کی جگہ لے لی، اور لوگ اپنے واجبات کی ادائیگی کے لئے انہیں استعمال کرنے لگے، جب ان رسیدوں نے بازار میں قبولیتِ عامہ حاصل کر لی تو امانت رکھوانے والوں میں سے یا ان رسیدوں کے حاملین میں سے بہت کم لوگ اصل سونے کے سکّوں کا مطالبہ کرتے، اس وقت سناروں نے امانت میں رکھے ہوئے اصل سونے کے چکوں کو خفیۂ سودی قرضے پر قرض دینا شروع کر دیا، اور اس طرح ان قرضوں پر سود کمانا شروع کر دیا۔ کچھ عرصے بعد انہوں نے اس تجربے سے یہ اخذ کیا کہ وہ اس سے زیادہ رسیدیں چھاپ سکتے ہیں جتنا ان کے پاس حقیقت میں سونا رکھا گیا ہے، اور پھر اس زائد رقم کو بھی وہ سودی قرضے پر دے سکتے ہیں، انہوں نے یہی طریقہ اپنایا اور اس طرح ''تخلیقِ زر'' یا تھوڑا سا ریزرو رکھ کر باقی رقم قرض پر دینے (Fractional Reserve Lending) کی ابتدا ہوگئی کہ جس کا حاصل یہ تھا کہ ریزرو میں موجود امانت رکھوانے والوں کے سونے سے زائد قرضہ دینا، انہوں نے مزید اعتماد حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ریزرو کم کرتے ہوئے اپنے خود ساختہ قرضوں کا تناسب بڑھانا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ اپنے سیف میں موجود سونے سے چار پانچ بلکہ دس گنا زائد قرضے دینے لگے۔

۱۷۳: ابتداء میں یہ سناروں کی طرف سے امانت کا غلط استعمال اور واضح دھوکا تھا، جس کی حمایت امانت، دیانت و انصاف کا کوئی اُصول نہیں کرسکتا تھا۔ اور اس طرح روپے جاری کرنا ایک قسم کی دھوکا دہی اور حکمرانی کے طاقت و اختیارات کو سلب کر کے اپنا تسلط جمانا تھا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہی فریبی عمل جدید بینکاری کا ''فریکشنل ریزرو سسٹم'' کے نام سے ایک فیشن ایبل اور معیاری عمل بن گیا۔ ان صرافوں اور بینکروں نے اس تخلیق کو انگلستان اور امریکا کے حکمرانوں کی سخت مخالفت کے باوجود اس تخلیقِ زر کے عمل کو قانونی بنانے میں کس طرح کامیابی حاصل کی؟ اور روتھ چائلڈز نے پورے یورپ اور روک فیلر نے پورے امریکا میں کس طرح حاکمیت قائم کی؟ یہ ایک طویل داستان ہے،(1) جواَب پرائیویٹ بینکوں کے تخلیقِ زر کے تصور کی حمایت میں متعدد نظریات کی دھند میں گم ہوچکی ہے، لیکن خالص نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ موجودہ بینک کسی چیز کے بغیر تخلیقِ زر کرتے ہیں، انہیں اپنے کھاتوں کے مقابلے میں دس گنا زائد قرضے دینے کی بھی اجازت ہوتی ہے، حکومت کے حقیقی اور قرضوں سے آزاد سکے اور روپے کی تعداد گردش کرنے والے مجموعی روپوں کے مقابلے میں بہت کم ہے، ان میں سے اکثر مصنوعی ہیں اور ان کو بینکوں کی تمویل (Financing) کی وجہ سے پیدا کیا گیا ہے، حکومت کے جاری کیے ہوئے حقیقی روپیہ کی تعداد روز بروز اکثر ممالک میں کم ہوتی جارہی ہے، جبکہ بینکوں کے پیدا کیے ہوئے روپے کی، جن کی پشت پر کچھ نہیں ہے، تعداد مستقل بڑھ رہی ہے، قرضوں در قرضوں کا یہ چکر اب رسدِ سرمایہ کا ایک عظیم حصہ بن چکا ہے، اور حکومت کے جاری کیے ہوئے حقیقی زر کا تناسب اکثر ملکوں میں مسلسل گرتا چلا گیا ہے، جبکہ بینکوں نے جو بے بنیاد اور مصنوعی زر پیدا کیا ہے اس کا تناسب مسلسل بڑھ رہا ہے۔ برطانیہ کی مثال لے لیجئے، ۱۹۹۷ء کی شماریاتی رپورٹ کے مطابق مجموعی زر کا اسٹاک ۶۸۰ بلین پاؤنڈز تھا، جن میں سے صرف ۲۵ بلین پاؤنڈز حکومتِ برطانیہ نے سکّوں اور کاغذی نوٹ کی شکل میں جاری کیے، اس کے علاوہ بقیہ ۶۵۵ بلین پاؤنڈز بینکوں کی تخلیق کے ذریعے پیدا ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی رسدِ سرمایہ کا صرف ۳.۶

(1) دلچسپی اور آنکھیں کھول دینے والی اس داستان کے مطالعے کے لئے درج ذیل کتابیں مطالعہ کی جاسکتی ہیں۔

i: Michael Rowbotham: "The Grip of Death - A study of Modern Money", Jon Carpenter, England 1998, chapter 13 to 15

ii: Patric S. J Carmack and Bill Still: "The Money masters", Royalty Production Company, USA, 1998.

iii: William Guy Carr: "Pawns in the Game", Fla USA chapter 6.

iv: Robert O' Priscoll and Margarita Ivan off- Dubrowsky: "The New World Order", Canada 1993.

فیصد قرضوں سے آزاد سرمایہ تھا، جبکہ بقیہ ۹۶٫۴ فیصد بینکوں کے پیدا کیے ہوئے بلبلہ یا جھاگ کے سوا کچھ نہ تھا، یہ بلبلہ سالانہ کس رفتار سے بڑھ رہا ہے؟ اس کا ملاحظہ درج ذیل نقشے سے کیا جا سکتا ہے جو برطانیہ کی رسدِ سرمایہ کی مقدار تفصیل سے بیان کرتا ہے۔

سال	حکومت کے جاری کردہ مجموعی نوٹ اور اس کے پاؤنڈز بلین کی شکل میں ذکر کیے گئے ہیں	مجموعی رسد سرمایہ اسٹرلنگ پائنڈز بلین	حقیقی قرض سے آزاد سرمایہ کا ٹوٹل رسد سرمایہ کے مقابلے میں تناسب
۱۹۷۷ء	۸٫۱	۶۵	۱۲٪
۱۹۷۹ء	۱۰٫۵	۸۷	۱۲٪
۱۹۸۱ء	۱۲٫۱	۱۱۶	۱۰٫۵٪
۱۹۸۳ء	۱۲٫۸	۱۶۱	۷٫۹٪
۱۹۸۵ء	۱۴٫۱	۲۰۵	۶٫۸٪
۱۹۸۷ء	۱۵٫۵	۲۶۹	۵٫۸٪
۱۹۸۹ء	۱۷٫۲	۳۷۲	۴٫۶٪
۱۹۹۱ء	۱۸٫۶	۴۸۵	۳٫۸٪
۱۹۹۳ء	۲۰٫۰	۵۲۵	۳٫۸٪
۱۹۹۵ء	۲۲٫۴	۵۸۵	۳٫۸٪
۱۹۹۷ء	۲۵٫۰	۶۸۰	۳٫۶٪

۱۷۴: یہ جدول[1] یہ بات واضح کرتی ہے کہ بینکوں کی تخلیق شدہ رقم دو عشروں میں اس قدر تیز رفتاری کے ساتھ بڑھی کہ وہ ۱۹۹۷ء میں ۶۸۰ بلین پاؤنڈز ہوگئی۔ مذکورہ بالا جدول کا آخری کالم قرضوں سے آزاد حقیقی زر کا مجموعی رسد سرمایہ کے مقابلے میں کم ہوتا ہوا تناسب ظاہر کرتا ہے۔

۱۷۵: یہ حقیقت دو باتیں منکشف کرتی ہے، سب سے پہلے وہ یہ بتاتی ہے کہ مجموعی رسد سرمایہ کا ۹۶٫۴ فیصد قرضوں پر چڑھا ہوا سرمایہ ہے، جبکہ صرف ۳٫۶ فیصد قرضوں سے آزاد سرمایہ ہے،

(1) Source: Bank of England Releases, 1995, 1997 as quoted by Michael Rowbortham in "The Grip of Death - A Study of Modern Money", Jon Carpenter, England, 1998. P. 13.

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوری معیشت کس طرح قرضے میں ڈوبی ہوئی ہے، دوسرے یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک میں زیرِ گردش پورے زر کا ۹۶،۴ فیصد سوائے کمپیوٹروں کے پیدا کیے ہوئے نمبروں کے کچھ نہیں ہے، اور ان کے پیچھے کوئی حقیقی اثاثہ موجود نہیں ہے۔

۱۷۶: امریکا کی بھی تقریباً بالکل ویسی ہی حالت ہے جیسی برطانیہ کی ذکر کی گئی ہے، پیٹرک ایس جے کارماک اور بل اسٹل درج ذیل الفاظ میں اس بات پر تبصرہ کرتے ہیں:

> **Why are we over our head in debt? Because we are laboring under a debt-money system, in which all our money is created in parallel with an equivalent quantity of debt, that is designed and controlled by private bankers for their benefit. They create and loan money at interest, we get the debt……**
>
> **So, although the banks do not create currency, they do create checkbook money, or deposits, by making new loans. They even invest some of this created money. In fact, over one trillion dollars of the privately-created money has been used to purchase U.S. bonds on the open market, which provides the banks with roughly 50 billion dollars in interest, less the interest they pay some depositors. In this way, through fractional reserve lending, banks create far in excess of 90% of the money, and therefore cause over 90% of our inflation.(1)**

ترجمہ: ہمارے سروں پر اس قدر اضافی قرضہ کیوں ہے؟ کیونکہ ہم ایک قرضی زر کے نظام میں محنت کر رہے ہیں، جس میں ہمارا تمام سرمایہ قرض کے مساوی اور متوازی پیدا کیا گیا ہے، اور اسے پرائیویٹ بینک اپنے منافع کے لئے ڈیزائن اور کنٹرول کرتے ہیں، وہ سرمایہ پیدا کرتے ہیں اور سود کی بنیاد پر قرض

---

(1) Patric S. J. Carmack and Bill Still: "The Money master, How international Bankers Gained Control of America", Royalty Production Company 1998. PP. 78,79.

دیتے ہیں......

......چنانچہ بینک اگرچہ کرنسی تخلیق نہیں کرتے، لیکن وہ نئے قرضے بنا کر چیک بک کی رقم یا کھاتے تخلیق کرتے ہیں، درحقیقت ایک ٹریلین ڈالرز سے اُوپر یہ پرائیویٹ طریقے سے پیدا کردہ رقم کھلی مارکیٹ میں امریکی بانڈز اور تمسکات خریدنے پر خرچ کی گئی، جو بینکوں کو ۵۰ بلین ڈالرز سود دیتے ہیں، جو اس سود کی مقدار سے کم ہے جو کھاتہ داروں کو ادا کرتے ہیں، اس طرح فریکشنل ریزرو کو قرضے دیتے ہوئے ۹۰ فیصد سے کہیں زائد رقم تخلیق کی، اور اسی لئے وہ ۹۰ فیصد سے زائد افراطِ زر کا سبب بنے۔

۱۷۷: اگرچہ زر کے روایتی مقداری نظریہ (Quantity Theory of Money) نے زر کی رسد کو کنٹرول کرنے کے بہت سے راستے بتائے ہیں، جن میں سے ایک انٹرسٹ ریٹ کو کنٹرول کرنا بھی ہے، تاہم یہ سب ذرائع یا تدابیر مرض کا علاج نہیں کر سکتے، یہ عارضی اقدامات ہیں اور یہ اپنے ایسے ذیلی اثرات رکھتے ہیں جو معیشت کو تجارتی چکر میں مبتلا کرتے ہیں، مائکل روبوتھم نے صحیح تجزیہ کیا ہے:

> This (Monetary Management) a government does by lowering or raising interest rates. This alternately encourages or discourages borrowing, thereby speeding up or slowing down the creation of money and the growth of the economy ... The fact that, by this method, people and business with outstanding debts, simply as a management device to deter other borrowers, is an injustice quite lost in the almost religious conviction surrounding this ideology....
>
> This method of controlling banks, inflation and money supply certainly works; it works in the way that a sledge-harmmer works at carving up a roast chicken. An economy dependent upon borrowing to supply money, strapped to a financial system in which both debt and the

money supply are logically bound to escalate, is punished for the borrowing it has been forced to undertake. Many past borrowers are rendered bankrupt; homes are repossessed, businesses are ruined and millions are thrown out of work as the economy sinks into recession. Until inflation and overheating are no longer deemed to be danger, borrowing is discouraged and the economy becomes a stagnating sea of human misery. Of course, no sooner has this been done, than the problem is lack of demand, so we must reduce interest rates and wait for the consumer confidence and the positive investment climate to return. The business cycle begins all over again - There could be no greater admission of the utter and total inadequacy of modern economics to understand and regulate the financial system then through this wholesale entrapment and subsequent bludgeoning of the entire economy. it is a policy which courts illegality, as well as breaching morality, in the cavalier way in which the financial contract of debt is effectively rewritten at will, via the power of levying infinitely variable interest charges.

ترجمہ: حکومت یہ مالیاتی نظم انٹرسٹ ریٹ کو کم یا زیادہ کر کے چلاتی ہے، یہ انتظام کبھی قرض لینے پر اُبھارتا ہے، کبھی اس کی ہمت شکنی کرتا ہے، جس کے نتیجے میں تخلیقِ زَر اور معیشت کی ترقی کی رفتاری یا تیز ہوتی ہے یا سُست پڑ جاتی ہے...... حقیقت یہ ہے کہ اس طریقے پر لوگ اور تجارت بے پناہ قرضوں کی بناء پر اپنے قرضوں پر اچانک اضافی واجبات کا شکار ہو جاتے ہیں، اور بآسانی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دُوسرے قرضداروں کو کنٹرول کرنے کا یہ طریقہ ناانصافی پر مبنی ہے، اگرچہ یہ نظریہ مذہبی عقیدے کی طرح تسلیم کیا جاتا ہے۔

زر کی رسد، افراطِ زر اور بینکوں کو کنٹرول کرنے کا یہ طریقہ اس طرح کام کرتا ہے جس طرح دَم پخت (Roast) مرغی پر تیز دھار آرہ کاٹنے کا کام کرتا ہے، ایک معیشت جو سرمایہ کی فراہمی کے لئے قرض لینے پر منحصر ہو اور وہ ایسے مالیاتی نظام سے بندھی ہوئی ہو جس میں قرضے اور سرمایہ کی رسد دونوں منطقی طور پر بڑھنے پر مجبور ہوں، اسے ان قرضوں کی سزا دی جاتی ہے جنہیں وہ اسی نظام کے تحت لینے پر مجبور تھی، بہت سے ماضی کے قرض لینے والے دیوالیہ ہو گئے، ان کے گھروں پر قبضہ کرلیا گیا، تجارت تباہ ہوگئی اور بہت سے لوگ بے روزگار ہو گئے، کیونکہ معیشت تباہی میں ڈُوب گئی، جب تک افراطِ زر اور ضرورت سے زیادہ گرماگرمی کے خطرناک ہونے کا اندیشہ ختم نہ ہو جائے، اس وقت تک قرضہ لینے کی حوصلہ شکنی ہوتی رہتی ہے، معیشت انسانی بے چارگی کا جامد سمندر بن جاتی ہے، جونہی یہ صورت پیدا ہوتی ہے تو اب مسئلہ یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ طلب کم ہوگئی، لہٰذا شرح سود کو پھر کم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ صارفین میں اعتماد پیدا ہو اور مثبت سرمایہ کاری کی فضا لوٹ آئے۔ پوری معیشت کو جس طرح تہ و بالا اس نظام میں کیا جاتا ہے اس سے بڑھ کر اس جدید نظامِ معیشت کی نااہلی کا کوئی اعتراف نہیں ہوسکتا کہ وہ مالیاتی نظام کو کنٹرول کرنے میں کس بُری طرح ناکام ہے۔

۱۷۸: مزید براں، بینکوں اور تمویلی اداروں کے ذریعے تخلیق کردہ بے بنیاد زر بین الاقوامی بازاروں میں مستقبلیات (Futures) اور اختیارات (Options) کی شکل میں مشتقات (Derivatives) کے ذریعے سٹے بازی کی تجارت میں استعمال کیا جارہا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء میں مطالبہ زر کو زر تسلیم کرلیا گیا، اور اب مطالبے کے مطالبے کو ہی درجہ دیا جارہا ہے، ایک تخمینے مطابق ۱۵۰ ٹریلین سے زائد مالیت کے مشتقات (Derivatives) دُنیا بھر میں چکر کاٹ رہے ہیں، جبکہ دُنیا کے ۱۸۸ ممالک کی مشترک مجموعی ملی پیداوار (GDP) صرف ۳۰ ٹریلین ڈالر ہے، تقریباً ۸۰ فیصد اس تجارت کا تقریباً دو درجن بینکوں اور فنڈز کے ہیجنگ کے کاروبار (Hedge Funds) میں لگا ہوا ہے۔[1]

(1) Prof. Khursheed Ahmad, Islamic Finance and Banking: The challenge of the 21st century, the paper-II submitted to the court by the author.

دُنیا کی پوری معیشت اس طرح ایک غبارہ کی شکل اختیار کر چکی ہے، جو روز بروز ایسے نئے قرضوں اور تمویلی معاملات سے پھولتا جا رہا ہے، جس کا حقیقی معیشت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ بڑا غبارہ بازار کے جھٹکوں (Shocks) کی زَد میں ہے اور کسی بھی وقت پھٹ سکتا ہے، اور ماضی قریب میں ایسا متعدد مرتبہ ہو چکا ہے، خصوصاً جبکہ ایشین ٹائیگرز مکمل تباہی کے کنارے پہنچے اور ان کے جھٹکے پورے عالم میں محسوس کئے گئے، اور میڈیا نے یہ شور مچایا کہ مارکیٹ کی معیشت اپنے آخری سانس لے رہی ہے۔(۱)

ایک مرتبہ پھر ہم جیمس رابرٹسن کا حوالہ دیں گے جنہوں نے اپنی شاندار کتاب "Transforming Economic Life: A millenial Challenge" میں اس موضوع پر درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

> The money-must-grow imperative is ecologically destructive — (It) also results in a massive world-wide diversion of effort away from providing useful goods and services, into making money out of money. At least 95% of the billions of dollars transferred daily around the world are of purely financial transactions, unlinked to transactions in the real economy.
> People are increasingly experiencing the working of the money, banking and finance system as unreal, incomprehensible, unaccountable, irresponsible, exploitative and out of control. Why should they lose their house and their jobs as a result of financial decisions taken in distant parts of the world? Why should the national and international money and finance system involve the systematic transfer of wealth from poor people to rich people, and from poor countries to rich countries? Why someone in Singapore be able to gamble on Tokyo Stock Exchange and bring

(۱) ملاحظہ فرمائیں: ٹائمز، ۳ نومبر ۱۹۹۷ء۔ نیوز ویک ۲۶ جنوری ۱۹۹۸ء اور ۱۴ ستمبر ۱۹۹۸ء۔

about the collapse of a bank in London?......
Why do young people trading in derivatives in the city of London get annual bonuses larger the whole annual budgets of primary schools? Do we have to have a money and financial system that works like this? Even the financier George Soros has said ("Capital Crimes", Atlantic monthly, January, 1997) that "The untrammeled intensification laissez-faire capitalism and the extension of market values into all areas of life is endangering our open and democratic society. The main enemy of the open society, I believe, is no longer the Communist but the Capitalist Threat.

ترجمہ: ''زَر کو لازماً بڑھنا چاہئے'' کا حکم نتیجتاً ہلاکت خیز ہے..... یہ مفید اشیاء اور خدمات فراہم کرنے کی کوششوں کا رُخ عالمی پیمانے پر زَر کے ذریعے زَر کی تخلیق کی کوششوں کی طرف موڑ دیتا ہے، تقریباً کئی بلین ڈالرز کا روزانہ تبادلہ صرف تمویلی معاملات کی وجہ سے ہوتا ہے، جس کا تعلق حقیقی معیشت سے بالکل نہیں ہوتا۔

لوگ، زَر، بینکاری اور تمویلی نظام کے غیر حقیقی، غیر جامع، احتساب سے بَری، غیر ذمہ دارانہ، استحصال والے، بے قابو اور روزانہ بڑھتے ہوئے اعمال کا مسلسل مشاہدہ کر رہے ہیں، دُنیا کے دُور دراز علاقوں میں مالیاتی فیصلوں کے نتیجے میں انہیں اپنے مکانات اور ملازمتوں سے کیوں محروم ہونا پڑتا ہے؟ کیوں علاقائی اور بین الاقوامی زَر اور مغربی ممالک کے مال داروں کی طرف خودکار طریقے سے غریب سے مال دار کی طرف منتقلی میں کیوں ملوث ہوتا ہے؟ سنگاپور میں کچھ لوگ ٹوکیو اسٹاک ایکسچینج میں سٹہ بازی کھیلنے کے کس طرح قابل ہوتے ہیں، جو کہ لندن کے بینکوں کے زوال کا سبب بن جاتا ہے؟ لندن شہر میں مشتقات (Derivative) کے اندر تجارت کرنے والے لوگ پرائمری اسکول کے سالانہ بجٹ سے زیادہ نفع کیسے کماتے ہیں؟ کیا ہمیں اپنے زَر اور

مالیاتی نظام کو اسی طرح برقرار رکھنا ہوگا؟ سرمایہ دارانہ نظام میں حکومت کی عدمِ مداخلت (Laissez-fair) کا آزاد پھیلاؤ اور زندگی کے ہر شعبے میں مارکیٹ ویلیو کی آزادی نے ہمارے ظاہری اور جمہوری معاشرے کو خطرے میں ڈال دیا ہے، مجھے اشتراکیت کے مقابلے میں سرمایہ داریت سے زیادہ خطرہ ہے۔

۱۷۹: آج پوری دُنیا کی یہ خطرناک صورتِ حال دراصل سود پر مبنی نظام کو معیشت پر بے قابو اختیار دیئے جانے کا نتیجہ ہے، کیا کوئی شخص پھر بھی یہ اصرار کرسکتا ہے کہ تجارتی سود ایک معصومانہ معاملہ ہے؟ درحقیقت تجارتی سود کے بحیثیت مجموعی نقصانات ان صَرفی سود کے معاملات سے کہیں زیادہ ہیں جس سے چند افراد انفرادی طور پر متاثر ہوتے تھے۔

انٹرسٹ اور انڈیکسیشن

۱۸۰: بعض اپیل کنندگان نے بینکوں کے سود کو جائز قرار دینے کی یہ توجیہ پیش کی کہ چونکہ روپے کی مالیت روز بروز مستقل گھٹتی چلی جارہی ہے، تو انٹرسٹ کو روپے کی مالیت کے نقصان کی تلافی قرار دینا چاہئے، تمویل کرنے والے (Financier) کو کم از کم اتنی مقدار کے مطالبے کا حق ملنا چاہئے جتنی مالیت کا اُس نے دُوسرے کو قرضہ دیا تھا، لیکن اگر وہ عددی طور پر اتنی ہی تعداد واپس لے گا، تو وہ اب اتنی ہی قوتِ خرید واپس نہیں لے گا، جتنی کہ بوقتِ قرضہ اس نے دی تھی، کیونکہ افراطِ زَر روپے کی بہت بڑی مالیت حقیقت میں کم کرچکی ہوگی، اسی لئے ان کی دلیل یہ تھی کہ انٹرسٹ کے ذریعے تمویل کرنے والے کو ہونے والے نقصان کی تلافی کردینی چاہئے۔

۱۸۱: یہ دلیل بالکل بے وزن ہے، کیونکہ شرحِ سود (ریٹ آف انٹرسٹ) اگرچہ افراطِ زَر کا دُوسرے اسباب کے ساتھ ایک سبب ہے، لیکن یہ شرحِ سود (ریٹ آف انٹرسٹ) افراطِ زَر کی شرح پر مبنی نہیں ہوتی، بلکہ اگر سودی شرح افراطِ زر کا معاوضہ ہوتی تو افراطِ زَر کی شرح ہمیشہ سودی شرح کے ہم وزن ہوتی، بلکہ سودی شرح کا تعین زَر کی رسد و طلب کی طاقتیں کرتی ہیں، افراطِ زَر کی قیمت اس کا تعین نہیں کرتی۔ اگر کسی بھی وقت دونوں قیمتیں ایک دُوسرے کے ہم وزن ہوجائیں تو وہ اتفاقی حادثہ تو ہوسکتا ہے، کسی متعین اُصول کا اثر نہیں ہوتا، اسی وجہ سے سود کو قوتِ خرید کے نقصان کا معاوضہ اور بدل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۱۸۲: کچھ دُوسرے طبقے افراطِ زَر کو دُوسرے رُخ سے دیکھتے ہیں، ان کا مطالبہ یہ نہیں ہے

کہ مروّجہ سود افراطِ زر کے نقصان کی تلافی کے لئے ہے، تاہم ان کا مشورہ یہ ہے کہ قرضوں کا انڈیکسیشن موجودہ سودی قرضوں کا مناسب متبادل بن سکتا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ تمویل کرنے والے شخص (قرض خواہ) کو اس کے تمویل کرنے کی صورت میں اس کی قوتِ خرید کو پیش آنے والے نقصان کی تلافی کر دینی چاہئے، لہٰذا اسے ایک ایسی مقدار کے مطالبے کا حق حاصل ہے، جو اس کے افراطِ زر کی قیمت کے برابر ہو، اسی وجہ سے ان کے نزدیک انڈیکسیشن کو بینکاری نظام میں سود کے ایک متبادل کے طور پر متعارف کیا جانا چاہئے۔

۱۸۳: لیکن اس بحث میں پڑے بغیر کہ آیا قرضوں کا انڈیکسیشن شریعت کے مطابق ہے یا نہیں؟ جہاں تک بینکاری معاملات کا تعلق ہے تو یہ مشورہ نا قابلِ عمل ہے، اس کی وجہ واضح ہے، قرضوں کی انڈیکسیشن کا تصور یہ ہے کہ تمویل کرنے والے یا قرض خواہ کو اس کے سرمایہ کی حقیقی مالیت افراطِ زر کی قیمت پر مبنی عوض کی صورت میں لوٹائی جائے، لہٰذا اس لحاظ سے کھاتہ داروں اور قرضہ لینے والوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بینک اپنے مقروضوں سے وہی قیمت وصول کرے گا، جو اس کو اپنے کھاتہ داروں کو ادا کرنی ہوگی، کیونکہ وہ دونوں قیمتیں افراطِ زر پر مبنی ہوں گی، اس طرح بینکوں کے واسطے کچھ باقی نہیں بچے گا اور بینک بغیر نفع کے چلائے جائیں گے۔ محترم خالد ایم اسحاق صاحب جو انڈیکسیشن کی طرف مائل نظر آ رہے تھے، جب اُن سے بینچ نے یہ سوال کیا کہ بینکاری نظام تنہا انڈیکسیشن کی بنیاد پر کیسے قائم کیا جائے گا؟ تو انہوں نے اس بات کا برملا اعتراف کیا کہ اس کا ان کے پاس کوئی تیار جواب نہیں ہے، تاہم اس تجویز پر گہرائی سے غور کرنا ہوگا۔ بعض بینکار حضرات، جو کورٹ کی معاونت کے لئے تشریف لائے تھے، خصوصاً محترم جناب عبدالجبار خان صاحب جو نیشنل بینک آف پاکستان کے سابق صدر بھی ہیں، انہوں نے اپنی قطعی رائے یہ دی کہ انڈیکسیشن کو سود کا متبادل قرار دینا بینکاری کے نقطۂ نگاہ سے صحیح نہیں ہے۔

۱۸۴: مندرجہ بالا بحث سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ موجودہ شرحِ سود کو افراطِ زر کی بنیاد پر قابلِ قبول نہیں کہا جا سکتا، اور نہ ہی انڈیکسیشن کو موجودہ بینکاری نظام کے سود کے متبادل کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

۱۸۵: تاہم قدرِ زر کی کمی کا سوال انفرادی اور غیر ادا شدہ قرضوں کے لئے یقیناً قابلِ غور ہے، کیونکہ بہت سے ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ جب قرض دینے والے قرض دینے کے بعد بہت مشکلات کا سامنا کرتے ہیں، خصوصاً جبکہ کسی کرنسی کی مالیت نا قابلِ تصور حد تک گر جائے، جیسے کہ ترکی، شام، لبنان اور سابقہ روس کی متحدہ ریاستوں میں ہوا۔ ہمارے ملک میں بھی آج روپے کی مالیت

۱۹۷۰ء کے مقابلے میں بہت کم ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے ۱۹۷۰ء سے قبل کسی کو ایک ہزار روپے قرض دیئے تھے اور مقروض شخص نے اس کو اس کا سرمایہ آج تک واپس نہیں کیا تو کیا وہ شخص اب بھی صرف ایک ہزار روپے ہی واپس لے گا، جبکہ یہ رقم درحقیقت اب (اُس زمانے کے) سو روپے سے زائد مالیت نہیں رکھتی؟ یہ سوال اس وقت اور بھی شدید ہو جاتا ہے جبکہ مدیون ادائیگی کے قابل ہونے کے باوجود قرض ادا نہ کرے۔

۱۸۶: اسی مسئلے کو حل کرنے کے لئے مختلف طبقات کی طرف سے بہت سی تجاویز پیش کی جاتی ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

الف: قرضوں کو انڈیکس کرنا چاہئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مدیون کو افراطِ زَر کی شرح کے حساب سے قرض کی ادائیگی کے وقت ایک اضافی رقم بھی ادا کرنی چاہئے۔

ب: قرضوں کو سونے کے ساتھ منسلک کر دینا چاہئے، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص نے ایک ہزار روپے قرض دیئے تو اس نے گویا اتنی مقدار سونے کی قرض دے دی جتنی اس وقت ایک ہزار سے خریدی جا سکتی تھی، اور بوقتِ ادائیگی اتنے روپے اس کو ادا کرنے چاہئیں جتنے کہ اتنی مقدار میں سونا خریدنے کے لئے درکار ہوں۔

ج: قرضوں کو کسی مستحکم کرنسی مثلاً ڈالرز کے ساتھ منسلک کر دینا چاہئے۔

د: قدرِ زَر کم ہونے کا نقصان قرض خواہ اور مقروض دونوں کو برابر تناسب کے ساتھ برداشت کرنا چاہئے، بالفرض اگر قدرِ زَر ۵ فیصد کم ہوئی ہے، تو ڈھائی فیصد مقروض کو ادا کرنا چاہئے، اور بقیہ ڈھائی فیصد قرض خواہ کو برداشت کرنا چاہئے، کیونکہ افراطِ زَر ایک ایسی چیز ہے جو ان دونوں میں سے ہر ایک کے اختیار سے باہر ہے، مشترکہ ابتلاء کی وجہ سے اسے دونوں کو مشترکہ طور پر برداشت کرنا چاہئے۔

۱۸۷: لیکن ہمارا یہ خیال ہے کہ اس سوال پر مزید گہرائی کے ساتھ غور کیا جانا چاہئے، اور عدالت کے کسی حتمی فیصلے سے قبل اس مسئلے کو ملک کے مختلف تحقیقی حلقوں مثلاً اسلامی نظریاتی کونسل یا اسلامی اقتصادی کمیشن وغیرہ میں اُٹھایا جانا چاہئے، بہت سے بین الاقوامی سیمینار اس مسئلے پر غور وخوض کرنے کے لئے منعقد کیے جا چکے ہیں، ان سیمیناروں کے مقالوں اور قراردادوں کا گہرائی کے ساتھ تجزیہ کرنا چاہئے۔

۱۸۸: اس کے برعکس جیسا کہ ہم یہ بات طے کر چکے ہیں کہ یہ سوال نہ تو سود کو حلال کرنے کا ایک ثبوت فراہم کرتا ہے، اور نہ ہی یہ موجودہ بینکاری معاملات کا ایک صحیح متبادل فراہم کرتا ہے، لہٰذا

ہمیں اس مسئلے کو اسی مقدمے میں حل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی چیلنج کردہ قوانین کے بارے میں فیصلہ اس پر مبنی ہے، لہٰذا ہم اس سوال کو مزید تحقیق اور ریسرچ کے لئے کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

مارک اَپ اور سود

۱۸۹: بعض اپیل کنندگان کا یہ موقف تھا کہ اگر چہ سود قرآن اور حدیث کی رُو سے حرام قرار دیا گیا ہے، تاہم موجودہ بینک سودی معاملات سرانجام نہیں دیتے، اس کے بجائے وہ اپنے صارفین سے مارک اَپ وصول کرتے ہیں، محترم حافظ ایس اے رحمٰن صاحب نے، جو ایگریکلچرل ڈیولپمنٹ بینک کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوئے تھے، ایک تفصیلی بیان دیا جس میں انہوں نے غیر سودی بینکاری سے متعلق حکومتی اقدامات کی ایک تاریخ بیان فرمائی، ان کے بقول ۱/۴/۱۹۹۸ء سے تمام صارفین بشمول انفرادی صارفین کی تمویل غیر سودی طریقے کے مطابق تبدیل کر دی گئی ہے، ۱/۷/۱۹۹۵ء سے تمام سودی کھاتے ختم کر کے انہیں نفع نقصان میں شراکت کے طرز پر بنا دیا گیا ہے، البتہ کرنٹ اکاؤنٹ اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ وہ کسی قسم کا نفع نہیں دیتے، اسی ہدایت کو مؤثر بنانے کے لئے اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے تقریباً ایسے ۱۲ تمویلی طریقوں کی اجازت دی جو غیر سودی بھی تھے اور تمام بینکوں اور مالیاتی اداروں میں قابلِ استعمال بھی تھے، حکومت نے بھی قوانین کو غیر سودی بنانے کے لئے متعدد ترامیم کی ہیں، ان تمام اقدامات کے بعد اب سود، بینکاری معاملات میں برقرار نہیں رہا، اب تمام بینک اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے مقرر کردہ ۱۲ اسلامی طریقہ ہائے تمویل کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ انہوں نے مزید دلائل دیتے ہوئے کہا کہ چونکہ سود پہلے ہی ختم کیا جا چکا ہے، لہٰذا اب سود کو ختم کرنے کی درخواست دینے کی کوئی ضرورت برقرار نہیں ہے۔

۱۹۰: حافظ ایس اے رحمٰن صاحب کی یہ بیان کردہ تاریخ صحیح ہے کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے سود کے بجائے ۱۲ اسلامی طریقہ ہائے تمویل تجویز کیے ہیں، البتہ علمی طور پر ان بارہ طریقہ ہائے تمویل میں سے صرف دو یا تین طریقے عموماً استعمال کیے جا رہے ہیں، عملی طور پر صرف یہ ہو رہا ہے کہ سود کا نام مارک اَپ سے تبدیل کر دیا گیا ہے، مارک اَپ کا تصور اصل میں اسلامی نظریاتی کونسل نے ربا کے خاتمہ کی بابت اپنی ۱۹۸۰ء کی رپورٹ میں پیش کیا تھا، کونسل نے یہ تجویز دی تھی کہ درحقیقت سودی تمویل کا صحیح اسلامی متبادل مشارکہ اور مضاربہ ہیں، تاہم کچھ مواقع ایسے بھی ہیں جہاں پر مشارکہ اور مضاربہ کے ذریعے تمویل ممکن نہیں ہے، ان مواقع کے لئے کونسل نے ایک تکنیک استعمال کرنے کی اجازت دی جس کو اسلامی بینک عموماً مرابحہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس تکنیک کے مطابق تمویل کرنے

والا بینک سود پر قرض دینے کے بجائے صارف کو مطلوب مشینری خرید کو اُسی صارف کو ادھار پر ایک نفع یا مارک اَپ کے ساتھ فروخت کر دیتا ہے، درحقیقت یہ کوئی تمویلی طریقہ نہیں ہے، بلکہ یہ صارف کے حق میں ایک خرید و فروخت کا معاملہ ہے جس میں مندرجہ ذیل نکات کا لحاظ انتہائی ضروری ہے:

الف: اس قسم کا عقد صرف اس صورت میں انجام دیا جا سکتا ہے جبکہ کسی بینک کا صارف کسی چیز کو خریدنا چاہتا ہو، اس قسم کا معاملہ اس وقت سرانجام نہیں دیا جا سکتا جبکہ صارف کسی چیز کی خریداری کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے تمویل چاہتا ہو، مثال کے طور پر تنخواہوں کی ادائیگی، بلوں اور واجبات کے تصفیے وغیرہ کے لئے تمویل درکار ہو۔

ب: اس کو حقیقی معاملہ بنانے کے واسطے یہ ضروری تھا کہ وہ چیز بینک حقیقت میں خرید ے، اور وہ بینک کے (حقیقی یا حکمی) قبضے میں آ جائے، تا کہ وہ اس چیز کا ضمان یا رِسک اس وقت تک برداشت کرے جب تک وہ اس کے قبضے اور ملکیت میں برقرار رہے۔

ج: بینک کے قبضے اور ملکیت میں آ جانے کے بعد اُسے ایک عقدِ صحیح کے ذریعے صارف (Client) کو فروخت کر دیا جائے۔

د: کونسل نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ یہ طریقۂ تمویل کم سے کم حد تک صرف اس جگہ استعمال کیا جانا چاہئے کہ جہاں پر مشارکہ اور مضاربہ متعدد وجوہ سے استعمال کرنا ممکن نہ ہو۔

۱۹۱: بدقسمتی سے اس تکنیک کو بینکوں اور تمویلی اداروں میں لاگو کرتے وقت اُوپر کے تمام نکات مکمل طور پر بھلا دیئے گئے، صرف یہ کیا گیا کہ سود کا نام "مارک اَپ" رکھ دیا گیا، موجودہ مارک اَپ سسٹم میں کسی قسم کی شے کی خرید و فروخت کا کوئی معاملہ نہیں ہوتا، اگر بالفرض کوئی خریداری ہو بھی تو اس شے کو بینک نہ خریدتا ہے اور نہ اُسے آگے صارف کو بیچتا ہے، بعض اوقات یہ تکنیک صرف بائی بیک/ Buy Back (بیع العینہ) کے لئے ہوتی ہے، جس میں صارف اس چیز کو پہلے ہی اپنے لئے خرید چکا ہوتا ہے، اور اسے بینک کو سستے داموں بیچ کر مہنگے داموں واپس خریدنے کا عقد کر لیا جاتا ہے، جس کا اصل عقد کو کھیل بنانے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہے، بعض اوقات یہ عقد صرف اصل اشیاء کو خریدے یا بیچے بغیر صرف کاغذات پر ہی کر لیا جاتا ہے، مزید براں یہ تکنیک بلاتمیز اختیار کی جاتی ہے اور بینکاری کے تمام معاملات پر مرابحہ کا عقد کیا جاتا ہے، خواہ وہاں درحقیقت اشیاء کی خریداری مقصود ہو یا نہ ہو، اور یہ طریقۂ کار ہر قسم کی تمویل کے لئے اپنایا جاتا ہے، خواہ بالائی اخراجات مثلاً تنخواہوں اور بلوں کی ادائیگی وغیرہ کے لئے ہو، لہٰذا اس کا خالص نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اب تک بینکوں کے اثاثوں کی جانب میں کوئی بامقصد تغیر سامنے نہیں آیا ہے، لہٰذا وہی سود کے اُوپر لاگو اعتراضات موجودہ مارک اَپ

سسٹم پر بھی بجا طور سے عائد ہوتے ہیں، اور اس نظام کو بھی قرآن و سنت کے موافق نظام نہیں کہا جا سکتا، اور ہم بھی یہی قرار دیتے ہیں۔

قرض اور قراض

۱۹۲: ڈاکٹر ایم اسلام خاکوانی جو شریعت اپیل نمبر ۱ (ایس) ۱۹۹۲ء کے اپیل کنندہ تھے، وہ اگرچہ وفاقی شرعی عدالت میں ان مقدمات کی کاروائیوں میں فریق نہیں تھے، تاہم اس معاملے کی عمومیت اور اہمیت کے پیش نظر ہم نے انہیں تفصیل سے سنا، اپنی اپیل کی تحریری یادداشت میں انہوں نے تقریباً وہی سارے دلائل دیئے جس پر ہم پیچھے بحث کر چکے ہیں، تاہم اپنے زبانی بیان میں انہوں نے بالکل مختلف خطوط پر دلائل دیئے، انہوں نے اپنی رائے یہ بیان کی کہ اگر تمویل کنندہ (Financier) ایک متعین نفع کی وصولی کی شرط پر تمویل کرے خواہ مدیون (Creditor) کو نفع ہو یا نقصان ہو، تو اس صورت میں یہ ربا بن جائے گا، لیکن اگر عقدِ تمویل میں یہ شرط ہو کہ نقصان کی صورت میں نقصان دونوں فریق اپنی سرمایہ کاری کے تناسب سے برداشت کریں گے، تو عقد کو صحیح کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے، اگرچہ فریقین اس بات پر بھی راضی ہو چکے ہوں کہ اگر تجارت میں نفع ہوا تو اس کی ایک شرح نفع اصل سرمایہ کاری کے تناسب سے تمویل کرنے والے کو ملے گی، لہٰذا اب یہ قراض کا عقد بن جائے گا جو شریعت میں ناجائز نہیں ہے۔

۱۹۳: سب سے پہلے تو یہ نقطۂ نظر ان قوانین پر مدعیان کی جانب سے دائر کردہ اعتراضات کا دفاع نہیں کرتا، جو موضوعِ گفتگو اور موضوعِ بحث ہیں، کیونکہ یہ قوانین ہر حالت میں ایک متعین نفع تمویل کرنے والے کے لئے مقرر کرتے ہیں، لہٰذا ان کی ان قوانین کو غیر اسلامی قرار دیئے جانے کے خلاف اپیل بے اثر ہو جاتی ہے، تاہم ان کا نقطۂ نظر سود کے متبادل تلاش کرنے میں معاون ہو سکتا تھا، لیکن ان کے نقطۂ نظر کی قرآن و سنت سے تائید نہیں ہوتی۔ قراض کی اصطلاح اسلامی فقہ میں مضاربہ کے مرادف کے طور پر استعمال کی گئی ہے، اور تمام مذاہبِ فقہ اس بارے میں متفق ہیں کہ سرمایہ کار (رَبّ المال) کے واسطے مضاربہ میں کوئی بھی نفع اس کی سرمایہ کاری کے تناسب سے مقرر نہیں کیا جا سکتا، اس طرح کی کوئی شرط ناجائز سمجھی جائے گی۔ محترم اپیل کنندہ کے نقطۂ نظر میں از خود تضاد نظر آتا ہے، کیونکہ انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ نقصان کی صورت میں سرمایہ کار کسی بھی نفع کا مستحق نہیں ہوگا، لیکن دوسری طرف اگر سرمایہ کار نے اپنے حصۂ نفع کے طور پر اپنی سرمایہ کاری کا ۱۰ فیصد مقرر کیا، یہ اپیل کنندہ کے لئے قابل قبول ہوگا، لیکن اس وقت کیا ہوگا جبکہ کل نفع سرمایہ کاری کے دس فیصد سے زائد حاصل نہ

ہو؟ اس صورت میں ان کے نزدیک سارا نفع سرمایہ کار لے جائے گا اور مضارب کو تجارت میں نفع ہونے کے باوجود کچھ حاصل نہ ہوگا، لہٰذا یہ نقطۂ نظر اس وجہ سے نا قابلِ قبول ہے۔

رِبا اور نظریۂ ضرورت (Riba & Doctrine of Necessity)

۱۹۴: آخر میں بعض اپیل کنندگان نے رِبا کے مقدمے میں نظریۂ ضرورت چسپاں کرنے کی کوشش کی، ہاؤس بلڈنگ فائنانس کارپوریشن (HBFC) کے مینجنگ ڈائریکٹر محترم صدیق الفاروق صاحب نے یہ دلیل دی کہ قرآنِ پاک نے انسان کو اپنی سخت بھوک کی حالت میں زندگی بچانے کے لئے خنزیر کھانے کی بھی اجازت دی ہے۔ بعض اپیل کنندگان کا یہ موقف تھا کہ سود پر مبنی نظام ایک ایسی عالمگیر ضرورت بن چکا ہے کہ کوئی ملک بھی اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، سود کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اسے قرآنِ پاک نے حرام قرار دیا ہے، تاہم ملکی سطح پر اس کی حرمت کا نفاذ ایسی خودکشی کے مترادف ہوگا جو تمام ملکی معیشت کو نقصان پہنچادے گا، اس لئے اس کو اسلامی اَحکامات کے خلاف نہیں قرار دینا چاہئے۔ بعض اپیل کنندگان نے یہ دلیل بھی دی کہ آج پوری دُنیا ایک عالمی بستی کی شکل اختیار کرچکی ہے، اور کوئی ملک تنہا نہیں رہ سکتا، بالخصوص ہمارا ملک جو کہ قرضوں تلے دبا ہوا ہے، اور اس کے تمام ترقیاتی منصوبے زیادہ تر غیرملکی سودی قرضوں پر منحصر ہیں، ایک مرتبہ اگر مکمل طور پر سود کی حرمت نافذ کردی جائے تو یہ تمام ترقیاتی منصوبے آخری سانس لیں گے اور پوری معیشت اچانک زوال کا شکار ہوجائے گی۔

۱۹۵: ہم اس دلیل پر کافی توجہ دے چکے ہیں، اور ہم نے اس پہلو پر متعدد معاشی ماہرین، بینکاروں اور پیشہ ور حضرات کی معاونت میں سنجیدگی کے ساتھ غور بھی کیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام ایک حقیقت پسند مذہب ہے، وہ کبھی کسی ایسے حکم پر کسی بھی فرد یا حکومت کو مجبور نہیں کرتا کہ جس کی تعمیل اس کے اختیار سے باہر ہو۔ نظریۂ ضرورت ان نظریات میں سے ایک ہے جو قرآنِ کریم اور سنت سے مستنبط اور ماخوذ ہیں اور جسے مسلمان فقہائے کرامؒ نے تفصیلاً بیان بھی کیا ہے، یہ بات محترم صدیق الفاروق صاحب نے بجا ارشاد فرمائی کہ قرآنِ کریم نے اتنی شدید بھوک کے عالم میں خنزیر کھانے کی بھی اجازت دی ہے کہ اس کے بغیر جینا مشکل ہوجائے، لیکن اسلام میں نظریۂ ضرورت کا تصور مجمل اور مبہم نہیں ہے، مسلمان فقہائے کرامؒ نے قرآن و سنت سے استنباط کرکے اس کے کچھ ایسے اوصاف بیان فرمائے ہیں جن سے ضرورت کی شدت اور مقدار کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر کس حد تک قرآن و سنت کے اَحکام کے مطابق گنجائش دی جاسکتی ہے، اسی لئے

ضرورت کی بنیاد پر کسی بھی مسئلے پر کوئی فیصلہ کرنے سے قبل اس بات کی یقین دہانی ضروری ہوگی کہ ضرورت حقیقی ہے اور خیالی اندیشوں اور ملمع سازی پر مبنی نہیں ہے، اور مزید یہ کہ اس ضرورت کی تکمیل اس ناجائز کام کے سرانجام دیئے بغیر ناممکن ہے۔ جب ہم مذکورہ بالا اُصولوں کی روشنی میں سود کے بارے میں غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اس بارے میں بہت زیادہ مبالغے سے کام لیا جارہا ہے کہ اگر سود کا بالکلیہ خاتمہ کردیا گیا تو یہ معیشت کے خاتمے کا سبب بنے گا، حقیقت پسندانہ تجزیے کے لئے ہمیں اندرونی اور بیرونی معاملات پر علیحدہ علیحدہ غور کرنا ہوگا۔

اندرونی معاملات

۱۹۶: اندرونی معاملات میں سود کے خاتمے کے خلاف خدشات اس پر مبنی ہیں کہ زیادہ تر لوگوں کا خیال ہے کہ سود کے خاتمے کا مقصد بینکوں کو خیراتی اداروں میں تبدیل کردینا ہے، اور بینک اسلامی نظام کے تحت رقمیں کسی نفع کے بغیر تمویل کیا کریں گے، لہٰذا کھاتہ داروں کو بھی بینکوں میں رکھی گئی رقوم کے عوض کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہم نے قدرے تفصیل کے ساتھ پیچھے اسلام میں قرض کے تصور پر بحث کی ہے، اور یہ ذکر کیا ہے کہ اسلام میں قرض کا کردار تجارتی معیشت میں بہت محدود ہے، بینکوں اور تمویلی اداروں کو اسلامائز کرنے کا مطلب بغیر نفع کے تمویل کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بینک نفع نقصان میں شراکت کی بنیاد اور دُوسرے اسلامی طریقہ ہائے تمویل کی بنیاد پر تمویل کریں گے، جن میں سے کوئی بھی نفع کے بغیر نہیں ہوگا۔

۱۹۷: کچھ دُوسرے لوگوں کی رائے یہ ہے کہ اسلامی اُصولوں پر مبنی متبادل بینکاری نظام ابھی تک نہ تو تیار کیا گیا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کیا گیا ہے، لہٰذا اس کی اچانک تعمیل کرنے سے ہم ایک ایسے تاریک اور مبہم علاقے میں داخل ہوجائیں گے کہ جو ہمیں اَن دیکھے خطرات کی طرف دھکیل دے گا، جو ہماری معیشت پر مکمل تباہی لاسکتا ہے۔

۱۹۸: یہ خدشہ درحقیقت موجودہ بینکاری نظام کے بارے میں نئے افکار اور اسلامی بینکاری نظام کے میدان میں گزشتہ تین دہائیوں میں کی گئی مساعی سے بےخبری اور ناآگاہی پر مبنی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلامی بینکنگ کوئی دیومالائی یا افسانوی خواب نہیں ہے، مسلمان فقہائے کرام اور معاشی ماہرین اسلامی بینکاری کے مختلف میدانوں میں تقریباً پچاس سال سے کام کررہے ہیں، اور ۱۹۷۰ء سے اسلامی بینکاری کا تصور ایسے حقیقی اداروں کے رُوپ میں تبدیل ہوا جو اسلامی خطوط کے مطابق کام کررہے ہیں، پوری دُنیا میں اسلامی بینکوں اور تمویلی اداروں کی تعداد تین دہائیوں سے روز

بروز بڑھ رہی ہے، ہانگ کانگ شنگھائی بینک لندن کے اسلامی بینکنگ کے شعبے کے انچارج محترم اقبال احمد خان نے، جو اس کورٹ میں عدالتی مشیر کی حیثیت سے تشریف لائے تھے، یہ بیان کیا کہ اسلامی بینکوں اور تمویلی اداروں کی تعداد ۶۵ ممالک میں نوے بلین ڈالرز کے سرمایہ اور ۱۵ فیصد سالانہ اضافے کے ساتھ دوسو سے زائد ہے، ۲۰۰۰ء سے قبل ایک اندازے کے مطابق یہ سرمایہ سو (۱۰۰) بلین ڈالرز تک پہنچ جائے گا۔

۱۹۹: موجودہ اسلامی ترقیاتی بینک (IDB) جدہ کو آرگنائزیشن آف اسلامی کانفرنس (O.I.C) نے ۱۹۷۵ء میں اسلامی بینکاری کے موجد کے طور پر قائم کیا تھا، اس بینک کا اوّلین مقصد رُکن ممالک کے ترقیاتی منصوبوں کے واسطے بین الحکومتی تمویلی عقود کے ذریعے سرمایہ فراہم کرنا تھا، لیکن یہ اب پرائیویٹ سیکٹر (نجی شعبے) میں بھی تجارتی تمویل (ٹریڈ فائنانس) کی سہولت فراہم کر رہا ہے، یہ بینک اب اپنا ایک تحقیقی مرکز قائم کیے ہوئے ہے جو اسلامی بینکاری اور معیشت کے مختلف مسائل پر کام کر رہا ہے، عدالتِ ہٰذا نے اس بینک کو عدالت کی معاونت کرنے، اور موجودہ اسلامی بینکوں کے طریقِ کار پر روشنی ڈالنے اور موجودہ بینکاری نظام کو اسلامی خطوط اور تمویل کے مطابق ڈھالنے کے واسطے پیش کردہ تجاویز کے امکان کا جائزہ لینے کے لئے اپنے بینک کے ماہرین بھیجنے کی دعوت دی، اس بینک نے اس سلسلے میں ازراہ مہربانی ایک اعلیٰ اختیاراتی وفد اسلامی ترقیاتی بینک کے صدر جناب ڈاکٹر احمد محمد علی کی سربراہی میں ازخود بھیجا، مختلف ارکانِ وفد بشمول صدرِ بینک نے کورٹ سے خطاب کیا اور اپنی تحریری رپورٹ بھی داخل کی، تفصیلات کے علاوہ ان کے اپنے معروضات کا خلاصہ خود ان کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

> The experience accumulated by Islamic banks, in general, and the Islamic Development Bank in particular, as well as attempts made in a number of Muslim countries to apply an Islamic financial system, indicate that the application of such an Islamic system by any Muslim country, at the national level, is feasible. According to the data compiled by the International Union of Islamic Banks, there are 176 Islamic banks and institutions in the world. In terms of number, 47% of these institutions are concentrated in South and South East Asia,

27% in GCC and Middle East, 20% in Africa and 6% in the Western countries. In terms of deposits, amounting to US$ 122.6 billion and total assets amounting to US$ 147.7 billion. 73% of the activities of these institutions are concentrated in the GCC and the Middle East. IDB alone, since its inception from 1976 to 1999, has provided financing in the range of US$ 21.0 billion. As against a growth rate of 7% per annum recorded by the global financial services industry, Islamic banking is growing at a rate of 10-15% per annum and accounts for 50-60% of the hare of the market in the GCC and Middle East.

Islamic banking is distinctive in two respects: concentrating on the real sector of the economy, it imparts tremendous stability to the economic system by achieving an identity between monetary flows and goods and services, and by operating on a system of profit and loss sharing in its evolved state, it insulates the society from the debt-mountain on the analogy that if the economies enter into recessionary or deflationary phases, the principles of profit and loss sharing protects the states and economic operators from the evils of accumulation of interest and minimizes defaults and bankruptcies.

ترجمہ: اسلامی بینکوں کو بالعموم اور اسلامی ترقیاتی بینک کو بالخصوص جو تجربہ ہوا اور اسلامی تمویلی نظام کے سلسلے میں کئی مسلمان ممالک میں جو کوششیں کی گئیں یہ سب چیزیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کسی اسلامی ملک میں ایسا اسلامی نظام کا قیام ممکن العمل ہے، اسلامی بینکوں کے اتحاد کی بین الاقوامی تنظیم (انٹرنیشنل یونین آف اسلامک بینکس) کے مطابق دُنیا میں اس وقت ۱۷۶ اسلامی بینک اور

تمویلی ادارے موجود ہیں، تعداد کے لحاظ سے ان میں سے ۴۷ فیصد جنوب اور جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہیں، ۲۷ فیصد دولتِ مشترکہ اور مشرقِ وسطیٰ میں، ۲۰ فیصد افریقہ میں اور ۶ فیصد مغربی ممالک میں واقع ہیں، کھاتوں کے لحاظ سے ان کی مالیت ۱۱۲٫۶ بلین امریکی ڈالرز، اور اثاثوں کے لحاظ سے مالیت ۱۴۷٫۷ بلین امریکی ڈالرز ہے، ان کی ۷۳ فیصد سرگرمیاں دولتِ مشترکہ اور مشرقِ وسطیٰ میں ہیں، خود اسلامی ترقیاتی بینک نے اپنی ابتداء ۱۹۷۶ء سے لے کر ۱۹۹۹ء کے عرصے میں ۲۱٫۰ بلین امریکی ڈالرز کی حد تک تمویل کی ہے، عالمی تمویلی خدمات کی صنعت میں اضافے کی شرح سالانہ سات فیصد ہے، اس کے برخلاف اسلامی بینکاری کی شرحِ اضافہ ۱۰ سے ۱۵ فیصد سالانہ اور دولتِ مشترکہ اور مشرقِ وسطیٰ کی مارکیٹ میں ۵۰ سے ۶۰ فیصد تک شمار کی گئی ہے۔

اسلامی بینکاری دو لحاظ سے بڑی قابلِ امتیاز ہے، ایک یہ کہ وہ معیشت کے حقیقی شعبے میں مرتکز ہے، مالیاتی بہاؤ اور اشیاء وخدمات کے درمیان ایک شناخت پیدا کر کے، نفع ونقصان میں شرکت کے اعلیٰ نظام کو اپناتے ہوئے یہ معاشی نظام میں زبردست استحکام پیدا کرتی ہے، یہ معاشرے کو قرضوں کے بوجھ سے بچاتی ہے، اس وجہ سے کہ اگر کبھی معیشت بحران کا شکار ہو جائے تو نفع نقصان میں شراکت کے اُصول ریاست اور معاشی کارکنان کو اجتماعِ سود (Accumulation of Interest) کی خرابیوں سے محفوظ رکھتے ہیں، اور دیوالیہ پن اور نادہندگیوں (Defaults) کے خطرات کم کرتے ہیں۔

۲۰۰: چونکہ اسلامی بینکاری کا تجربہ ابھی ابتدائی مرحلے سے گزر رہا ہے، اس لئے اس صنعت کو متعدد مسائل کا سامنا ہے، یہ مسائل بہت سے تحقیقی اداروں، تعلیمی حلقوں، تربیتی پروگراموں، ورک شاپوں اور کانفرنسوں میں سامنے لائے گئے ہیں، آج بہت بڑی تعداد میں کانفرنسیں، سیمینار اور ورک شاپس پوری دُنیا کے مختلف حصوں میں منعقد کیے جاتے رہتے ہیں، جن میں مسلمان فقہاء، معیشت دان، بینکار اور کارکنان عملی مشکلات تلاش کر کے ان کے حل تلاش کرتے ہیں۔

۲۰۱: اس کا مطلب یہ کبھی نہیں ہے کہ اسلامی بینکاری کی صنعت نے اپنی بلوغت کے انتہائی مقصد کو حاصل کرلیا ہے، یقیناً اس کی کچھ حدود ہیں، یہ بہت ساری کمزوریوں میں مبتلا بھی ہوسکتی ہے، اس کے بہت سے مسائل ابھی حل ہونا باقی بھی ہیں، لیکن اسلامی بینکوں کی اب تک ترقی کی رفتار اس غلط تصور کی نفی کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلامی بینکاری کوئی دیومالائی تصور (Utopian Idea) ہے، اور یہ کہ اس سمت میں پیش قدمی ہلاکت کی طرف ایک قدم ہوگا، یہ مختصر جائزہ اتنا ضرور ظاہر کرتا ہے کہ اسلامی بینکاری کے میدان میں کافی حد تک زمینی کام (Ground Work) کیا جاچکا ہے، اور معیشت سے سود کے خاتمے کے امکانات پر بحث کے وقت یہ پس منظر نظرانداز یا بے قیمت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۲۰۲: محترم ایم اشرف جنجوعہ صاحب (چیف، اکنامک ایڈوائزر اسٹیٹ بینک آف پاکستان) کو اس مقدمے کی سماعت کے دوران اسٹیٹ بینک نے اپنا نمائندہ مقرر کیا تھا، انہوں نے اپنے اس تحریری بیان میں، جو انہوں نے عدالت میں جمع کرایا تھا، یہ رائے دی کہ پوری معیشت کو سودی نظام سے غیر سودی نظام میں منتقل کرنا اگرچہ ممکن ہے لیکن دُنیا بھر میں کام کرنے والے پرائیویٹ اسلامی بینکوں کے عملیات (Operations) کے مقابلے میں کہیں زیادہ پیچیدہ اور چیلنج کرنے والا ہدف ہے۔

۲۰۳: ہم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ پوری معیشت سے سود کا خاتمہ کسی تنہا ادارے سے سود کے خاتمے کے مقابلے میں کئی لحاظ سے زیادہ پیچیدہ اور مشکل ہوگا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ میدان ایسے بھی ہیں جہاں سود سے پاک نظام قائم کرنا پرائیویٹ اسلامی بینکوں میں ایسا کرنے سے بہت زیادہ آسان ہوگا، دُنیا کے مختلف حصوں میں کام کرنے والے اسلامی بینک اپنے غیر سودی معاملات کی سرانجام دہی میں اپنی حکومتوں یا مرکزی بینک کی حمایت سے محروم ہوتے ہیں، انہیں ان قانونی اور حکومتی پابندیوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے جو بنیادی طور پر غیر سودی بینکاری کی معاونت کے لئے بنائے گئے ہیں، اور پھر اسلامی بینکوں پر ان کے اسلامی طریقہ ہائے تمویل کے موافق ذرّہ برابر تبدیلی کیے بغیر ان قوانین کو مسلط کر دیا جاتا ہے، اسلامی بینک اس طرح کام کر رہے ہیں کہ ان کے ہاتھ روایتی بینکاری (Conventinal Laws of Banking) کے اُصول وضوابط اور قوانین سے بندھے ہوئے ہیں، اگر حکومت بلاسودی نظام کو حکومتی سطح پر نافذ العمل کر دے تو حکومت اپنے قانونی اور اُصولی ڈھانچوں کو وضع کرنے میں مکمل آزاد ہوگی، اور پرائیویٹ اسلامی بینکوں کو لاحق مشکلات حکومت کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کریں گی، مزید براں اسلامی بینکوں کو روایتی بینکوں کے ساتھ

مسابقت اور مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اگر کوئی صارف اسلامی بینکوں کی پیش کردہ سہولیات سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا تو وہ آسانی کے ساتھ اس کی متبادل روایتی بینکاری کی موجودہ سہولیات سے فائدہ اُٹھا لیتا ہے، اگر اسلامی طریقہ ہائے تمویل کو پورے ملک پر نافذ کر دیا جائے اور کوئی بینک بھی غیر اسلامی طریقۂ تمویل پیش نہ کرے، تو یہ مسئلہ بھی آسانی سے حل ہوسکتا ہے۔ تو صحیح پوزیشن یہ ہے کہ اسلامی طریقۂ بینکاری کو ملکی سطح پر نافذ کرنا بعض لحاظ سے زیادہ آسان اور دُوسری بعض لحاظ سے زیادہ مشکل ہے، حقیقت پسندی کے لئے ہمیں ان دونوں پہلوؤں کو عملِ انتقال (Transformation) کے وقت کی تعیین کرتے وقت غور کرنا ہوگا، آیئے اب ہم اسلامی بینکاری کے مجوزہ نظام کے اہم ارکان پر غور کرتے ہیں۔

نفع ونقصان میں شراکت

۲۰۴: اسلامی تمویل کی بنیادی اور سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک متعین شرحِ سود کے بجائے نفع اور نقصان پر مبنی ہوتی ہے۔ ہم پہلے ہی قرض پر مبنی معیشت کے تباہ کن نتائج پر غور کر چکے ہیں، اس قرض پر مبنی معیشت کی تباہ کاریوں کو محسوس کرتے ہوئے بہت سے معیشت دان یہاں تک کہ مغربی معیشت دان بھی شرکت پر مبنی تمویلی نظام کی حمایت کر رہے ہیں۔

ہم جیمس رابرٹسن کا ایک مرتبہ پھر حوالہ دیتے ہیں:

> Why has the process of issuing new money into economy (i.e. credit creation) been delegated by governments to the banks, allowing them to profit from issuing it in the form of interest-bearing loans to their customers? Should governments not issue it directly themselves, as a component of citizen's income? Would it be desirable and possible to limit the role of interest more drastically than that, for example by converting debt into equity throughout the economy? This would be in line with Islamic teaching, and with earlier Christian teaching, that usury is a sin. Although the practical complications would make this a goal for the longer term, there are

strong arguments for exploring it - the extent to which economic life world-wide now depends on ever-rising debt, the danger of economic collapse this entails, and the economic power now enjoyed by those who make money out of money rather than out of risk-bearing participation in useful enterprises.(1)

ترجمہ: معیشت کے اندر نئے زَر کے اجراء کا عمل (یعنی تخلیقِ زَرِ اعتباری) حکومت نے بینکوں کو کیوں تفویض کر دیا ہے؟ ان کو اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ اپنے گاہکوں کو سودی قرضے جاری کر کے تخلیقِ زَر کے عمل سے فائدہ اُٹھائیں، کیا حکومت کو اسے بلاواسطہ شہریوں کی آمدنی کا حصہ بناتے ہوئے جاری نہیں کرنا چاہئے؟

کیا یہ بات زیادہ پسندیدہ اور ممکن نہیں ہوگی کہ مثال کے طور پر قرضوں کو شراکت داری میں تبدیل کر کے تیزی کے ساتھ سود کا کردار محدود کر دیا جائے؟ یہ اسلامی تعلیمات اور سابقہ عیسائی تعلیمات کے مطابق ہے کہ سود ایک گناہ ہے، اگرچہ عملی پیچیدگیاں اس کام کو طویل المیعاد مقصد کیوں نہ بنائیں، لیکن اس کے باوجود مضبوط دلائل کی بنیاد پر اس مقصد کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ یعنی جس حد تک دُنیا بھر کی معاشی زندگی روز افزوں قرضوں پر منحصر ہوتی جارہی ہے، اس میں معاشی تباہی کے جو خطرات مضمر ہیں اور معاشی طاقت کا جو تمام تر فائدہ اس وقت انہی لوگوں کو پہنچ رہا ہے جو مفید منصوبوں میں خطرہ برداشت کرنے کی بجائے روپے سے روپیہ پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

۲۰۵: جان ٹام لینسن آکسفورڈ میں قیام پذیر کینیڈین معیشت دان ہیں، ترقی یافتہ اور کم ترقی یافتہ ممالک میں قرضوں کے اثرات کا مطالعہ وتحقیق کرتے ہوئے انہوں نے آکسفورڈ ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کارپوریشن قائم کیا اور وہ خود اس کے چیئرمین ہیں، جس میں شرکت کے طریقے اور موجودہ قرضوں کے ذریعے کی جانے والی تمویل کی جگہوں پر بازارِ حصص کو ترقی دینے پر تحقیق کی جارہی ہے، اپنی کتاب (دیانت دار زَر) "Honest Money" میں انہوں نے قرضوں کو حصصِ شراکت

(1) James Robertson, Transforming Economic Life: A millenial Challenge. Green Books, Devon, 1998, P.57.

میں تبدیل کرنے کی پُر زور سفارش کی ہے، ان کے نکالے ہوئے درج ذیل نتائج ان حضرات کے لئے بڑے غور طلب ہیں جو موجودہ تمویلی نظام کو جوں کا توں برقرار رکھنے پر مصر ہیں۔

Converting debt to equity is not a panacea for all economic ills. It can, however, produce many positive benefits. These benefits will not necessarily follow automatically from conversion. Concentrated effort will be required to ensure they do. Without conversion they will not happen at all.

Not the least these benefits will be those brought to the banking community itself. The banking and monetary system will not collapse. Nor should there ever need to be the threat of collapse again. Owners of banks will find the value of their shares underpinned as liabilities disappear from balance sheets and are replaced by assets of a specific value. Each and every depositor will be able simultaneously to withdraw his or her total deposits.

Demand for the bank's current or cheque account services will not diminish. Longer term depositors will now have to pay for storage: it will be a less attractive option than exchange, so the velocity with which money moves from bank to market-place to bank again, from one account to another, is likely to increase. There will be a continuous flow of money available for new equity investment.

The market-place in general will also receive benefits. Conversion will also cause the value of money to stabilize. Saving can then retain their value. Prices need only vary according to the supply and demand of the product being priced. Measurements of exchange value made

by different people at different times can be validly compared. The unit of money will once more be a valid unit of measurement of exchange value. The field of economics can become a science.

Many of the distortions which now exist in our individual frames of reference will be corrected. For instance, an investment which took an investor, ten, fifteen or twenty years to recoup used to be considered sound. Now, too often the maximum period envisaged is five years; even three. This short-term view has precluded many useful businesses from being created. The re-establishment of stable money and the emphasis on security which will bed required within equity investment program will encourage people to take a longer view. More businesses will then be considered viable and the number of new jobs can increase dramatically.

Existing savers will also be protected. The conversion to equity will eliminate the possibility of collapse for individual banks and for the system as a whole. Savings will not disappear. The nature of savings will change from just units of money to units of money and shares. The exchange value of both the shares and the money will have to be re-assessed. But they will have value. If no actions is taken and the system collapses, they may end up having no value.

The changes proposed will also free many from the enslavement of debt. Both nations and individuals can regain their dignity. They will be free to make their own choices. No longer

will managers have to face the choice between paying interest and disemploying some or not paying interest and disemploying all.

Nor shall we need o experience the stresses caused by current economic and business cycles. There will be a steady flow of money into investments. New investment opportunities will continually be sough as a home for both individual saving and business profits. Both will wish to avoid storage chares.

Growth will be dependent upon the continuing development of new ideas and new productive capacity. Growth will no longer be dependent upon the positive flow of new savings and new profits.

Re-establishing the integrity of money will eliminate at least one of the causes of human conflict. Money will no longer secretly steal from those who save, those on fixed income and those who enter long-term contracts.

Further, it can lead to a greater premium being placed on personal integrity. The character traits of honest, honourable and forthright behaviour will be in demand. Investor's security will depend on them. Recognition of the degree of interdependence in an equity-oriented market-place can lead to more consideration of the needs of others, and, ultimately, to a more caring and, compassionate society.

Of course, life is never roses all the way. Many mistakes will be made. When new paths are trodden, the way is sometimes uncertain. Some will find it difficult to break the habitual patterns of thought which govern behaviour in

a debt-oriented society. NO doubt some readers will have already experienced this.

Some will be hard-pressed when the actual exchange value or their investments becomes apparent. Yet, the conversion process can be controlled. Collapse cannot. We should be able, as part of the conversion process, to identify those who might suffer unduly. Then we can be prepared to assist them and cushion any hardship.

The case of honest money is a compelling one. Honest money is not a thief. It does not steal from the thrifty. It is not socially divisive. It does not promote economic and business cycles, creating unemployment. On the contrary, it encourages thrift. It promotes sustainable economic growth. it rewards merit. It demands integrity.

These were worthwhile goals. They can be achieved. What is needed now is the will to make them happen.(1)

ترجمہ: قرضوں کو حصص شراکت میں منتقل کرنا ہی تمام معاشی بیماریوں کا مکمل علاج نہیں ہے، تاہم یہ بہت سے مثبت منافع پیدا کرسکتا ہے، اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ یہ منافع منتقلی کے فوراً بعد نظر آنا شروع ہو جائیں، ان منافع کے پیدا ہونے کے لئے یکسو کاوشوں کی حاجت ہوگی، لیکن منتقلی کے بغیر یہ منافع بالکل پیدا نہ ہوں گے۔

وہ منافع جو اَز خود بینکنگ کمیونٹی (برادری) کو حاصل ہوں گے، وہ بھی کم نہ ہوں گے، بینکاری اور مالیاتی نظام میں زوال نہیں آئے گا، اور نہ اس قسم کا کوئی خطرہ ہونا چاہئے کہ وہ دوبارہ زوال پذیر ہوگا، بینکوں کے مالکان اپنے حصص کو مضبوط قدر و قیمت والا پائیں گے، کیونکہ ان کے مطلوبات (Liabilities)

(1) John Tomlinson: Honest Money: A Challenge of Banking, Helix 1993, PP. 115, 118.

ایک مخصوص قدر والے اثاثوں (Assets) سے تبدیل ہو جائیں گے۔

بینکوں کے جاری (Current) اور چیک کھاتوں (Accounts) کی خدمات کم نہیں ہوں گی، جو لوگ طویل میعاد کے لئے رقمیں بغرضِ حفاظت رکھوائیں گے، انہیں حفاظت کی فیس ادا کرنی ہوگی، روپے کو تبادلے کے لئے استعمال کرنے کے مقابلے میں یہ کم دِلکش اختیار (Option) ہوگا، لہٰذا زَر کی بینکوں سے بازاروں میں اور پھر وہاں سے پھر بینکوں کے ایک کاؤنٹر سے دُوسرے کاؤنٹر میں گردش کی رفتار تیز ہو جائے گی، وہاں زَر کا ایک جاری بہاؤ اسی شراکتی سرمایہ کاری (Equity Investment) کے لئے دستیاب رہے گا۔

شراکت پر مبنی نظام سے بازاروں کو بھی عمومی طور سے فائدہ ہوگا، قرض سے شرکت کی طرف منتقلی زَر کی قیمت میں استحکام کا سبب بنے گی، چنانچہ بچتیں اپنی قدر و قیمت برقرار رکھ سکیں گی، قیمتوں کا اُتار چڑھاؤ کسی پیداوار کی طلب و رسد کے پیمانہ تقویم کے ذریعے ہی ہوگا، لوگوں کے مختلف زمانوں میں تبادلے کی قدر و قیمت کی پیمائش کا صحیح طریقے سے اندازہ ہو سکے گا، زَر کی اکائی ایک مرتبہ پھر قدرِ تبادلہ کی پیمائش کی ایک صحیح اکائی ہوگی، معاشیات کا میدان ایک علم بن سکتا ہے۔

ایسی بہت سی خرابیاں جو ہمارے انفرادی (Frames of Reference) میں پائی جاتی ہیں، ان کی اصلاح ہو جائے گی، مثال کے طور پر ایک سرمایہ کاری جو کسی سرمایہ کار کے نفع کے لئے دس، پندرہ، بیس سال لے لیتی تھی، پہلے کافی سمجھی جاتی تھی، اب اکثر زیادہ سے زیادہ مدت پانچ سال یا تین سال بھی متصور کی ہے، یہ قلیل المدت اندازِ فکر بہت سے مفید بزنس کی تخلیق کو ناممکن بنا چکا ہے، مضبوط زَر کے دوبارہ قیام اور شراکتی سرمایہ میں خطرات سے حفاظت پر زور یہ وہ اَوامر ہیں جو لوگوں کو طویل المیعاد منصوبوں میں شرکت پر اُبھاریں گے، اور زیادہ تجارتیں ممکن نظر آئیں گی اور نئی ملازمتوں کی تعداد ڈرامائی طور پر بڑھے گی۔

موجودہ بچت کرنے والے بھی محفوظ ہوں گے، شرکت میں انتقال کے ذریعے

اجتماعی طور پر انفرادی بینکوں کے نظام کے زوال کا امکان ختم ہو جائے گا، بچتیں غائب نہیں ہوں گی، بچتوں کی فطرت زَر کی چند اکائیوں سے بدل کر زَر کی اکائیوں اور حصص میں تبدیل ہو جائے گی، حصص اور زَر کی تبادلہ کی قدر بھی از سرِ نو متعین کرنی پڑے گی، لیکن وہ ایک قدر و قیمت رکھیں گے، اگر کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا اور پورا نظام تباہ ہو گیا تو وہ اس طرح ختم ہو جائیں گے کہ ان کی کوئی قدر نہیں ہوگی۔

مجوزہ ترامیم بہت سے لوگوں کو قرضوں کی غلامی سے آزاد کر دیں گی، قومیں اور افراد دوبارہ اپنی عظمت حاصل کر لیں گے، وہ اپنی پسند کا راستہ اختیار کرنے میں آزاد ہوں گے، اور منیجروں کو اس قسم کی چوائس کا کوئی سامنا کرنا نہیں پڑے گا کہ یا تو وہ سود ادا کریں اور کچھ ملازمین کو نکال دیں یا سود ادا نہ کریں اور سب ملازمین کو فارغ کر دیں۔

اس کے علاوہ ہمیں اس دباؤ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا جو موجودہ نظام میں تجارتی چکروں سے پیدا ہوتا ہے، پھر زَر کا سرمایہ کی طرف ایک مستحکم بہاؤ ہوگا، اور تجارتی نفع کے ایک مرکز کے طور پر نئی سرمایہ کاری کے مواقع تسلسل کے ساتھ تلاش کیے جائیں گے، کیونکہ انفرادی بچتوں اور تجارتی منافع میں سے ہر ایک یہ چاہے گا کہ فالتو روپیہ کو محفوظ رکھنے کی فیس ادا نہ کرنی پڑے، نیز ترقی نئے تصورات اور نئے پیداواری مواقع کی مسلسل ترقی پر مبنی و منحصر ہو جائے گی، نئے قرضوں کی تخلیق پر منحصر نہیں ہوگی، معاشی ترقی نئی بچتوں اور نئے نفع کے مثبت بہاؤ پر منحصر ہوگی۔

زَر کی قدر کے دوبارہ مضبوط ہونے سے انسانی تصادم کے ایک اہم سبب کا خاتمہ ہو جائے گا، مزید یہ کہ زَر ان لوگوں سے چپکے سے چوری نہیں ہوگا، جو طویل المیعاد معاہدوں میں سرمایہ لگاتے ہیں یا بچت کر کے رکھتے ہیں یا جن کی آمدنی متعین ہے۔

مزید یہ کہ اچھا ذاتی کردار رکھنے والوں کو فائدہ پہنچنے کا امکان زیادہ ہوگا، امانت، حرمت اور اچھے کردار کی طلب بڑھے گی، سرمایہ کاروں کی سرمایہ کاری ان پر منحصر ہوگی، شراکت پر مبنی مارکیٹ میں باہمی آزادی و استقلال کو تسلیم کرنا

دوسروں کی ضروریات کی مزید فکر کرنے کا باعث بنے گا، جس کی انتہاء مزید رحمدل اور مددگار معاشرہ کا قیام ہوگی۔

یقیناً زندگی ہمیشہ گلاب کے پھولوں پر مشتمل نہیں ہوتی، بہت سی غلطیاں بھی ہوں گی، جب نئے راستوں پر چلا جاتا ہے تو راستہ بعض اوقات غیر یقینی بھی ہوتا ہے، کچھ لوگ ایسے عادی اندازِ فکر توڑنے میں مشکل محسوس کریں گے جو قرض پر مبنی معاشرے کے تحت کام کرتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض قارئین پہلے ہی اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔

کچھ لوگوں کو جب ان کی سرمایہ کاریوں کی حقیقی قدر تبادلہ نظر آئے گی تو شدید دباؤ کا سامنا ہوگا، تاہم انتقال کا عمل کنٹرول کیا جا سکتا ہے، زوال کو کنٹرول نہیں کیا جا سکتا، اس عملِ انتقال کا حصہ بنتے ہوئے ہمیں ان کو شناخت کرنے کے قابل ہونا چاہئے جو بلاوجہ اس سے نقصان میں مبتلا ہوں گے، تاکہ ہم ان کی بروقت مدد کر سکیں اور ان کی تکلیف میں سہارا بن سکیں۔

امانت دار زَر کا تصور ایک فریضہ ہے، امانت دار زَر (Honest Money) کوئی ایک چور نہیں ہے، یہ چالاکی سے چوری نہیں کرتا ہے، یہ معاشرے میں تقسیم کنندہ نہیں ہے، یہ تجارتی چکروں کو فروغ دے کر بے روزگاری کا سبب نہیں بنتا، اس کے بجائے یہ اچھی کارکردگی کی ہمت افزائی کرتا اور پائیدار معاشی ترقی کو فروغ دیتا ہے، میرٹ کو نوازتا ہے اور بلند کردار کی طلب بڑھاتا ہے، یہی حقیقی مقاصد ہونے چاہئیں، یہ حاصل بھی کیے جا سکتے ہیں، بس صرف ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک ایسا عزم چاہئے جو اس کے وقوع پذیر ہونے کا سبب بن سکے۔

۲۰۶: مائیل روبوتھم نے ٹام لینسن کے مندرجہ بالا اقتباسات پر اپنی کتاب میں درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

> One of the most unusual and original contributions to the monetary debate. John Tomlinson is a former merchant banker and presents a powerful case against the debt-based money system; his solution is highly creative

and shows the scope of thought outside the normal parameters of monetary reform. The work is currently being incorporated by Nova University in America as part of their master degree in economics.[1]

ترجمہ: مالیاتی ابحاث میں یہ سب سے حقیقی اور خصوصی خدمت ہے، جان ٹام لینس ایک سابقہ مرچنٹ بینکار تھا، اس نے قرض پر مبنی معیشت کے خلاف ایک زبردست مقدمہ قائم کیا ہے، اس کا پیش کردہ حل انتہائی تخلیقی ہے، اور عام مالیاتی اصطلاحات سے پار ایک فکر کا اُفق ظاہر کرتا ہے، امریکا کی نووا یونیورسٹی نے ان کے کام کو معاشیات کی ماسٹرز ڈگری کا ایک حصہ بنا کر اسے تسلیم کر لیا ہے۔

۲۰۷: فلپ پور اسلامی فائنانس پر اپنی حالیہ تحقیق میں درج ذیل مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

Although this long term shifts from a bond-based to an equity-based financial system accords in many respects with Islamic economic principles, it is a trend which is by no means confined to the Islamic world and which is increasingly being championed globally. The resurgence in Islamic finance worldwide is seen by some simply as a reflection of the global economy's discernible transition from bond-based to equity-based finance.

Consider, for example, the strategy of developed, no-Muslims but heavily indebted economy such as Italy. Under the terms of privatization programme which gathered momentum in 1995 and 1996, Italian law stipulates that "......All the proceeds of the privatisation of public companies become part of a sinking fund that, by law, can only be used

1) Michael Rowbotham: The Grip of Death: a study of Modern Money, Jon Carpenter 1997. P. 330

to retire debt, and is not applied towards the reduction of the PSBR." Perhaps, indeed, the Western world has been gravitating toward islamic principles of finance without knowing it over the last three decades.(1)

ترجمہ: اگر چہ تمسکات (بانڈز) پر مبنی معیشت کا حصص پر مبنی معیشت کی طرف انتقال کئی لحاظ سے اسلامی معاشی اُصولوں کے مطابق ہے، یہ ایک ایسا طریقہ ہے جو کسی معنیٰ میں اسلامی دُنیا کے ساتھ منحصر نہیں ہے، اور جو تیز رفتاری کے ساتھ پوری دُنیا میں پسند کیا جارہا ہے، پوری دُنیا میں اسلامی تمویل کی بیداری کی جو لہر ہے، اسے بعض حضرات اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ دُنیا بھر کی معیشت واضح طور سے قرضوں پر مبنی نظام سے شرکت کے نظام کی طرف منتقل ہورہی ہے، اور یہ لہر اس حقیقت کی عکاسی کرتی ہے۔

مثال کے طور پر غور فرمایئے کہ ایک ترقی یافتہ غیر مسلم مگر قرضوں کے انتہائی بوجھ تلے دبی ہوئی اٹلی کی معیشت ہے، پرائیویٹائزیشن پروگرام کے تحت جس نے ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء میں زور پکڑا، اطالوی قانون یہ عائد کرتا ہے کہ "...... پبلک کمپنیوں کی تمام آمدنی ایک فنڈ کا حصہ بن جائے گی، جو قانون کے تحت صرف قرضے اُتارنے (Retire) کے لئے استعمال ہوگا، اور PSBR کی تخفیف کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوگا، شاید حقیقت یہ ہے کہ مغربی دُنیا نادانستگی میں تین عشروں سے زائد عرصے سے تمویل کے اسلامی اصولوں کی طرف قدم بڑھارہی ہے۔

۲۰۸: عالمی مالیاتی ادارہ آئی ایم ایف کے تحقیقی شعبے کے دو معیشت دان جناب عباس میراخور اور محسن ایچ خان نے غیر سودی اسلامی بینکاری کے اثرات کا تفصیل سے جائزہ لیا ہے، اور وہ نفع نقصان میں شرکت کے نظام پر بحث کرتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں:

As shown in a recent paper by Khan (1985) this system of investment deposits is quite closely related to proposals aimed at transforming the

(1) Philip Moore: Islamic Finance: A partnership for growth, Economy Publisher's 1997. P. 173.

Traditional Banking System to an equity basis made frequently in a number of countries, including the United States.(1)

ترجمہ: جیسا کہ خان صاحب کے حالیہ (۱۹۸۵ء) مقالے سے ظاہر ہوتا ہے، سرمایہ کاری کھاتہ کا یہ نظام ان تجاویز سے کافی قریب ہے جن کا مقصد اور موضوع روایتی بینکاری نظام کو حصہ داری کے نظام میں تبدیل کرنا ہے، جو کہ بہت سارے ممالک بشمول ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بھی اختیار کیا گیا ہے۔

پیٹر واربٹسن نے بھی شرکت پر مبنی ایک تمویلی نظام کو ترجیح دی ہے، اور انہوں نے فشر منسکی جے پریسلے اور پی ملسن کے نظریوں پر اس مقصد سے بحث کی ہے۔ (۲)

۲۰۹: خلاصہ یہ کہ شرکت پر مبنی بینکاری نہ صرف اسلامی حلقوں کی طرف سے تجویز کی گئی ہے، بلکہ اسے کچھ غیر مسلم معیشت دانوں نے بھی خالص معاشی اور اقتصادی لحاظ سے تجویز کیا ہے، موجودہ قرض پر مبنی معیشت کے ذیلی اثرات اور اثراتِ بد یعنی ظلم، عدمِ استحکام اور تجارتی دھچکوں وغیرہ نے ہی ان کو اس طرف مجبور کیا کہ ایک ایسا انصاف اور حصہ داری پر مبنی نظام لایا جائے جو دولت کی منصفانہ تقسیم اور استحکام کا یقینی سبب ہو۔ شرکت پر مبنی نظامِ بینکاری میں کھاتہ داروں (Depositors) کو اس سے کہیں زیادہ نفع ملنے کی توقع کی جاتی ہے جتنی کہ وہ آج سود کی صورت میں وصول کرتے ہیں، اور پھر وہ سودی رقم بھی قرض پر مبنی زَر کے پھیلاؤ کی وجہ سے افراطِ زَر کے منفی اثرات کا شکار بن جاتی ہے، یہ دولت کے بہاؤ کا رُخ عام آدمی کی طرف کر دیتی ہے، جس کے نتیجے میں بچت بڑھتی ہے اور آہستہ آہستہ توازن اور خوشحالی لاتی ہے۔

مشارکہ فائنانسنگ (تمویل) پر کچھ اعتراضات

۱: نقصان کا رِسک

۲۱۰: ایک دلیل یہ دی جاتی ہے کہ مشارکہ کے ذریعے تمویل کا تقریباً مطلب یہ ہے کہ

(1) Mohsin H. Khan and Abbas Mirakhor: Theoretical Studies in Islamic Banking & Finance. Houston 1987. P. 168.

(2) Peter Worburton: Debt and Delusion, Central Bank Follies that threaten Economy Disaster, Allen Lane, 2999. P. 224, 225.

تجارت کے نقصانات تمویل کنندہ یا بینک کو منتقل کر دیئے جائیں، یہ نقصان کھاتہ داروں کو بھی منتقل کیا جائے، کھاتہ دار مسلسل نقصان کے رسک برداشت کرتے ہوئے اپنی رقموں کو بینکوں اور تمویلی اداروں میں رکھوانا پسند نہ کریں گے، اور اس طرح ان کی بچتیں یا تو بیکار ہو جائیں گی، یا پھر بینکوں سے باہر دُوسرے معاملات میں استعمال کی جائیں گی، جس کا نتیجہ قومی سطح پر ترقی میں عدم معاونت ہوگا۔

۲۱۱: یہ دلیل درحقیقت غلط مفروضہ ہے، مشارکہ کی بنیاد پر تمویل سے قبل بینک اور مالیاتی ادارے اس مجوزہ تجارت کے امکانات (Feasibility) پر غور کریں گے جس کے لئے یہ سرمایہ درکار ہے، یہاں تک کہ موجودہ سودی بینکاری نظام میں بھی بینک ہر ایک اپیل کنندہ کو قرضے نہیں دیتے، وہ نہ صرف صارف کی مالیاتی حالت کا مطالعہ کرتے ہیں بلکہ بعض اوقات انہیں اس تجارت کے مختلف امکانات کا جائزہ بھی لینا پڑتا ہے، اور اگر انہیں یہ خدشہ ہو کہ تجارت قابلِ نفع نہیں ہے، تو وہ قرضہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں، مشارکہ میں انہیں یہ تحقیق اور زیادہ پیمانے پر گہرائی میں جا کر احتیاط کے ساتھ کرنی ہوگی، لیکن یہ اضافی کام یقیناً ملکی معیشت کے لئے مجموعی طور پر مفید اور معاون ہوگا۔

۲۱۲: مزید براں کوئی بھی بینک یا تمویلی ادارہ اپنے آپ کو صرف مشارکہ پر محدود نہیں کر سکتا، بلکہ وہاں پر ہمیشہ مشارکہ کا ایک فنڈ (Protfolio) ہوگا، اگر بینک نے اپنے ۱۰۰ صارفین (Clients) کو مشارکہ کی بنیاد پر تمویل کیا، تو ان میں سے ہر ایک صارف کی تجویز کے امکانیات (Feasibility) کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات ناقابلِ تصور ہے کہ ان میں سے تمام یا اکثر نقصان کا سبب بنیں گے، مناسب اقدامات اور ضروری احتیاطوں کے بعد زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض میں نقصان ہو جائے، لیکن اس کے برخلاف نفع آور مشارکہ سود پر مبنی قرضوں کے مقابلے میں بہت زیادہ نفع کا بھی سبب بنے گا، کیونکہ اس صورت میں صارف اور بینک کے درمیان حقیقی نفع تقسیم ہوگا، اسی لئے مشارکہ کے فند (Protofolio) کے بارے میں مجموعی طور پر یہ اُمید نہیں ہے کہ وہ نقصان کا شکار ہو جائے گا، بلکہ یہ صرف ایک منطقی امکان ہے، جس کی بنیاد پر کھاتہ داروں کو دِل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے، نقصان کا یہ نظریاتی امکان ان مشترک سرمایہ کی کمپنیوں (Joint Stock Companies) کے نقصان کے امکان کے مقابلے میں بہت کم ہے جن کا تمام تر کاروبار مخصوص تجارتی سرگرمیوں تک محدود ہے، اس کے باوجود بھی لوگ اس کے شیئرز خریدتے ہیں اور نقصان کا امکان انہیں ان حصص کے کاروبار میں سرمایہ کاری کرنے سے منع نہیں کرتا۔ بینکوں اور مالیاتی اداروں کے مشارکہ کا معاملہ بہت مختلف ہے، کیونکہ ان کے مشارکہ کے تحت سرگرمیاں اتنی متنوع ہوں گی کہ اگر بالفرض کسی ایک مشارکہ سے نقصان بھی ہو گیا تو اس کی تلافی دُوسرے مشارکہ کے کثیر نفع سے ہو جائے

گی۔ پاکستانی بینکوں کا تجربہ ایک مشاہداتی تجربہ ہے، ار۷ر۱۹۹۵ء سے پاکستان کے تمام بینکوں کے کھاتے کرنٹ اکاؤنٹ کے ماسوا نفع نقصان میں شرکت پر مبنی ہیں، بینکوں کی طرف سے کھاتہ داروں کو ان کے اصل سرمایہ کی بھی گارنٹی یا ضمانت فراہم نہیں کی جاتی، لہٰذا ہمارے موجودہ بینکوں کی مطلوبات (Liabilities Side) مکمل طور پر شرکت پر مبنی ہے، اس کے باوجود کھاتے اسی طرح برقرار ہیں جیسے وہ پہلے تھے۔

۲۱۳: اس کے علاوہ ایک اسلامی معیشت کو یہ ذہنیت پیدا کرنی چاہئے جو اس بات پر یقین کرے کہ جو کوئی نفع کسی زَر پر کمایا جائے وہ تجارت کا رِسک برداشت کرنے کا انعام ہونا چاہئے، یہ رِسک ماہروں کے ذریعے اور تجارتوں کے تنوع کے ذریعے کم ہو کر صرف فرضی اور نظریاتی رِسک رہ جاتا ہے، تاہم اس رِسک کو بھی مکمل طور پر ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے، وہ ایک شخص جو نفع کمانا چاہتا ہو اسے اس کم سے کم رِسک کو ضرور قبول کر لینا چاہئے، چونکہ یہ تصور عموماً مشترک سرمایہ کی کمپنیوں میں پہلے سے موجود ہے، لہٰذا اس میں کبھی کوئی یہ اعتراض نہیں کرتا کہ شرکاء کے سرمایہ کو نقصان ہو گیا، یہ مشکل اسی نظام میں پیدا ہوتی ہے جب بینکاری اور تمویل کو عام تجارتی سرگرمیوں سے الگ قرار دیا جاتا ہے، اور جب یہ یقین کیا جاتا ہے کہ بینک اور تمویلی ادارے صرف زَر اور کاغذ کی حد تک معاملات کرتے ہیں، اور تجارت اور صنعت کے حقیقی نتائج سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہی وہ بنیادی اُصول ہے کہ جس کی بنیاد پر یہ دلیل دی جاتی ہے کہ وہ ہر حالت میں ایک متعین نفع کے حقدار ہوتے ہیں۔ تمویلی شعبے کی تجارت وصنعت کے شعبے سے لازمی علیحدگی معیشت پر بحیثیتِ مجموعی عظیم نقصان کا سبب بنی ہے، ظاہر ہے کہ جب ہم ''اسلامی بینکاری'' کا لفظ بولتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اس روایتی نظام کے ہر پہلو میں، ہر طرح سے اس کا اتباع کرے گا، اسلام کے اپنے اُصول واقدار ہیں، جن کا تمویل (فائنانسنگ) اور صنعت وتجارت میں افتراق وعلیحدگی پر ایمان نہیں ہے، ایک مرتبہ جب یہ اسلامی نظام سمجھ لیا جائے تو لوگ نقصان کے نظریاتی امکان کے باوجود نفع آور مشترک سرمایہ کی کمپنیوں میں سرمایہ کاری سے زائد اس میدان میں سرمایہ کاری کریں گے۔

۲: خیانت (Dishonesty)

۲۱۴: مشارکہ فائنانسنگ کے خلاف ایک دُوسرا خدشہ یہ کیا جاتا ہے کہ خائن لوگ تمویل کنندگان (Financeirs) کو عقدِ مشارکہ میں نفع ادا نہ کر کے استحصال (Exploit) کریں گے، وہ ہمیشہ یہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ تجارت نے کوئی نفع نہ کمایا، بلکہ وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ انہیں نقصان ہو

گیا کہ جس میں بعض اوقات نہ صرف نفع بلکہ اصل سرمایہ بھی ڈوب گیا۔

۲۱۵: اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک جائز اور صحیح خدشہ ہے، خصوصاً ایسے معاشروں میں جہاں پر خیانت روزمرہ کا معمول ہے، تاہم اس مسئلے کا حل اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ عموماً سمجھا یا بیان کیا جاتا ہے۔

۲۱۶: اگر ملک کے تمام بینک مرکزی بینک اور حکومت کی محتاط پشت پناہی کے ساتھ خالص اسلامی طریقے سے چلائے جائیں تو پھر خیانت کے مسئلے پر قابو پانا بہت زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ سب سے پہلے تو کریڈٹ ریٹنگ کے نظام کو بھرپور طریقے سے نافذ العمل کرنا ہوگا، ہر کمپنی اور شراکتی ادارے کو قانون کی طرف سے آزاد کریڈٹ ریٹنگ پر مجبور کیا جانا چاہئے، یہاں تک کہ ایسی بڑی بڑی فرمیں جو متعینہ مقدار سے زائد تمویل چاہ رہی ہوں ان کو بھی اسی قانون کا تابعدار بنانا ہوگا، دُوسرے یہ کہ آڈیٹنگ کا ایک بہترین منظم نظام بھی نافذ العمل کیا جائے گا، جہاں پر تمام صارفین کے اکاؤنٹس اچھی طرح مرتب اور کنٹرول کیے جائیں۔ بعض علماء کی رائے کے مطابق نفع کو خام (Gross) نفع کی بنیاد پر بھی شمار (Calculate) کیا جاسکتا ہے، تاہم اگر کبھی کسی صارف سے کوئی بددیانتی، خلاف ورزی یا غفلت سرزد ہوجائے تو اسے تعزیری اقدامات کا مستوجب قرار دیا جائے اور اسے آئندہ کم از کم ایک مخصوص مدت کے لئے کسی بھی بینک سے اس قسم کی سہولت (Facility) سے محروم کردیا جائے۔

۲۱۷: اس قسم کے اقدامات حقیقی منافع کو چھپانے یا کوئی دُوسرا عملِ خیانت سرانجام دینے کے لئے ایک مضبوط مانع (Deterrent) ثابت ہوں گے، اس کے علاوہ کسی بھی بینک کے صارفین مستقل مصنوعی نقصانات ظاہر کرنے کے متحمل نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ کئی لحاظ سے ان کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ یہ بات سچ ہے کہ تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود بعض اوقات کوئی خائن صارف اپنے مذموم منصوبے میں کامیاب ہوسکتا ہے، لیکن تعزیری اقدامات اور تجارت کی عام فضا تدریجاً اس قسم کے واقعات کو کم کردے گی (یہاں تک کہ ایک سود پر مبنی معیشت میں بھی نادہندگان ہمیشہ بُرے قرضوں (Bad Debts) کے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں)، لیکن اسے پورے مشارکہ کے نظام کو مسترد کرنے کا عذر یا علت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

عقدِ مرابحہ

۲۱۸: مزید براں اسلامی بینک نفع نقصان میں شرکت تک محدود نہیں ہیں، اگرچہ مشارکہ ایک سب سے پسندیدہ طریقۂ تمویل ہے، جو کہ نہ صرف اسلامی فقہ کے اُصولوں کے عین مطابق ہے

بلکہ اسلامی معیشت کے بنیادی فلسفے کے بھی مطابق ہے، اس کے باوجود چند ایسے متنوع قسم کے طریقہ ہائے تمویل مثلاً مرابحہ، اجارہ، سلم، استصناع وغیرہ بھی موجود ہیں، کہ جن کو بینکوں کے اثاثوں کی جگہ (Assets Side) میں استعمال کیا جاسکتا ہے، ان طریقوں میں سے چند ایک کم خطرے والے ہیں اور انہیں ان مواقع پر اختیار کیا جاسکتا ہے جہاں مشارکہ غیر معمولی رسک رکھتا ہو یا کسی مخصوص معاملے میں استعمال نہیں کیا جاسکتا ہو۔ بعض اپیل کنندگان نے یہ شکایت بھی کی کہ وفاقی شرعی عدالت نے اپنے زیرِ نظر فیصلے میں یہ اعلان کیا ہے کہ مارک اَپ کا نظام بھی اسلامی اَحکامات کے خلاف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مرابحہ جائز طریقۂ تمویل کے طور پر اسلامی بینکوں میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

۲۱۹: یہ شکایت بھی غلط مفروضہ ہے، وفاقی شرعی عدالت نے اُصولی طور پر عقدِ مرابحہ کو ناجائز قرار نہیں دیا ہے، بلکہ اس کے برعکس اس نے اپنے فیصلے میں برآمدات کی تمویل کے ضمن میں پیراگراف نمبر ۲۶۷ میں مرابحہ کا طریقہ تجویز بھی کیا ہے، تاہم عدالت ''مروّجہ مارک اَپ'' کے نظام کو اسلامی اُصولوں سے متصادم قرار دیتی ہے، اور اس خدشے کا اظہار کرتی ہے کہ یہ طریقہ بھی غلط طریقے سے استعمال کیا جائے گا، اور اس کو بڑے پیمانے پر اس کی ضروری شرائط کی تکمیل کیے بغیر نافذ کردیا جائے گا، تو یہ موجودہ نظام میں کوئی تبدیلی نہیں لائے گا۔

ہم پہلے ہی اس بات کا تذکرہ کرچکے ہیں کہ پاکستان میں موجود مارک اَپ کا نظام کسی بھی معنیٰ میں مرابحہ نہیں ہے، یہ تو صرف نام کی تبدیلی ہے، نام نہاد تجارتِ اشیاء حقیقت میں کبھی انجام نہیں پاتی، اگر مرابحہ اپنی تمام ضروری شرائط کے ساتھ نافذ کیا جائے تو یہ شریعت میں ناجائز نہیں ہے، اور نہ خود وفاقی شرعی عدالت نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ ہم پہلے ہی حرمتِ ربا کے بارے میں منکرین کے اس اعتراض کہ تجارت بھی ربا کی مانند ہے کے پسِ منظر میں (اس فیصلے کا پیراگراف نمبر ۵۰ اور ۵۱) یہ بیان کرچکے ہیں کہ وہ اشیاء کو اُدھار پر زیادہ قیمت کے ساتھ فروخت کیا کرتے تھے، ان کا اعتراض یہی تھا کہ وہ جب قیمت کسی تجارت کے ابتدائی مرحلے پر بڑھاتے ہیں تو اسے حرام قرار نہیں دیا جاتا، لیکن جب خریدار وقتِ مقررہ پر قیمت ادا کرنے سے قاصر ہوجائے اور وہ کوئی اضافی رقم اضافی مدت کے عوض ادا کرے تو اسے ربا اور حرام قرار دیا جاتا ہے، تو قرآنِ کریم نے اس اعتراض کا یہ کہہ کر جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔

جیسا کہ سابق میں (اس فیصلے کے پیراگراف نمبر ۱۹۰ میں) بیان کیا گیا ہے، مرابحہ درحقیقت ایک تجارت ہے، وہ اپنی اصل کے لحاظ سے طریقۂ تمویل نہیں ہے، لہٰذا اس میں تجارت کے تمام بنیادی اُصولوں کو پورا کرنا ہوگا، اسے صرف اس صورت میں استعمال کیا جائے گا جہاں پر صارف کو

کوئی چیز خریدنی ہو، بینک کو اسے اصل فروخت کنندہ (Supplier) سے خریدنا ہوگا، اور پھر اس کی ملکیت اور قبضہ (حقیقی یا حکمی) لینے کے بعد اسے صارف کو فروخت کرنا ہوگا، یہ تمام اجزاء ایک جائز مرابحہ میں اپنے تمام قانونی اور منطقی اثرات کے ساتھ موجود ہونا ضروری ہیں، بالخصوص بینک کو اتنے عرصے تک اس چیز کا رسک برداشت کرنا ضروری ہے جتنے عرصے وہ چیز اس کی ملکیت اور قبضے میں رہتی ہے، یہی وہ بنیادی اوصاف ہیں جو عقدِ مرابحہ کو سود پر مبنی تمویل سے ممتاز کرتے ہیں، لیکن اگر ایک مرتبہ بھی انہیں نظر انداز کر دیا گیا، خواہ آسانی کی خاطر، تو پھر یہ پورا عقد سود پر مبنی تمویل کے میدان میں داخل ہو جائے گا۔

۲۲۰: عقدِ مرابحہ پر ایک یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب اس کو طریقۂ تمویل کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے تو اُدھار کی صورت میں ایک اضافی یا زائد قیمت عائد کی جاتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عقدِ مرابحہ کی صورت میں کسی چیز کی قیمت نقد بازاری قیمت سے زائد ہوتی ہے، چونکہ قیمت اس وقت کے عوض زیادہ کی گئی ہے جو وقت خریدار کو دیا گیا ہے، لہٰذا یہ سود پر مبنی عقدِ قرض کے مشابہ ہو گیا۔

۲۲۱: ہم اس فیصلے کے پیراگراف نمبر ۱۳۶ تا ۱۴۰ میں یہ بات پیچھے ذکر کر چکے ہیں کہ اسلام نے زَر اور شے کے ساتھ مختلف انداز میں برتاؤ اور معاملہ کیا ہے، دونوں کے مختلف اوصاف ہونے کی وجہ سے دونوں مختلف اُصول وقواعد کے محتاج ہیں، چونکہ زَر کی اپنی کوئی ذاتی قدر نہیں ہوتی، بلکہ یہ صرف ایک ایسا آلۂ تبادلہ ہے جس کے کوئی مختلف اوصاف نہیں ہوتے، تو زَر کی ایک اکائی کو اگر اسی مالیت زَر کی دُوسری ایک اکائی سے تبادلہ کیا جائے تو وہ صرف قیمتِ اسمیہ (Par Value) پر ہی ہو سکتا ہے، اگر ایک ہزار پاکستانی روپے کا ایک کرنسی نوٹ دُوسرے پاکستانی نوٹ سے مبادلہ کیا جائے تو پھر اسے بھی ضرور ایک ہزار روپے کی مالیت کا ہی ہونا چاہئے، نوٹ کی قیمت حتیٰ کہ نقد فروختگی میں بھی ایک ہزار سے نہ تو بڑھ سکتی ہے اور نہ ہی کم ہو سکتی ہے، کیونکہ کرنسی نوٹ کی کوئی ذاتی منفعت یا اس میں کوئی مختلف اوصاف (قانوناً معتبر) نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ بغیر کسی عوض کے کسی ایک جانب میں کوئی اضافہ شرعاً جائز نہیں ہے، جب یہ بات نقد معاملے میں صحیح ہے تو پھر یہ بات ادھار معاملے میں بھی صحیح ہونی چاہئے جہاں پر دونوں طرف زَر ہوتا ہے، کیونکہ اگر اُدھار کے معاملے میں ایسا کوئی اضافہ طلب کیا گیا (جہاں پر صرف زَر کا زَر سے تبادلہ ہو رہا ہو) تو پھر یہ اضافہ وقت کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں ہوگا۔

۲۲۲: عام اشیاء کا معاملہ مختلف ہے، چونکہ وہ اپنی ذاتی منفعت اور مختلف اوصاف رکھتی ہیں، تو ان کا مالک انہیں طلب ورسد کے قوانین کے تحت جس قیمت پر فروخت کرنا چاہے، فروخت کر سکتا ہے، اگر کوئی فروخت کنندہ کسی فریب یا غلط بیانی سے کام نہ لے تو وہ اپنی چیز بازاری قیمت سے

زائد قیمت پر فروخت کر سکتا ہے، بشرطیکہ خریدار اس پر راضی ہو۔ اگر خریدار اسے اس اضافی قیمت پر خریدنے پر راضی ہو تو وہ اضافی رقم فروخت کنندہ کے لئے اس سے وصول کرنا بالکل جائز ہے، جب کوئی فروخت کنندہ کوئی چیز کسی اضافی قیمت کے ساتھ نقد فروخت کر سکتا ہے تو پھر اضافی وقت کے ساتھ اُدھار پر بھی فروخت کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ غلط بیانی سے کام نہ لے اور نہ ہی اسے خریدنے پر مجبور کرے اور خریدار اسے خریدنے پر اپنی آزادی کے ساتھ راضی ہو۔

۲۲۳: بعض اوقات یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ نقد کی صورت میں قیمتوں میں اضافہ اُدھار ادائیگی پر مبنی نہیں ہے، لہٰذا یہ جائز ہے، البتہ اُدھار ادائیگی پر مبنی خرید و فروخت میں قیمتوں میں اضافہ خالص وقت کی وجہ سے ہے، چنانچہ یہ سود کے بالکل مشابہ ہے۔ یہ دلیل بھی اس غلط تصور پر مبنی ہے کہ جب بھی قیمت میں وقتِ ادائیگی کے پیشِ نظر اضافہ کیا جاتا ہے تو یہ سود کی تعریف میں داخل ہو جاتا ہے، یہ تصور بالکل غلط ہے، کوئی بھی اضافی رقم جو تأخیر سے ادائیگی کی صورت میں عائد کی جائے وہ صرف اس وقت ربا بنتی ہے جبکہ دونوں جانب تبادلہ نقدی یا زَر کا ہو، لیکن اگر کوئی چیز کسی زَر کے مدِ مقابل فروخت کی جا رہی ہو تو بوقتِ تعیینِ قیمت، فروخت کنندہ بشمول وقتِ ادائیگی کے بہت سارے عوامل اپنے مدِ نظر رکھتا ہے، ایک فروخت کنندہ کسی ایسی چیز کا مالک ہونے کی حیثیت سے جو اپنی ذاتی منفعت و افادیت رکھتی ہو، ایک سے زیادہ قیمت عائد کر سکتا ہے، اور خریدار بھی اسے ادا کرنے پر مختلف وجوہ سے راضی ہو سکتا ہے، مثلاً:

(۱) اس کی دُکان خریدار سے کافی قریب ہو کہ وہ اس مارکیٹ میں جانا نہ چاہتا ہو جو اس سے اتنی نزدیک نہ ہو۔

(۲) یہ فروخت کنندہ خریدار کے لئے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ قابلِ اعتماد و بھروسہ ہو اور خریدار کو اس پر اس بارے میں بھی مکمل بھروسہ ہو کہ فروخت کنندہ اسے وہ چیز کسی بھی نقصان یا خرابی کے بغیر فروخت کرے گا۔

(۳) فروخت کنندہ اسے ایسی چیز کو جس کی طلب زیادہ ہو فروخت کرتے ہوئے دُوسرے خریداروں کے مقابلے میں ترجیح زیادہ دیتا ہو۔

(۴) اس فروخت کنندہ کی دُکان کی فضاء دُوسری دُکانوں کے مقابلے میں زیادہ صاف ستھری اور خوش نما ہو۔

(۵) یہ فروخت کنندہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ با اخلاق ہو۔

۲۲۴: یہ اور اس طرح کے دُوسرے اسباب گاہک سے اضافی رقم وصول کرنے کا سبب بن

سکتے ہیں، اسی طرح اگر فروخت کنندہ اس وجہ سے قیمت بڑھائے کہ خریدار کے لئے اُدھار کی بھی اجازت دے رہا ہے تو یہ شرعاً ناجائز نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی دھوکا، فریب نہ ہو، اور خریدار اسے کھلی آنکھوں قبول کرے، کیونکہ اس صورت میں خواہ قیمت میں اضافے کا کوئی بھی سبب ہو اس کے باوجود مکمل قیمت کسی جنس (Commodity) کے بدلے ہے نہ کہ زَر اور نقدی کے بدلے۔ یہ صحیح ہے کہ بوقتِ اضافہ قیمت فروخت کنندہ نے اپنے مدِنظر ادائیگیٔ قیمت کا وقت بھی رکھا ہوگا، لیکن ایک مرتبہ جب قیمت متعین ہوگئی تو اب وہ اجناس یا اشیاء سے وابستہ ہوگئی نہ کہ وقت سے، چنانچہ اب وہ قیمت متعین ہوچکی ہے اور وہ فروخت کنندہ کی طرف سے کبھی بڑھائی نہیں جاسکتی، اگر یہ اضافی قیمت وقت کے عوض ہوتی تو اس صورت میں جب فروخت کنندہ اسے ادائیگی کے لئے مزید وقت کی مہلت دیتا تو قیمت میں اضافہ کرنا ممکن ہوتا۔

۲۲۵: اس بات کو ایک اور رُخ سے دیکھئے، جیسا کہ سابق میں ذکر کیا گیا چونکہ زَر صرف قیمتِ اسمیہ پر ہی فروخت ہوسکتا ہے، تو (زَر کو زَر سے) اُدھار فروخت یا تبادلے کی صورت میں اضافی قیمت یا رقم صرف وقت کے عوض ہی ہوگی، چنانچہ اگر مقروض کو قرض کی میعاد (Maturity) پوری ہونے پر مزید وقت کی مہلت دی جائے تو قرض خواہ عموماً اس سے مزید رقم کا مطالبہ کرتا ہے، اس کے برخلاف کسی چیز کی اُدھار فروخت کی صورت میں تعینِ قیمت کے وقت صرف وقت ہی خصوصی بدل یا عوض نہیں ہے، قیمت کسی شے کے بدلے متعین کی گئی ہے، نہ کہ وقت کے بدلے، تاہم اس چیز کی فروختگی میں وقت پیچھے ذکر کردہ عوامل کی طرح ایک اضافی عامل کا کردار تو ادا کرتا ہے لیکن ایک مرتبہ جب اس عامل نے اپنا کردار ادا کردیا تو اب اس قیمت کا ہر ہر حصہ اس چیز کی طرف منسوب ہوگا۔

۲۲۶: اس مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب زَر کا زَر کے ذریعے تبادلہ کیا جائے تو کوئی اضافی رقم جائز نہیں ہے، نہ نقد معاملے کی صورت میں اور نہ اُدھار کی صورت میں، لیکن جب ایک شے کسی زَر کے بدلے فروخت کی جارہی ہو تو فریقین کی طے کردہ قیمت بازاری قیمت کے مقابلے میں نقد اور اُدھار دونوں صورت میں زیادہ مقرر کی جاسکتی ہے، کسی چیز کی قیمت متعین کرتے وقت ادائیگی کا وقت ایک اضافی عامل بھی بن سکتا ہے، لیکن یہ زَر کے زَر سے تبادلے کی صورت میں اضافی رقم کے مطالبے کے لئے خصوصی بنیاد یا مکمل عوض نہیں بن سکتا۔

۲۲۷: مذکورہ بالا صورتِ حال مذاہبِ اربعہ اور جمہور فقہاء نے تسلیم کی ہے، یہی شریعت میں مرابحہ کی صحیح قانونی صورتِ حال ہے، تاہم دو نکات ہمیشہ یاد رکھنے چاہئیں:

(۱) مرابحہ کو جب ایک تجارتی تمویل کے طریقے کے طور پر استعمال کیا جائے تو یہ ایسی

سرحد پر واقع عقد ہے کہ جس کے اور سودی قرضے کے درمیان شناخت کے خطوط بہت باریک ہیں، شناخت کی یہ باریک لکیریں صرف اسی وقت نظر آسکتی ہیں جب ان تمام بنیادی شرائطِ مرابحہ کو ملحوظ رکھ کر عقد کیا جائے جو پیچھے ذکر کی گئی ہیں، ان میں سے کسی ایک سے غفلت برتنے کی صورت میں یہ عقد سودی تمویل میں بدل جائے گا، لہٰذا اس عقد کو ضروری احتیاط اور توجہ کے ساتھ سرانجام دیئے جانے کی ضرورت ہے۔

(۲) عقدِ مرابحہ کے جواز کے باوجود یہ غلط استعمال کا باعث بن سکتا ہے، اور اسلام کے تمویلی نظام کے فلسفے کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ ایک آئیڈیل طریقۂ تمویل نہیں ہے، لہٰذا اسے صرف انہی صورتوں میں اختیار کرنا چاہئے جہاں مشارکہ اور مضاربہ قابلِ استعمال نہ ہوں۔

۲۲۸: مشارکہ اور مضاربہ کے علاوہ کچھ دُوسرے طریقہ ہائے تمویل بھی مختلف قسم کی تمویل میں اختیار کیے جاسکتے ہیں، مثلاً اجارہ (Leasing)، سلم اور استصناع وغیرہ۔ ہمیں ان کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ ان مختلف رپورٹوں میں تفصیل سے ذکر کیے گئے ہیں جو سود کے خاتمے سے متعلق حکومت کو پیش کی گئی ہیں، اس سلسلے میں سب سے تفصیلی رپورٹ ۱۹۸۰ء میں اسلامی نظریاتی کونسل نے پیش کی تھی، دُوسری رپورٹ شریعت ایکٹ کے مطابق بنائے گئے اسلامائزیشن کمیشن آف اکانومی نے پیش کی تھی، یہ کمیشن بھی اپنی جامع رپورٹ حکومت کو ۱۹۹۱ء میں پیش کرچکا ہے، آخر میں اسی کمیشن کو دوبارہ راجہ ظفرالحق کی سربراہی میں دوبارہ بنایا گیا، جس نے اپنی آخری رپورٹ ۱۹۹۷ء میں داخل کی۔

ہم ان تمام رپورٹوں کا مطالعہ کرچکے ہیں، ہم ان رپورٹوں میں موجود ہر تفصیلی تجویز پر تبصرہ کیے بغیر اس بات پر اطمینان کا اظہار کرتے ہیں کہ ان تمام رپورٹوں کو موجودہ تمویلی نظام تبدیل کرنے کا بنیادی زمینی کام قرار دینا چاہئے۔

۲۲۹: اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ نظریۂ ضرورت کو موجودہ سودی نظام کو ایک غیر محدود وقت یا ہمیشہ کے لئے بچانے کے واسطے لاگو نہیں کیا جاسکتا، تاہم یہ نظریۂ ضرورت صرف اس نظام کو سود سے غیرسودی نظام میں تبدیل کرنے کے لئے حکومت کو درکار ایک مناسب وقت کی اجازت دینے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

حکومت کے قرضے

۲۳۰: سود کے خاتمے کے سلسلے میں ایک بڑی مشکل حکومتی قرضوں کو قرار دیا جارہا ہے،

موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ حکومت پاکستان ملکی اور غیر ملکی قرضوں میں جکڑی ہوئی ہے، جہاں تک ملکی قرضوں کا تعلق ہے، ان کو اسلامی طریقہ ہائے تمویل میں تبدیل کرنے کے بارے میں مذکورہ بالا رپورٹوں میں تفصیلی طریقۂ کار مذکور ہے۔ ڈاکٹر وقار مسعود خان صاحب جو عالمی یونیورسٹی اسلام آباد کے نائب صدر ہیں، وہ اس مقدمے میں عدالتی مشیر کی حیثیت سے پیش ہوئے، اور انہوں نے اس اہم مسئلے پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اس شعبے (Sector) سے سود کے خاتمے کا لائحہ عمل پیش کیا، ان کے عدالت میں پیش کردہ بیان کے صفحہ: ۲۹ تا ۴۹ میں انہوں نے اس مسئلے پر بحث کی ہے، ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام حکومتی اندرونی قرضے پروجیکٹ فائنانس کی بنیاد پر ڈیزائن کرنے چاہئیں، یہ طریقہ شریعت کے مطابق ہونے کی وجہ سے قرضوں پر حاصل شدہ رقوم کی خرد بُرد، خیانت اور غلط استعمال سے روکنے میں مددگار ہوگا، اس مواد پر غور کرنے کے بعد ہمارا ابھی یہی خیال ہے کہ اس شعبے (Sector) میں بھی سود کے غیر معین مدت تک جاری رہنے کی ضرورت نہیں ہے، تاہم اس وجہ سے اس شعبے کو اسلامی طریقے سے بدلنے کے لئے بینکاری کے پرائیویٹ معاملات کی بہ نسبت زیادہ مہلت کی ضرورت ہوسکتی ہے۔

غیر ملکی قرضے

۲۳۱: اگرچہ موجودہ مقدمے میں غیر ملکی قرضوں سے متعلق قوانین بطورِ خاص زیرِ بحث نہیں ہیں، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ اگر ایک مرتبہ سود کو ناجائز قرار دے دیا گیا تو یہ قوانین بھی کسی لحاظ سے ممانعت کی زَد میں آئیں گے، یہ سب سے زیادہ مشکل علاقہ معلوم ہوتا ہے جہاں پر سودی نظام کی حرمت کو نافذ العمل کیا جائے۔ حکومتی غیر ملکی قرضے ۱/۳/۱۹۹۹ء کے اعداد و شمار کے مطابق ۳۱ء۱۵ بلین ڈالرز یا ۱۶۱۰ بلین روپے انٹر بینک ریٹ کے مطابق ہیں، یہ دلیل دی جارہی ہے کہ اس قسم کے قرضوں کو غیر سودی قرضوں میں بدلنا تقریباً ناممکن ہے۔

۲۳۲: اس سے قبل کہ ہم اس مسئلے کے اسلامی حل پر غور کریں، ہمیں اس بات کو مدِ نظر رکھنا ہوگا کہ غیر ملکی قرضوں کی مقدار میں جس تیز رفتاری سے اضافہ ہورہا ہے اس پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے، ابتدا میں ہم نے بین الاقوامی ذرائع سے ترقیاتی منصوبوں کے لئے قرضے لیے، بعد میں غیر ملکی قرضوں کا دائرہ غیر ترقیاتی اخراجات تک بڑھا دیا گیا، اس کے بعد بہت بھاری مقدار میں قرضے چکانے (Debt Servicing) کے لئے لیے گئے، اب یہ قرضے بین الاقوامی قرض خواہوں کو سود ادا کرنے کے واسطے لیے جارہے ہیں۔

۲۳۳: اس بات کا احساس کرنے کے لئے معاشیات کے کسی ماہر کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ ایک ایسی خطرہ کی گھنٹی ہے کہ ہماری قوم کو ہمارے قرض خواہوں کی غلامی کی طرف لے جا رہی ہے، ہم ہر سال بھاری قرضے لے کر اپنی موجودہ اور آئندہ آنے والی نسلوں کو گروی (رہن) رکھوا رہے ہیں، یہ خیال کہ غیر ملکی قرضے ترقی پذیر ممالک کے ترقی کے منصوبوں میں مددگار ہوتے اور خوشحالی لانے کا سبب بنتے ہیں، تیسری دُنیا کے بہت سارے ممالک کی حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے جھوٹا اور غلط معلوم ہوتا ہے، اس خیال کا بڑھتا ہوا احساس آزاد معیشت دان کر رہے ہیں۔

سوسن جورج فرانس میں رہنے والی ایک امریکی معیشت دان ہیں، انہوں نے عالمی مسائل اور ترقی پر کافی لکھا ہے، وہ ایمسٹرڈم کے ٹرانزنیشنل انسٹی ٹیوٹ کی ایسوسی ایٹ ڈائریکٹر بھی ہیں، اور ان کی تیسری دُنیا کے قرضے کے موضوع پر کتابوں کی کافی ستائش بھی کی گئی ہے، ان میں سے بعض نے عالمی تمغے (Awards) بھی حاصل کیے ہیں، انہوں نے تیسری دُنیا کے قرضوں کے آنکھیں کھول دینے والے نتائج کا درج ذیل خلاصہ نکالا ہے:

According to the OECD, between 1982 and 1990, total resource flows to developing countries amounted to $ 927 billion. This sum includes OECD categories of Official Development Finance, Export Credits and Private Flows, in other words, all official bilateral and multilateral aid, grants by private charities, trade credits plus direct private investment and bank loans. Much of this inflow was not in the form of grants but was rather new debt, on which dividends or interest will naturally come due in future.

During the same 1982 - 92 period, developing countries remitted in debt service alone 1342 billion (interest and principal) to the creditor countries. For a true picture of resource flows, one would have to add many other South - to - North out - flows, such as royalties, dividends, repatriated profits, underpaid raw materials and the like. The income - outflow difference

between $ 1345 and $ 927 billion is thus a much understated $ 418 billion in the rich countries' favour. For purposes of comparison, the US Marshall Plan transferred $ 14 billion in 1948 to war - ravaged Europe, about $ 70 billion in 1991. Thus in the eight years from 1982 - 90, the poor have financed six Marshall Plans for the rich through debt service alone.

Have these extraordinary outflows at least served to reduce the absolute size of the debt burden? Unfortunately no. Inspite of total debt service, including amortization, of more than 1.3 trillion dollars from 1982 - 90, the debtor countries as a group began the 1990s fully 61 percent more in debt than they were in 1982. Sub-Saharan Africa's debt increased by 113 percent during this period; the debt burden of the very purest - the so-called 'LLDCs' or 'least developed' countries - was up by 110 percent.[1]

ترجمہ: OECD کے مطابق ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۰ء تک تمام ترقی پذیر ممالک میں تمام ذرائع کا بہاؤ (Flow) ۹۲۷ بلین ڈالرز کی مالیت تھا، یہ رقم OECD کی سرکاری ترقیاتی تمویل (Official Development Finance) برآمدی قرضے اور ذاتی ذرائع (Flows) پر مشتمل تھا، بالفاظِ دیگر تمام عطیات ذاتی عطیات، تجارتی قرضے بمعہ ذاتی بلاواسطہ سرمایہ کاری اور بینکاری قرضوں کے ذریعے دوطرفہ یا کثیرالاطراف سرکاری امدادیں اس میں شامل تھیں، ان میں سے اکثر امدادیں عطیات کی شکل کے بجائے نئے قرضوں کی شکل میں تھیں، جن پر مستقبل میں نفع یا سود عادۃً واجب الادا ہونا تھا۔

۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۰ء کے زمانے کے دوران ترقی پذیر ممالک نے صرف

(1) Susan George: The Debt Boomerang How the Third World Debt Harms us all, Pluto Press, London 1992.

قرضوں کی ادائیگی میں قرض دینے والے ممالک کو (سود بمعہ اصل سرمایہ کے) ۳۴۲ بلین ادا کیے، آمدِ ذرائع کی صحیح تصویر کشی کے لئے کچھ دُوسرے جنوب سے شمال تک کے اخراجات بھی شامل کرنے ہوں گے، مثلاً رائیلٹی، نفع، اپنے وطن میں نفع کی منتقلی اور خام مال کے رواں اخراجات وغیرہ۔ ۹۲۷ بلین آمدنی کے مقابل میں ۱۳۴۵ بلین ڈالرز کی جوادائیگی مقروض ملکوں کو کرنی پڑی اس کا مطلب یہ ہے کہ ۴۱۷ بلین ڈالر کا باہمی فرق سراسر مالدار ممالک کے حق میں رہا۔ موازنے کے مقصد سے یہ ذہن میں رکھئے کہ امریکی مارشل پلان نے صرف ۱۴ بلین ڈالرز ۱۹۴۸ء میں اور ۷۰ بلین ڈالرز ۱۹۹۱ء میں یوروپین جنگ زدہ اقوام کو منتقل کیے تھے، قرضوں اور ادائیگی کے مذکورہ بالا فرق کا موازنہ مارشل پلان سے کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۰ء تک غریب ممالک نے مال داروں کو چھ مارشل پلان صرف اپنے قرضوں کے سود کی ادائیگی کے طور پر ادا کیے۔ کیا ان غیر معمولی اخراجات نے کم از کم قرضوں کے یقینی بوجھ کو کم کرنے کی خدمت انجام دی ہے؟ بدقسمتی سے یہ بات نہیں ہے، ۱.۳ ٹریلین ڈالرز سے زائد کی اصل قرضوں سمیت سود کی ادائیگی کے باوجود مقروض ممالک نے ۱۹۹۰ء میں ۱۹۸۳ء کے قرضوں کے مقابلے میں ۶۱ فیصد زائد قرضے حاصل کیے، افریقا کے چھوٹے صحرائی علاقوں میں قرضے اس دوران ۱۱۳ فیصد تک بڑھے، قرضوں کا بوجھ سب سے کم ترقی یافتہ ممالک میں صحیح ترین اعداد وشمار کے مطابق ۱۱۰ فیصد تک گیا۔

بہت سے معتدل مصنفین کا خیال ہے کہ تیسری دُنیا کا قرضہ صرف تمویلی معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک سیاسی معاملہ بھی ہے، عموماً ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے قرضوں کے ساتھ بڑی سخت شرائط بھی منسلک ہوتی ہیں، اگرچہ معاشی وسماجی اخراجات کے مقصد کے لئے امدادی پروگرام اس بات کی توثیق کرتا ہے کہ یہ فنڈ ترقیاتی اُمور میں استعمال ہوگا، تاہم جب وہ منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں اور قرضے بڑھ جاتے ہیں، تو وہ امدادی پرگرام اسٹرکچل ایڈجسٹمنٹ کے تابع بن جاتے ہیں جس کا کام مقروض ممالک کی پوری معیشت کی ترقی کی نگرانی کرنا ہوتا ہے، گویا کہ قرض دینے والے ممالک اس طرح تیسری دُنیا کے ممالک کے اندرونی معاملات اور پالیسیوں میں دخل اندازی کا جواز پیدا کر لیتے ہیں، اور پھر جب (ان کی زیرِ نگرانی) معاشی پالیسیاں بھی ناکام ہو جاتی ہیں تو پھر وہ ''سادگی پروگرام''

(Austerity Programs) متعارف کراتے ہیں، جس میں سماجی، بہبودی اور تعلیمی اخراجات کو کافی حد تک ختم کر دیا جاتا ہے، سوسن جورج اور فیبر یزیو سبیلی نے ان پالیسیوں کے نتائج پر درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

> Between 1980 and 1989 some thirty-three African countries received 241 structural adjustment loans. During that same period, average GDP per capita in those countries fell 1.1% per year, while per capita food production also experienced steady decline. The real value of the minimum wage dropped by over 25%, government expenditure on education fell from $ 11 billion to $ 7 billion and primary school enrolments dropped from 80% in 1980 to 69% in 1990. The number of poor people in these countries rose from 184 million in 1985 to 216 million in 1990, an increase of seventeen percent.(1)

ترجمہ: ۱۹۸۰ء اور ۱۹۸۹ء کے درمیان بعض ۳۳ افریقی ممالک نے ۲۴۱ اسٹرکچل ایڈجسٹمنٹ قرضے لیے، اسی زمانے میں فی شخص (Per Capita) متوسط کام مجموعی پیداوار (GDP) گر کر ۱ء۱ فیصد سالانہ ہوگئی، جبکہ فی شخص غذائی پیداوار بھی مسلسل کم ہوتی رہی۔ کم از کم اُجرتوں کی مقدار ۲۵ فیصد سے بھی زیادہ گر گئی، تعلیم پر حکومتی اخراجات کم ہو کر ۱۱ بلین ڈالرز سے کم ہو کر ۷ بلین ڈالرز رہ گئے، اور پرائمری اسکول کے داخلے ۱۹۸۰ء میں ۸۰ فیصد سے گر کر ۱۹۹۰ء میں ۶۹ فیصد تک ہو گئے، غریب عوام کی تعداد ان ممالک میں ۱۹۸۵ء میں ۱۸۴ ملین تھی جو ۱۹۹۰ء میں ۲۱۶ ملین ہو کر ۱۷ فیصد بڑھ گئی۔

۲۳۴: عالمی بینک کے خود اعداد و شمار کے مطابق جن کے بارے میں بعض سنجیدہ معیشت دان شبہ میں ہیں، عالمی بینک کی تمویل کردہ منصوبوں میں کامیابی کی شرح ۵۰ فیصد سے بھی کم ہے،

(1) Susan George, Fabrizio Sablli: Faith And Credit, The World Bank's Secular Empire, Penguin 1998, P 141.

مزید براں ١٩٨٩ء کے جائزے کے بعد عالمی بینک کا اسٹاف کسی ایک ایسے منصوبے کی بھی نشاندہی نہ کر سکا جس میں برطرف کیے ہوئے لوگوں کو کسی اور جگہ بحال کر دیا گیا ہو، اور وہ ایسے معیارِ زندگی پر واپس آ گئے ہوں جو انہیں پہلے حاصل تھا۔(1)

٢٣٥: یہاں تک کہ کامیاب منصوبے بھی بہت کم ہی ان مقروض ممالک میں مجموعی معاشی خوشحالی کا سبب بنے ہیں، مائیکل روبوتھم کہتے ہیں:

> There has been a massive outpouring of literature on the subject of Third World debt. The books are characterized by one feature. Whereas the arguments and policies of the IMF and World Bank have been based upon an apparently reasonable theory, the studies give case after case and country after country, in which the theory has not worked in practice. Either loans have led to development, but repayment has proved impossible; or the projects funded have failed completely leaving the country with a massive debt and no hope of repayment, or repeated additional loans have become necessary simply to provide funds for the repayment of past loans. The debtor countries, as a group, began the 1990s fully 61% deeper in debt than they were in 1980.(2)

ترجمہ: تیسری دُنیا کے قرضوں کے موضوع پر بہت بڑی مقدار میں لٹریچر شائع کیا جا رہا ہے، کتابیں اسی موضوع کو زیرِ بحث لائے ہوئے ہیں، جبکہ آئی ایم ایف اور عالمی بینک کی طرف سے دلائل اور پالیسیوں میں یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ یہ دونوں معقول نظریات پر عمل پیرا ہیں، اس کے برخلاف مسلسل واقعات اور ممالک کے حالات پر تحقیق کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معقول نظریات پر عمل نہیں کیا جا رہا، یا تو قرضے ترقی کا سبب تو بنے لیکن ادائیگی قرض ناممکن ہو

(1) David Korten: When Corporations Role the Earth, Earthscan 1993 as quoted by Michael Robwtham "The Grip of Death". P 135.

(2) Michael Rowbotham: "The Grip of Death". P. 137.

گئی، یا فنڈ دیئے ہوئے منصوبے بھی مکمل طور سے اس طرح ناکام ہو گئے کہ ملک ایک عظیم قرضے کے جال میں پھنس گیا کہ اُس سے خلاصی اور قرضوں کی ادائیگی کا کوئی راستہ برقرار نہیں رہا، یا پھر اضافی قرضوں کے عمل کا اعادہ ضروری سمجھا گیا تا کہ سابقہ قرضوں کی ادائیگی کے لئے فنڈ مہیا ہو، مقروض ممالک مجموعی طور پر ۱۹۸۰ء کے مقابلے میں ۱۹۹۰ء میں ۶۱ فیصد مزید قرضوں میں ڈوب گئے۔

تیسری دُنیا کے قرض کے مقابلے بے زمین غلاموں اور بے گار مزدوروں سے کر کے بہت زیادہ تنقید کی گئی ہے، چیرل پیئر اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ:

The system can be compared point by point with peonage on an-individual scale. In the peonage, or debt slavery system...... the aim of the employer/ creditor/ merchant is neither to collect the debt once and for all, nor to starve the employee to death, but rather to keep the laborer permanently indentured through is debt to the employer...... Precisely the same system operates on the international level...... Is debt slavery on an international scale. if they remain within the system, the debtor countries are doomed to perpetual underdevelopment or rather, to development of their exports at the service of multinational enterprises, at the expense of development for the needs of their own citizens.(1)

ترجمہ: اس نظام کو انفرادی سطح پر بے گار مزدوری کے ساتھ نکتہ وار موازنہ کیا جا سکتا ہے، بے گار یا قرض کی غلامی کے نظام میں قرض خواہ مالک کا مقصد ایک مرتبہ پورا قرضہ وصول کرنا نہیں ہوتا، نہ ہی ملازم یا غلام کو مرنے پر مجبور کرتے ہیں، بلکہ اس کے بجائے اس کو ہمیشہ کے لئے بے گار مزدور بنا دیتے ہیں......

(1) Cheryl Payer: The Debt Trap: Monthly Review Press 1974 as quoted by Rowbotham, op cit. P. 137.

خلاصہ یہ کہ یہی نظام بین الاقوامی سطح پر بھی چل رہا ہے..... یہ بین الاقوامی سطح پر قرض کی غلامی ہے، اگر یہ نظام کے اندر ہیں تو مقروض مما لک ہمیشہ پس ماندہ یا پھر وہ اپنے شہریوں کی ضروریات کی قیمت پر بین الاقوامی تجارتوں کے ذریعے اپنے برآمد کنندگان کی ترقی کا باعث بنتے ہیں۔

۲۳۶: ۱۹۸۷ء میں انسٹی ٹیوٹ فور افریقن آلٹرنیٹو کی کانفرنس نے عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے خاتمے اور بریٹن ووڈس انٹرنیشنل مالیاتی نظام کے مکمل خاتمے کا مطالبہ کیا، کانفرنس نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ واقعاتی تجزیوں (Case Study) کے نتائج حسبِ ذیل تھے:

> In virtually ass cased, the impact of these (IMF and World Bank) projects has been basically negative. They have resulted in massive unemployment, falling real incomes, pernicious inflation, increased imports with persistent trade deficits, net outflow of capital, mounting external debts, denial of basic needs, severe hardship and deindustrialization. Even the so-called success stories in Ghana and the Ivory Coast have turned out to offer no more than temporary relief which had collapsed by the mid 1980s. The sectors that have the social services, while agriculture, manufacturing and the social services, while the burden of adjustment has fallen regressively on the poor and weak social groups.(1)

ترجمہ: تقریباً تمام معاملات میں ان (آئی ایم ایف اور عالمی بینک) کے منصوبوں کے اثرات بنیادی طور پر منفی تھے، وہ بہت بڑے پیمانے پر بے روزگاری، حقیقی آمدنی کا زوال، نقصان دہ افراطِ زر، مستقل تجارتی خسارے کے ساتھ درآمدات میں اضافہ، سرمایہ کا اضافی خرچ، بیرونی قرضوں کا عروج، بنیادی ضروریات کا انکار، سخت مشکلات اور غیر صنعت کاریوں پر منتج ہوتے

(1) Bad Onimode: The IMF, The World Bank and African Debt. Zed Books, 1989, as quoted by Rowbotham, op. cit. P. 136.

تھے، یہاں کہ گھانا اور ایوری کوسٹ کی نام نہاد کامیابیوں کی کہانیوں نے صرف عارضی طور پر اطمینان کا سانس لیا، جس کے بعد ۱۹۸۰ء کے عشرے کے وسط میں زوال کا شکار ہو گئے، وہ سیکٹر جو بہت بُری طرح متأثر ہوئے وہ زراعت، صنعت اور سماجی خدمات ہیں، جبکہ تصفیے کا بوجھ بہت بُری طرح غرباء اور کمزور سماجی گروہوں پر پڑا۔

۲۳۷: یہ حقائق اس بات کا احساس دلانے کے لئے کافی ہیں کہ یہ مفروضہ کس قدر غلط ہے کہ تیسری دُنیا کے ممالک غیر ملکی قرضوں کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کس نے اس نظام سے حقیقۃً فائدہ اُٹھایا؟ اس سوال کو حال ہی میں ایک کینیڈین اسکالر جیلناس نے اپنی کتاب "Freedom From Debt" میں لکھا ہے، وہ کہتے ہیں:

> **The foreign-aid based development model has proved itself powerless to bring a single country out of economic and financial dependence. however, it has turned out to be a source of fabulous wealth for certain Third World elites, giving birth to a new form of power and a socio-political class that can rightly be called the aidocracy.(1)**

> ترجمہ: غیر ملکی قرضوں کے ذریعے ترقی کا نمونہ کسی ایک ملک کو بھی اقتصادی یا تمویلی انحصار سے باہر نکالنے پر قادر نہ ہو سکا، تاہم یہ تیسری دُنیا کے مال داروں کے لئے عظیم دولت کے حصول کا سبب ضرور بنا ہے، جس کی وجہ سے ایک نئی قسم کی طاقت اور سماجی معاشی کلاس وجود میں آئی ہے، جس کو ایڈوکریسی کہنا حق بجانب ہوگا۔

پاکستان کا معاملہ بہت زیادہ مختلف نہیں ہے، ایک ایسے وقت جب ہم اپنی معیشت کو ترقی دینے، اپنی عوام کی حالت سدھارنے، غربت دُور کرنے، تعلیم کی شرح بڑھانے اور دیہاتوں میں کم از کم بنیادی صحت فراہم کرنے کے شدید محتاج ہیں، اور جب ہمارے ملک میں ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے طبی امداد کے انتظار میں موت کے کنارے پہنچے ہوئے ہیں، ہم اس پر مجبور ہیں کہ ہم اپنے ٹوٹل

(1) **Jaques B. Gelinas, Freedom from Debt, Zed Books, London and New York, 1998, P. 59.**

بجٹ کا ۴۶ فیصد سودی قرضوں کی ادائیگی پر لگا دیں، اس کے باوجود ہم اور قرضے لے رہے ہیں تاکہ سابقہ قرضوں کو ادا کر دیا جائے، جب ان نئے قرضوں کی میعاد پوری ہوگی، تو ہم مزید قرضے لینے پر مجبور ہوں گے تاکہ موجودہ قرضوں کو اُتارا جا سکے، ہم کب تک اس مصیبت کے گرد چکر کاٹتے رہیں گے؟ ہم قرض در قرض کے چکر میں کب تک گھومتے رہیں گے؟ ہمیں اس قرض پر مبنی معیشت سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا، جس نے ہم سے آزادی غصب کر لی ہے، اور ہماری اگلی نسلوں کو قرض خواہوں کے ہاتھوں میں گروی رکھوا دیا ہے، یہ ہماری قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہے، اور ہمیں اسے ہر قیمت پر حل کرنا ہوگا۔"

۲۳۸: ہم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ ایک مرتبہ ہم جب موجودہ قرضوں کی تہہ میں پھنس گئے ہیں تو اس سے ایک ہی رات میں نکلنا ناممکن ہے، اسے نافذ کرنے کے لئے ایک بہترین سوچے سمجھے پروگرام اور ایک مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہوگی، درمیانی عرصے میں جس میں ایک ماہرانہ منصوبے سے قرضے لازماً کم کرنے ہوں گے، ہم اس سابقہ قرضوں میں برقرار رہیں گے، لیکن اس عبوری دور میں بھی ہم کو اپنے قرض خواہوں کے ساتھ از سرِ نو طریقۂ تمویل پر غور کرنا ہوگا، تاکہ سودی قرضوں کو اسلامی طریقۂ تمویل میں تبدیل کیا جا سکے۔

اسلامی بینکوں کی پیدا کردہ فضا کے نتیجے میں ان اسلامی طریقۂ تمویل سے مغرب اب ناواقف نہیں رہا، یہاں تک کہ بین الاقوامی تمویلی ادارے بھی انہیں سمجھنے کی کوشش کر چکے ہیں۔ آئی ایف سی جو کہ عالمی بینک کی ذاتی تمویلی شاخ ہے، اس نے پہلے ہی اسلامی طریقہ ہائے تمویل استعمال کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، اثاثوں سے وابستہ قرضے آسانی کے ساتھ اجارہ کے طریقۂ تمویل میں تبدیل کیے جا سکتے ہیں، پروجیکٹ سے وابستہ قرضے آسانی سے استصناع کی بنیاد پر تبدیل کیے جا سکتے ہیں، قرضہ دینے والوں کی توجہ صرف اپنی تمویل کے اُوپر نفع کی طرف ہوتی ہے، وہ کسی مخصوص طریقۂ تمویل پر اصرار نہیں کرتے، اس لئے موجودہ قرضوں کو اسلامی خطوط پر منتقل کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہونی چاہئے، نئی تمویلات کے لئے اور بھی زیادہ متنوع قسم کے طریقہ ہائے تمویل موجود ہیں، جنہیں اسلامی خطوط پر تبدیل کیا جا سکتا ہے، تاہم یہ اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے کہ جب حکومت خود اسلامی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا عزم رکھتی ہو، معذرت خواہانہ انداز کبھی بھی دوسروں کو اتنے پرانے عرصے سے زیرِ استعمال طریقوں کو تبدیل کرنے پر راضی نہیں کر سکتا۔ آئی ایف سی (انٹرنیشنل فائنانس کارپوریشن جو عالمی مالیاتی ادارے سے ملحق ہے) کے صدر حالہ اسپنگ ملز کی مجوزہ سرمایہ کاری پر بورڈ آف ڈائریکٹرز کو پیش کردہ رپورٹ پوری قوم کے لئے شرمندگی کا باعث ہے، ان کا تبصرہ درج ذیل ہے:

A change to Islamic modes of financing has been considered by IFC, but this would be contrary to the government (of Pakistan's) intention for foreign loans.
Adoption by a foreign lender of Islamic instruments could be construed as undermining Government's policy to exempt foreign lenders from this requirement.[1]

ترجمہ: آئی ایف سی اسلامی طریقہ ہائے تمویل اختیار کرنے پر غور کر چکی ہے، لیکن یہ حکومتِ پاکستان کے ارادے کے مخالف نظر آتا ہے۔
کسی غیر ملکی قرض دہندہ کے اسلامی طریقہ اختیار کرنے کو یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ حکومت کی اس پالیسی کی در پردہ مخاصمت ہوگی کہ وہ غیر ملکی قرض دہندوں کو اس سے مستثنیٰ کرنا چاہتی ہے۔

۲۳۹: ۱۷/نومبر ۱۹۹۰ء کو وزیراعظم پاکستان نے ایک کمیٹی تشکیل دی، جس کا مقصد ملک میں بیرونی انحصار کے اضافے کا جائزہ لینا اور خود انحصاری کو ترقی دینے کے منصوبے کی تیاری تھا، وہ کمیٹی اس وقت کے سینیٹر پروفیسر خورشید احمد صاحب کی سربراہی میں قائم کی گئی تھی، اور فائنانس ڈویژن کے سکریٹری اور اکنامک ڈویژن کے چیف اکانومسٹ اور بعض دُوسرے ماہرین پر مشتمل تھی، اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ اپریل ۱۹۹۱ء میں حکومت کو پیش کی، اس کمیٹی نے خوب غور و خوض کے بعد صرف اقتصادی بنیاد پر یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خود انحصاری کا مقصد صرف سود کے خاتمے میں ہی منحصر ہے، اس کمیٹی کی تجاویز غیر ملکی قرضوں سے نمٹنے کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہیں۔

۲۴۰: اسی لئے مُسلّمہ مشکلات کو غیر ملکی ذمہ داریوں کو حل کرنے کے سلسلے میں ممانعتِ ربا کے لئے ایک غیر معینہ مدت تک کے لئے عذر قرار نہیں دیا جاسکتا، تاہم اس بات سے بالکل انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کو ملکی قرضوں کے معاملے میں زیادہ مدت درکار ہوگی، نظریۂ ضرورت کا بھی صرف اسی حد تک اطلاق کیا جاسکتا ہے۔

---

(1) No IFC/ P - 887, dated December 22, 1987, as quoted by the Report of Prime Minister's Committee on self reliance, headed by Prof. Khurshid Ahmad, Islamabad, 1991.

نتیجہ بحث

۲۴۱: مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے:

۲۴۲: قرآنِ پاک کی متعدد آیات کی رُو سے کہ کسی بھی قرض کے معاہدے میں اصل سرمایہ کے اُوپر لی جانے والی رقم ربا میں داخل ہے، حضور ﷺ نے درج ذیل صورتوں کو بھی ربا قرار دیا ہے:

(۱) ایک کرنسی کا اُسی کرنسی کے ساتھ تبادلہ، جب دونوں طرف کی کرنسیاں برابر نہ ہوں، خواہ معاملہ نقد ہو یا اُدھار۔

(۲) ایک ہی قسم کی کوئی بھی وزنی یا پیمائش کے قابل اشیاء کا تبادلہ جبکہ دونوں طرف کی مقدار برابر نہ ہو، یا ان میں سے کسی ایک طرف کی ڈیلیوری اُدھار ہو۔

(۳) دو مختلف الجنس وزنی یا پیمائش کے قابل اشیاء کا بارٹر جبکہ ان میں سے ایک طرف کی ڈیلیوری مؤجل (اُدھار) ہو۔

۲۴۳: اسلامی فقہ میں یہ تین صورتیں ربا السنۃ کہلاتی ہیں، کیونکہ ان کی حرمت حضور ﷺ کی سنت سے ثابت ہے، ربا القرآن کے بشمول عقد کی یہ چاروں اقسام قرآن وسنت کی بنیاد پر اسلامی فقہ میں ربا کہلاتی ہیں۔

۲۴۴: مندرجہ بالا میں سے آخری دو یعنی نمبر۲ اور ۳ موجودہ تجارت سے بہت زیادہ تعلق نہیں رکھتیں، کیونکہ بارٹر کی تجارت جدید تجارت میں بہت شاذ اور نادر الاستعمال ہیں، تاہم ربا القرآن اور زَر کی تجارت (نمبر ایک میں بیان کردہ) جدید تجارت سے بہت زیادہ متعلق ہے۔

۲۴۵: جہاں تک ربا کی حرمت کا تعلق ہے، مذکورہ بالا بحث کی روشنی میں قرض کی مختلف اقسام میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قرض کے معاملے میں اصل سرمایہ کے اُوپر مشروط اضافی رقم خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، اس لئے یہ قرار دیا جاتا ہے کہ انٹرسٹ کی تمام مروّجہ صورتیں خواہ بینکاری نظام کی ہوں یا پرائیویٹ معاملات کی، یقیناً ''ربا'' کی تعریف میں داخل ہیں۔ اسی طرح حکومتی قرضے خواہ ملکی ہوں یا غیر ملکی ''ربا'' میں داخل ہیں، اور قرآنِ پاک کی رُو سے صراحۃً حرام ہیں۔

۲۴۶: انٹرسٹ پر مبنی موجودہ تمویلی نظام، قرآن وسنت کے بیان کردہ اسلامی اَحکامات کے خلاف ہے، اور اس کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے زبردست تبدیلیاں لانی ہوں گی۔

۲۴۷: مذہبی علماء، اقتصادی ماہرین اور بینکاروں نے مختلف قسم کے اسلامی طریقہ ہائے

تمویل مرتب کیے ہیں، جو کہ سود کے بہتر متبادل بن سکتے ہیں، یہ طریقہ ہائے تمویل دُنیا کے مختلف حصوں میں تقریباً دوسو اسلامی تمویلی ادارے استعمال کر رہے ہیں۔

۲۴۸: ان طریقہ ہائے تمویل کی موجودگی میں سود کے معاملات کو نظریۂ ضرورت کی بنیاد پر اجازت نہیں دی جاسکتی۔ بہت سارے بینکرز بیرونِ ممالک سے بشمول ڈاکٹر احمد محمد علی (صدر اسلامی ترقیاتی بینک، جدہ)، شیخ عدنان البحر (چیف ایگزیکٹو انٹرنیشنل انویسٹر، کویت) اقبال احمد خان (ہانگ کانگ شنگھائی بینک کارپوریشن کے اسلامی ادارے کے سربراہ)، جبکہ اندرونِ ملک سے عبدالجبار خان (سابق صدر نیشنل بینک آف پاکستان)، محترم شاہد حسن صدیقی اور محترم مقبول احمد خان عدالت کی معاونت کے لئے تشریف لائے، یہ حضرات دُنیا کے مختلف حصوں میں بینکاری کا طویل تجربہ رکھتے ہیں، اور ان کے علاوہ دُوسرے ماہرین حضرات بھی عدالت کی معاونت کے لئے عدالت میں تشریف لائے، ان میں سے سب لوگ اس بات پر متفق تھے کہ اسلامی طریقہ ہائے تمویل نہ صرف ممکن ہیں، بلکہ ایک معتدل اور مضبوط معاشی نظام کے قیام کے سلسلے میں انتہائی مفید بھی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے حقائق اور اعداد وشمار کے ذریعے بہت سے دلائل اور ثبوت بھی مہیا کیے، بعض مشہور اقتصادی ماہرین مثلاً ڈاکٹر عمر چھاپرا (اقتصادی مشیر برائے سعودی مالیاتی ادارے)، ڈاکٹر ارشد زمان (سابق چیف اکانومسٹ حکومتِ پاکستان)، پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر نواب حیدر نقوی، ڈاکٹر وقار مسعود خان نے اپنے تفصیلی بیانات کے ذریعے اس نقطۂ نظر کی حمایت کی۔

۲۴۹: ہم نے اسلامی نظریاتی کونسل کی ۱۹۸۰ھ کی تفصیلی رپورٹ اور کمیشن فور اسلامائزیشن آف اکانومی کی ۱۹۹۱ء کی رپورٹ اور پھر اسی کمیشن کے ۱۹۹۷ء میں دوبارہ قیام کی رپورٹ جو اگست ۱۹۹۷ء میں پیش کی گئی تھی کا گہرائی اور تفصیل سے جائزہ لیا۔ ہم نے وزیر اعظم کے قائم کردہ کمیشن برائے خود انحصاری کی رپورٹ جو اپریل ۱۹۹۱ء میں داخلِ دفتر کی گئی تھی، کا مطالعہ بھی کیا۔

۲۵۰: لہٰذا اب یہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ایک واضح دلیل اور ثبوت ہے کہ موجودہ عصری تمویلی نظام کو اسلامی نظام میں ڈھالنے کے سلسلے میں کافی ٹھوس کام کیا جاچکا ہے، لہٰذا موجودہ سودی نظام کو نظریۂ ضرورت کی بنیاد پر ایک غیر محدود مدت کے لئے مزید جاری نہیں رکھا جاسکتا، تاہم اس نظام کی تبدیلی اور انتقال کے لئے اس نظریۂ ضرورت کی بنیاد پر کچھ وقت دیا جاسکتا ہے۔

۲۵۱: مندرجہ بالا وجوہات کی بنیاد پر یہاں پر کورٹ آرڈر میں موجود تفصیل کی بنیاد پر تمام اپیلیں خارج کی جاتی ہیں۔

کورٹ آرڈر

شریعہ اپیل نمبر 1/92

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ،
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

ان تفصیلی وجوہات کی بنا پر جنہیں جسٹس خلیل الرحمٰن خان، جسٹس وجیہ الدین احمد اور جسٹس محمد تقی عثمانی نے اپنے علیحدہ علیحدہ تین فیصلوں میں تحریر کیا ہے، کوئی بھی رقم جو چھوٹی ہو یا بڑی، اگر قرضے کے معاہدے میں اصل رقم پر لی گئی ہے تو وہ ربا ہے، جسے قرآن نے منع کیا ہے، چاہے یہ قرضہ استعمال کرنے کے لئے لیا گیا ہو یا کسی پیداواری عمل کے لئے ہو، حضرت محمد ﷺ نے مندرجہ ذیل سودوں کو بھی ربا کہا ہے:

(I) ایسا سودا جس میں رقم کے بدلے رقم دی جاتی ہو، جو ایک ہی مالیت کی کرنسی ہو مگر اس کی تعداد ایک جیسی نہ ہو، چاہے یہ سودا نقد ہو یا اُدھار۔

(II) چیز کے بدلے چیز کا ایسا سودا جس میں وہ چیزیں تولنے یا ناپنے کے لائق تو ہوں مگر دونوں طرف سے اس کی مقدار برابر نہ ہو، اور کسی ایک فریق کی طرف سے یہ چیز بعد میں دی جاتی ہو۔

(III) تولنے یا ناپنے کے لائق دو مختلف چیزوں کے درمیان چیز کے بدلے چیز کا ایسا سودا جس میں ایک طرف سے چیز بعد میں دی جاتی ہو۔

اسلامی فقہ میں یہ تینوں قسمیں ربا السنہ کہلاتی ہیں، کیونکہ ان کی ممانعت رسولِ پاک ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ ربا القرآن کے ساتھ مل کر چار قسم کے سودے قرآن اور سنت کی بنیاد پر قائم اسلامی فقہ میں ربا کہلاتے ہیں، ان چار قسموں میں سے دو قسمیں (II) اور (III) جن کا اُوپر ذکر کیا گیا ہے، موجودہ تجارت کے زُمرے میں نہیں آتے، کیونکہ آج کل اشیاء کے بدلے اشیاء کی تجارت شاذو نادر ہی ہوتی ہے، البتہ ربا القرآن اور رقم کا سودا جس کا اُوپر (I) میں ذکر کیا گیا ہے، موجودہ تجارت سے زیادہ متعلق ہیں۔

متذکرہ بالا تفصیلی بحث کی روشنی میں، جہاں تک ربا کی ممانعت کا سوال ہے، قرضے کی قسموں میں کوئی فرق نہیں ہے، اس سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قرضے کی اصل رقم کے اُوپر جو اضافی رقم ادا کرنی ہے وہ چھوٹی ہے یا بڑی ہے، اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ سود کی موجودہ تمام شکلیں چاہے

وہ بینک کے کاروبار میں ہوں یا نجی کاروبار میں، رِبا کی تعریف میں آتی ہیں۔ اسی طرح حکومت کے تمام قرضے چاہے وہ ملک کے اندر سے حاصل کیے گئے ہوں یا ملک کے باہر سے، رِبا ہیں، جس کی قرآنِ پاک نے واضح طور پر ممانعت کی ہے۔

موجودہ مالیاتی نظام جس کا انحصار سود پر ہے، قرآن اور سنت میں دیئے گئے اسلامی اَحکام کے خلاف ہے اور اسے شریعت کے مطابق بنانے کے لئے اس میں انقلابی تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔

مسلم علماء، ماہرینِ معاشیات اور بینکاروں نے مالیات کے اسلامی طریقوں کو فروغ دیا ہے، جو سود سے بہتر متبادل طریقوں کا کام کر سکتے ہیں، یہ طریقے دُنیا کے 200 مالیاتی اداروں میں استعمال کیے جا رہے ہیں۔

ان متبادل طریقوں کی موجودگی میں سود کو، ضرورت کو بنیاد بنا کر ہمیشہ کے لئے جاری نہیں رکھا جا سکتا، بہت سے تجربہ کار بینکار جیسے جدہ کے اسلامک ڈویلپمنٹ بینک کے صدر ڈاکٹر احمد محمد علی، کویت کے انٹرنیشنل انویسٹر کے چیف ایگزیکٹو عدنان البحر، ہانگ کانگ شنگھائی بینکنگ کارپوریشن جو پاکستان سے باہر لندن میں قائم ہے، اس کے اسلامک یونٹ کے چیف ایگزیکٹو اقبال احمد خان، نیشنل بینک پاکستان کے سابق صدر عبدالجبار خان اور پاکستان کے شاہد حسن صدیقی اور مقبول احمد خان ایسے بینکرز ہیں جنہیں دُنیا کے مختلف علاقوں میں بینکنگ کا طویل تجربہ ہے، یہ لوگ ہمارے سامنے پیش ہوئے، یہ تمام حضرات اس بات پر متفق تھے کہ مالیات کے اسلامی طریقے نہ صرف یہ کہ ممکن ہیں، بلکہ ایک متوازن اور مستحکم معیشت کے لئے زیادہ فائدہ مند بھی ہیں، اپنے اس خیال کی حمایت میں انہوں نے اعداد و شمار پر مبنی مواد بھی مہیا کیا، چند ممتاز ماہرینِ معاشیات جیسے سعودی مونیٹری ایجنسی کے اکنامک ایڈوائزر ڈاکٹر عمر چھاپرا، حکومتِ پاکستان کی وزارتِ خزانہ کے چیف ایگزیکٹو پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر نواب نقوی اور ڈاکٹر وقار مسعود خان نے اس خیال کی حمایت کی۔

ہم نے اسلامی نظریاتی کونسل کی تفصیلی رپورٹ کا جو 1980ء میں پیش کی گئی تھی، کمیشن فار اسلامائزیشن آف اکانومی کی رپورٹ کا جو 1991ء میں تشکیل دیا گیا تھا اور اسی کمیشن کی فائنل رپورٹ کا جو 1997ء میں دوبارہ تشکیل دیا گیا اور جس کی رپورٹ اگست 1997ء میں پیش کی گئی، مطالعہ کیا ہے۔ ہم نے وزیراعظم کی کمیٹی آف سیلف ریلائنس کی رپورٹ کا بھی مطالعہ کیا ہے، جو کہ حکومت کو اپریل 1991ء میں پیش کی گئی تھی۔

اس طرح یہ ثابت کرنے کے لئے کافی شہادت ہے کہ موجودہ مالیاتی نظام کو اسلامی نظام میں بدلنے کی تدبیر کے لئے اہم گراؤنڈ ورک کر لیا گیا ہے، اور سود پر مبنی موجودہ نظام کو ضرورت کی بنیاد

پر غیر معینہ عرصے کے لئے قائم نہ رکھا جائے۔ اب ہم قوانین کی ان دفعات کا جائزہ لیتے ہیں جو اس فیصلے کی وجوہات کے بارے میں ہیں۔

I: انٹرسٹ ایکٹ 1839

یہ قانون عدالت کو اختیار دیتا ہے کہ وہ قرضہ دینے والے کو تمام قرضوں پر یا اس رقم پر جو عدالت ادا کرواتی ہے سود وصول کرنے کی اجازت دے۔ وفاقی شرعی عدالت نے اس قانون کو اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دیا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے بھی اپنے سیشن منعقدہ 11 نومبر 1981ء میں اس قانون کو ختم کرنے کی سفارش کی تھی۔

عدالت کی طرف سے ڈگری منظور کرتے ہوئے سود وصول کرنے کی اجازت دینے کے مسئلے پر نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ 1881 اور سِول پروسیجر کوڈ 1908 اور ان میں وقتاً فوقتاً کی گئی ترمیمات میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے، اس لئے انٹرسٹ ایکٹ 1839ء کو قائم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی ہے اور اسے ختم کرنے کے لئے یہ وجہ کافی ہے، کسی قرضے پر سود وصول کرنے کی اجازت دینے کا غیر معینہ، بے روک ٹوک اور عام اختیار، متذکرہ بالا وجوہات کی بنا پر اسلامی اَحکام کے خلاف ہے۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ انٹرسٹ ایکٹ 1839ء اسلامی اَحکام سے متصادم ہونے کی وجہ سے صحیح طور پر ختم کر دیا گیا۔

II: گورنمنٹ سیونگز بینک ایکٹ 1873

اس ایکٹ کے تحت کسی کو نامزد کرنا ہوتا ہے اور جمع شدہ رقم کی ادائیگی رقم جمع کرنے والے کی موت کے بعد کی جاتی ہے اور اس وقت مکمل رقم ادا کر دی جاتی ہے۔ اس سیونگز میں قرض دینے والوں اور ایگزیکٹوشیئرز کا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔

سیکشن 10 جسے چیلنج کیا گیا ہے، مندرجہ ذیل ہے:

''اگر کوئی رقم کسی نابالغ نے جمع کی ہے یا اس کی طرف سے جمع کرائی گئی تو اگر اس نے خود جمع کی ہے تو اسے ذاتی طور پر ادا کر دی جائے گی، لیکن اگر اس کے علاوہ کسی اور نے جمع کی ہے تو اس کے استعمال کے لئے اس کے گارجیئن کو ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ اس پر واجب ہو جانے والا سود بھی ادا کیا جائے گا۔''

اس دفعہ کو لفظ سود کی وجہ سے جو جمع کی ہوئی رقم کے ساتھ ہی ادا کیا جائے گا، اسلامی اَحکام

سے متصادم قرار دیا گیا ہے۔ وفاقی شریعت عدالت کے لائق ججوں نے اس رقم کی نوعیت کا جائزہ نہیں لیا جو کہ جمع شدہ رقم پر واجب ہوگی۔ اگر یہ رقم سرمایہ کاری کے جائز طریقوں سے حاصل ہوئی ہے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا، اصل زور مالیات کے اسلامی طریقے اختیار کرنے اور اسلامی اُصولوں کے مطابق تجارت کو چلانے پر دیا جانا چاہئے۔ اس لئے ہم سفارش کرتے ہیں کہ سیکشن 10 میں استعمال ہونے والا سود کا لفظ اسلامی اَحکام کے خلاف ہے اور اس کے بجائے اسے شرعی معاوضہ کرلیا جائے۔

III: نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ 1881

Negotiable Instruments act 1881

نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ 1881 کی مختلف دفعات کے بارے میں بحث فیصلے کے پیراگراف 242 سے 278 تک میں شامل ہے، اس ایکٹ کی سیکشن 79 اور 80 میں ترمیم کے بعد مارک اَپ نظام کے تصور کو اختیار کرلیا گیا تھا، اس نظام کو بھی موجودہ شکل میں اسلامی اَحکام کے خلاف قرار دیا گیا ہے اور یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اس ایکٹ کی 79 اور 80 سیکشن کی دفعات سے مارک اَپ کا لفظ حذف کردیا جائے، ہم میں سے ایک جج (جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی) کی اس وقت رائج مارک اَپ سسٹم جس پر بینکوں میں عمل کیا جارہا ہے، اور اس کے اثر کے بارے میں رائے، ایک کتاب کی شکل میں چھپ چکی ہے، وہ یہ ہے یہ یہ رِبا (سود) کے مترادف ہے جو اسلام میں منع ہے۔ یہ رائے مندرجہ ذیل ہے:

''بلاسود بینکاری پر اب تک جو علمی اور تحقیقی کام سامنے آیا ہے، ان میں احقر کی معلومات کی حد تک سب سے زیادہ جامع، مفصل اور تحقیقی رپورٹ وہ ہے جو اسلامی نظریاتی کونسل نے علمائے کرام اور ماہرینِ معاشیات و بینکاری کی مدد سے مرتب کی ہے، اور اب منظرِ عام پر آچکی ہے، اس رپورٹ کا حاصل بھی یہی ہے کہ بلاسود بینکاری کی اصل بنیاد نفع و نقصان کی تقسیم پر قائم ہوگی اور بینک کا بیشتر کاروبار شرکت یا مضاربت پر مبنی ہوگا، البتہ جن کاموں میں شرکت یا مضاربت کارآمد نہیں ہوسکتی، وہاں کے لئے اس رپورٹ میں کچھ اور متبادل راستے بھی تجویز کیے گئے ہیں، جنہیں وقتِ ضرورت عبوری دور میں اختیار کیا جا سکتا ہے، انہی متبادل راستوں میں ایک متبادل راستہ وہ ہے جسے اس رپورٹ میں ''بیع مؤجل'' کا نام دیا گیا ہے۔

''اس طریقۂ کار کا خلاصہ اس طرح کہئے کہ مثلاً ایک کاشت کار ٹریکٹر خریدنا چاہتا ہے، لیکن

اس کے پاس رقم نہیں ہے، بحالاتِ موجودہ ایسے شخص کو بینک سود پر قرض دیتا ہے، یہاں سود کے بجائے شرکت یا مضاربت اس لئے نہیں چل سکتی کہ کاشت کار ٹریکٹر تجارت کی غرض سے نہیں، بلکہ اپنے کھیت میں استعمال کرنے کے لئے خریدنا چاہتا ہے۔...... چنانچہ یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ بینک کاشت کار کو روپیہ دینے کے بجائے ٹریکٹر خرید کر اُدھار قیمت پر دے دے اور اس کی قیمت پر اپنا کچھ منافع رکھ کر متعین کرے، اور کاشت کار کو اس بات کی مہلت دے کہ وہ بینک کو ٹریکٹر کی مقررہ قیمت کچھ عرصے کے بعد ادا کر دے۔ اس طریقہ کو اسلامی کونسل کی رپورٹ میں ''بیع مؤجل'' کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں بینک نے ٹریکٹر کی بازاری قیمت پر جو منافع رکھا ہے اسے معاشی اصطلاح میں ''مارک اَپ'' کہا جاتا ہے۔

''اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہم یکم جنوری 1981ء سے نافذ ہونے والی اسکیم کا جائزہ لیتے ہیں تو نقشہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ اس اسکیم میں نہ صرف یہ کہ ''مارک اَپ'' کو غیر سودی کاؤنٹرز کے کاروبار کی اصل بنیاد قرار دے دیا گیا، بلکہ ''مارک اَپ'' کے طریقۂ کار میں ان شرائط کا بھی لحاظ نظر نہیں آتا جو اس ''مارک اَپ'' کو محدود فقہی جواز عطا کر سکتی تھیں، چنانچہ اس میں مندرجہ ذیل سنگین خرابیاں نظر آتی ہیں:''

''بیع مؤجل'' کے جواز کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ بائع جو چیز فروخت کر رہا ہے، وہ اس کے قبضے میں آ چکی ہو، اسلامی شریعت کا یہ معروف اُصول ہے کہ جو چیز کسی انسان کے قبضے میں نہ آئی ہو اور جس کا کوئی خطرہ (Risk) انسان نے قبول نہ کیا ہو، اسے آگے فروخت کر کے اس پر نفع حاصل کرنا جائز نہیں، اور زیرِ نظر اسکیم میں فروخت شدہ چیز کے بینک کے قبضے میں آنے کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ یہ صراحت کی گئی ہے کہ بینک ''مارک اَپ'' اسکیم کے تحت کوئی چیز مثلاً چاول اپنے گاہک کو فراہم نہیں کرے گا، بلکہ اس کو چاول کی بازاری قیمت دے گا، جس کے ذریعے وہ بازار سے چاول خرید لے گا، اور اسکیم کے الفاظ میں ''جن اشیاء کے حصول کے لئے بینک کی طرف سے رقم فراہم کی گئی ہے، ان کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ وہ بینک نے اپنی فراہم کردہ رقم کے معاوضے میں بازار سے خرید لی ہیں، اور پھر انہیں نوے دن کے بعد واجب الاداء زائد قیمت پر ان اداروں کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے (جو اس سے رقم لینے آئے ہیں)۔[1]

اس میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ وہ اشیاء بینک کی ملکیت اور اس کے قبضے میں کب اور کس طرح آئیں گی؟ اور محض کسی شخص کو کوئی رقم دے دینے سے یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ وہ شخص

(۱) اسٹیٹ بینک نیوز، یکم جنوری 1981ء، صفحہ:9۔

جو چیز خریدنا چاہ رہا ہے، وہ پہلے بینک نے خریدی اور پھر اس کے ہاتھ بیچ دی ہے؟ صرف کاغذ پر کوئی بات فرض کر لینے سے وہ حقیقت کیسے بن سکتی ہے جب تک اس کا صحیح طریقِ کار اختیار نہ کیا جائے؟..... "بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ 28 مارچ کو چاول وغیرہ کی خریداری کے لئے بینکوں نے جو رقمیں رائس کارپوریشن کو پہلے سے دی ہوئی تھیں، 28 مارچ کو یہ سمجھا جائے گا کہ کارپوریشن نے وہ رقمیں سود کے ساتھ بینک کو واپس کر دی ہیں اور پھر بینک نے اسی روز وہ رقمیں دوبارہ کارپوریشن کو مارک اَپ کی بنیاد پر دے دی ہیں اور جس جنس کی خریداری کے لئے وہ قرضے دیئے گئے تھے، یہ سمجھا جائے گا کہ وہ بینک نے خرید لی ہے، اور پھر کارپوریشن کو مارک اَپ کی بنیاد پر بیچ دی ہے، اب سوال یہ ہے کہ جن رقموں سے کارپوریشن پہلے چاول وغیرہ خرید چکی ہے اور شاید خرید کر آگے فروخت بھی کر چکی ہے اس کے بارے میں کون سی منطق کی رُو سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ بینک نے خرید کر دوبارہ کارپوریشن کو بیچی ہے؟"

اس سے یہ بات واضح طور پر مترشح ہوتی ہے کہ بیع مؤجل کا طریقہ حقیقی طور پر اپنانا پیشِ نظر نہیں، بلکہ فرضی طور پر اس کا صرف نام لینا پیشِ نظر ہے، اور انتہا یہ ہے کہ اس جگہ یہ نام بھی برقرار نہیں رہ سکا، بلکہ بینک کی دی ہوئی رقم کو قرض (Advance) اور اس عمل کو قرض لینے (Lend) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱)

اس اسکیم کی ایک سنگین ترین غلطی اور ہے، "بیع مؤجل" کے لئے ایک لازمی شرط یہ ہے کہ معاہدے کے وقت فروخت شدہ شے کی قیمت بھی واضح طور پر متعین ہو جائے، اور یہ بات بھی کہ یہ قیمت کتنی مدت میں ادا کی جائے گی؟ پھر اگر خریدنے والا وہ قیمت معینہ مدت پر ادا نہ کرے تو اس سے وصول کرنے کے لئے تمام قانونی طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں، لیکن ادائیگی میں تأخیر کی بنیاد پر معینہ قیمت میں اضافہ کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ تأخیر کی بنیاد پر قیمت میں اضافہ کرتے چلے جائیں تو اسی کا دُوسرا نام "سود" ہے، لیکن زیرِ نظر اسکیم میں اس اہم اور بنیادی شرط کی بھی پابندی نہیں کی گئی بلکہ بعض معاملات میں وضاحت کے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے، چنانچہ اس میں کہا گیا کہ امپورٹ بلوں کی ادائیگی میں بینک جو رقم خرچ کرے گا اس پر ابتداء بیس دن کی مدت کے لئے اعشاریہ 78 فیصد مارک اپ وصول کرے گا، اور اگر یہ رقم بیس دن میں ادا نہ ہوئی تو مزید چودہ دن کے لئے اعشاریہ 58 فیصد مارک اَپ کا مزید اضافہ ہوگا، اور اگر 34 دن گزر جانے پر بھی قیمت کی ادائیگی نہ ہوئی تو اس قیمت پر مزید اعشاریہ 62 فیصد مارک اَپ کا اضافہ ہوگا، اور اگر 48 دن

(۱) اسٹیٹ بینک نیوز، یکم جنوری 1981ء، صفحہ 7۔

گزر جانے پر بھی ادائیگی نہ ہوئی تو آئندہ ہر 15 دن کی تأخیر پر مزید اعشاریہ 79 فیصد کے مارک اَپ کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

''اندازہ فرمایئے کہ یہ طریق کار واضح طور پر سود کے سوا اور کیا ہے؟ اگر انٹرسٹ کے بجائے نام ''مارک اَپ'' رکھ دیا جائے اور باقی تمام خصوصیات وہی رہیں تو اس سے ''غیر سودی نظام'' کیسے قائم ہو جائے گا؟

''واقعہ یہ ہے کہ اسلام کو جس قسم کا نظام سرمایہ کاری مطلوب ہے وہ ''مارک اَپ'' کے ''میک اَپ'' سے حاصل نہیں ہوگا، اس کے لئے محض قانونی لیپاپوتی کی نہیں، انقلابی فکر کی ضرورت ہے۔''

رائے مندرجہ ذیل ہے:

جس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ مارک اَپ کی شکل میں اختیار کیے جانے والے طریقے میں بیع مؤجل کے ساتھ عائد پابندیوں کی خلاف ورزی کی جارہی ہے، جبکہ اس طریقے کی اجازت ان شرائط کی پابندی کرنے پر ہی منحصر ہے۔ دُوسری بات جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ قلب میں تبدیلی اور قرآنی اَحکام کے ماننے کے عہد کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ اسلامی معاشی نظام کو نافذ کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔ صرف زبانی جمع خرچ سے یا ناموں کے استعمال سے مطلوبہ تبدیلی نہیں لائی جاسکتی ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ نفع نقصان میں شرکت کے نظام میں غلطیاں اور خرابیاں شروع ہو جانے کی وجہ سے ہی بیع مؤجل کو جائز طریقوں کی فہرست سے نکالنے کی تجویز پیش کی گئی اور اس اُصول پر عمل کیا گیا کہ جو چیز کسی ناجائز عمل کی طرف رہنمائی کرتی ہو، خود بھی ناجائز ہے۔ اس لئے یہ دلیل پیش کی گئی کہ جو چیز رِبا کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اسے روک دیا جائے اور اس کی اجازت نہ دی جائے۔ فقہاء نے مرابحہ یا بیع مؤجل کے جائز ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط عائد کی ہیں:

(I) معاوضے کی ادائیگی کا وقت معلوم ہونا چاہئے۔

(II) خریدار کے حوالے کرنے سے پہلے وہ چیز فروخت کنندہ کے پاس ہونی چاہئے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی رپورٹ میں مارک اَپ سسٹم یا بیع مؤجل کے استعمال کو محدود پیمانے پر ضروری صورتوں میں اس وقت کے لئے منظور کرلیا تھا جب تک کہ نظام بغیر سودی نظام میں تبدیل نہیں ہو جاتا۔ اور تنبیہ کی تھی کہ اس کا وسیع پیمانے پر یا بے دریغ استعمال نہ کیا جائے، کیونکہ اس میں یہ خطرہ موجود تھا کہ کہیں اس کی آڑ میں سود کی بنیاد پر کاروبار کا دروازہ نہ کھل جائے۔ بدقسمتی کی بات یہ ہے کہ اس تنبیہ پر توجہ نہیں دی گئی اور جنوری 1981ء میں شروع کیا جانے والا مارک اَپ سسٹم

بیع مؤجل کی معیاری شرائط پر پورا نہیں اُترا۔ یہ بات نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ بیع مؤجل دُنیا کے اسلامی بینکوں میں سب سے زیادہ استعمال کیے جانے والا مالیاتی طریقہ ہے۔ مندرجہ ذیل ٹیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ مرابحہ یا بیع مؤجل اسلامی بینکوں میں سب سے زیادہ استعمال کیا جانے والا طریقہ ہے۔ اسلامک ڈویلپمنٹ بینک کی طرف سے بیع کو مہیا کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق اسلامی بینکوں کی کل مالیات میں اس طریقے کا اوسط حصہ 66 فیصد ہے۔ اسلامی بینکوں کی مالیات کے مختلف طریقوں کا اوسط 1996-1994 کے دوران مندرجہ ذیل تھا:

ادارہ	کل مالیات (امریکی ڈالرملین)	مرابحہ	مشارکہ	مضاربہ	لیزنگ	دُوسرے طریقے
البرکۃ اسلامک بینک فارانویسٹمنٹ	119	82	7	6	2	3
بحرین اسلامک بینک	320	93	5	2	0	1
فیصل اسلامک بینک	945	69	9	6	11	5
بنگلہ دیش اسلامک بینک لمیٹڈ	309	52	4	17	14	14
دبئی اسلامک بینک	1300	88	1	6	0	5
فیصل اسلامک بینک مصر	1364	73	13	11	3	0
اُردن اسلامی بینک	574	62	4	0	5	30
کویت فنانس ہاؤس	2454	45	20	11	1	23
برہارڈ اسلامی ملیشیا بینک	580	66	1	1	7	24
قطر اسلامک بینک	598	73	1	13	5	8
کُل (دس بینک)	8563					
اوسط		66	10	8	4	13

مارک اَپ سسٹم کی اس پر عائد شرائط کے ساتھ اسلامی مالیاتی نظام میں اجازت ہے، لیکن اس پر عائد شرائط کی اگر کوئی شخص پابندی نہیں کرتا تو اسے اسلامی اَحکام کے متصادم نہیں کہا جاسکتا، شرائط کی خلاف ورزیاں اس لئے ہوتی ہیں کہ ایسی غلطیوں اور خلاف ورزیوں کو چیک کرنے کا کوئی مانیٹرنگ نظام نہیں ہے۔ جس مجوزہ نظام کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں قائم شریعت بورڈ اختیار

کرے گا، اور جو دُوسرے مالیاتی اداروں میں اختیار کیا جائے گا اس نظام کی خلاف ورزیاں جب نظر آئیں گی تو ان کی نشاندہی کی جائے گی اور انہیں ختم کر دیا جائے گا، اس کے علاوہ جب اس نظام کو خلوص اور مصمم ارادے کے ساتھ اسلامی قوانین نافذ کرنے کے لئے آگے بڑھایا جائے گا، ان غلطیوں کو دُور کر دیا جائے گا، مقررہ حدود میں رہتے ہوئے مارک اَپ سسٹم اختیار کرنا عبوری دور کے معاشی نظام کی ایک ضرورت ہے، اور یہ اس وقت تک جاری رہے گا، جب تک شریعت کے بتائے ہوئے مزید مالیاتی طریقے مناسب تعداد میں ترقی نہیں پا جاتے، متذکرہ بالا حقائق کی روشنی میں ہمیں نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ 1881 کی دفعات کا جائزہ لینا چاہئے، اس کے بعد اسے صرف ایکٹ 1881 کہا جائے گا۔

متذکرہ بالا فیصلے سے متصادم ہونے والی پہلی دفعہ ایکٹ 1881 کی دفعہ 79 ہے، جو مندرجہ ذیل ہے:

''قرض داروں کو فائدہ پہنچانے والے رائج الوقت کسی بھی قانون کی دفعات کے مطابق اور سِول پراسیجر کوڈ 1908 کی سیکشن 34 کی دفعات کو متاثر کیے بغیر

(a) جب کسی پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج کے ذریعے سود (کسی شکل میں بھی معاوضہ) کسی مقررہ شرح پر دینا طے ہو جاتا ہے اور وہ تاریخ مقرر نہیں کی جاتی جب سے سود ادا کرنا ہے تو یہ اصل زر کی رقم پر مقرر شرح سے اس نوٹ کی تاریخ سے شمار کیا جائے گا اور بل آف ایکسچینج کی صورت میں اس تاریخ سے شمار کیا جائے گا جب سے رقم کی ادائیگی واجب ہوگی، اس وقت تک شمار کیا جائے گا جب تک وہ رقم واپس نہیں کر دی جاتی یا اس رقم کی واپسی کے لئے مقدمہ دائر نہیں کر دیا جاتا۔''

(b) اگر کوئی پرامزری نوٹ یا بل سود کے بارے میں خاموش ہے اور اس میں سود کی شرح کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، تو سود کے بارے دونوں فریقوں کے درمیان ہونے والے کسی معاہدہ کو متاثر کیے بغیر اصل زر کی رقم پر سود کا فیصد سالانہ کی شرح سے ادا کیا جائے گا۔ سود نوٹ کی تاریخ سے اور بل کی صورت میں اس تاریخ سے ادا کیا جائے گا جب سے رقم واجب الادا ہو جائے اور یہ اس تاریخ تک جاری رہے گا جب تک کہ رقم واپس نہ کر دی جائے یا رقم کی واپسی کے لئے مقدمہ نہ دائر کر دیا گیا ہو، بشرطیکہ کسی دستاویز کے ذریعے واجب رقم پر معاوضہ سود کے علاوہ کسی اور شکل میں ادا کرنا ہو تو اس رقم پر اگر معاوضہ کی شرح نہ مقرر کی گئی ہو تو مندرجہ ذیل شرح سے مقرر کیا جائے گا:

(i) اگر معاوضہ قیمت، لیز، ہائر پرچیز یا سروس چارجز کے مارک اَپ کی بنیاد پر دیا جاتا ہے تو مارک اَپ، کرایہ یا سروس چارجز کی طے شدہ شرح کے مطابق ادا کیا جائے گا۔

(ii) اگر معاوضہ نفع نقصان میں شراکت کی بنیاد پر ادا کیا جاتا ہے تو یہ اس شرح سے ادا کیا جائے جسے عدالت دُرست اور مناسب خیال کرے گی اور اس سلسلے میں بینک اور قرض حاصل کرنے والے شخص کے درمیان طے ہونے والے اس معاہدے کو بھی مدِنظر رکھا جائے گا جو قرض لیتے وقت کیا گیا تھا۔

(c) (a) اور (b) کی دفعات کو متاثر کیے بغیر کسی ایسی رقم کا معاوضہ جو سود کے علاوہ کسی اور شکل میں ہوگا اس وقت سے شروع ہوگا جب معاہدے کے مطابق یہ رقم واجب ہو جائے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ رقم ادا نہ کر دی جائے۔

وفاقی شرعی عدالت نے حکم دیا ہے کہ سود یا کسی اور شکل میں معاوضے کے بارے میں ذیلی دفعات (a) اور (b) کے مندرجات کو حذف کر دیا جائے۔ ہم وفاقی شریعت عدالت سے متفق ہیں کہ پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج پر معاوضہ جس کا سیکشن 79 کی ذیلی دفعات (a) اور (b) میں ذکر کیا گیا ہے، ربا ہے، اور یہ شریعت کے مطابق ناجائز ہے، اسی لئے یہ دونوں ذیلی دفعات قرآن اور سنت کے اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دی گئی ہیں، کیونکہ وفاقی شریعت عدالت نے سیکشن 79 کی دفعہ (i) میں دیئے گئے مندرجات کا اچھی طرح تجزیہ نہیں کیا ہے، اس لئے اس میں ریکارڈ کیے گئے نقطۂ نظر میں تصحیح کی ضرورت ہے، متذکرہ بالا دفعہ (i) میں کسی پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج کا معاوضہ شمار کرنے کے مختلف طریقے دیئے گئے ہیں، اگر ان کی بنیاد مارک اَپ، لیز، ہائر پرچیز اور سروس چارج پر رکھی گئی ہو۔ وفاقی شریعت عدالت نے اس کلاز کے بارے میں اپنے فیصلے کی بنیاد مارک اَپ، لیز، ہائر پرچیز اور سروس چارج کے جائز یا ناجائز ہونے پر رکھی ہے۔ مارک اَپ کو جس طرح کہ یہ اس وقت رائج ہے، وفاقی شریعت عدالت نے ناجائز قرار دیا ہے اور اسی لئے اسے حذف کر دیا گیا ہے جبکہ لیز، ہائر پرچیز اور سروس چارج کو برقرار رکھا گیا اور انہیں اسلامی اَحکام سے متصادم قرار نہیں دیا گیا، سیکشن 79 اور اس کی تمام دفعات کے بغور مطالعے اور صحیح تناظر میں تجزیئے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سیکشن 79 کا مقصد مارک اَپ، لیز وغیرہ کے کسی سودے میں معاوضے کو جائز یا ناجائز قرار دینا نہیں ہے۔ کلاز (i) کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اگر ایک بار پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج ان بنیادوں پر جاری کر دیا گیا اور اگر انہیں جاری کرنے والا مدت پوری ہونے پر رقم ادا نہیں کر سکا تو عدالت نوٹ یا بل کے حامل کو اس مدت کے معاوضہ ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے، جس مدت کے دوران واجب الادا ہونے کے بعد یہ رقم ادا نہیں کی گئی۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھنے سے یہ دفعہ اپنی موجودہ شکل میں مکمل طور پر اسلامی اَحکام کے خلاف ہے، بغیر اس بات کا خیال کیے ہوئے کہ اس معاہدے کے تحت مارک اَپ،

لیز وغیرہ شریعت کے مطابق ہیں یا نہیں، اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

ایکٹ 1881 میں سیکشن 79 ابتدائی طور پر ایسے معاہدوں کے لئے بنائی گئی تھی جو سود والے قرضوں کے بارے میں تھے، سود کی قسم ایسی تھی جو روزانہ کی بنیاد پر شمار کیا جاتا تھا۔ اور جب تک رقم ادا نہ کر دی جائے، اس میں برابر اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اس اُصول کی بنیاد پر سیکشن 79 میں ایسی صورتوں کو پیش نظر رکھا گیا تھا جہاں مقروض مقررہ مدت ختم ہونے پر قرضہ ادا نہ کر سکے۔ یہ بات فرض کر لی گئی تھی کہ قرضے کی عدم ادائیگی کے ہر روز کے لئے قرضہ دینے والے کو مزید سود یا معاوضہ ملنا چاہئے۔ ذیلی دفعہ (a) میں کہا گیا ہے کہ اگر معاہدے میں قرضے کی ابتدائی مدت کے لئے سود کی کوئی شرح مقرر کی گئی ہے تو باقی عدم ادائیگی کی مدت کے دوران بھی سود اسی شرح سے وصول کیا جائے گا۔ ذیلی دفعہ (b) میں ایسی صورت کو نظر میں رکھا گیا ہے جہاں معاہدے میں سود کی کوئی شرح مقرر نہیں کی گئی، چاہے اس وجہ سے کہ ابتدائی مدت کے لئے قرضہ بغیر سود کے دیا گیا تھا یا اس لئے کہ سود کی رقم یک مشت رکھی گئی تھی، اس صورت میں قانونی طور پر سود کی شرح کا 6 فیصد سالانہ مقرر کی گئی ہے۔

جب 1980ء میں حکومت نے سود کے خاتمے کا اعلان کیا اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے کچھ متبادل طریقوں کی اجازت دے دی، جیسے مارک اَپ، لیزنگ، ہائر پرچیز اور سروس چارج تو قوانین میں کچھ ترامیم کی گئیں۔ اسی پس منظر میں سیکشن 79 میں یہ دفعہ شامل کی گئی اور سود کی بنیاد پر جاری کیے گئے نوٹس اور بلز پر نافذ کی جانے والی دفعات مارک اَپ، لیز، ہائر پرچیز اور سروس چارج کی بنیاد پر جاری کی جانے والی دستاویات پر بھی ذیلی دفعہ میں دیئے گئے طریقے کے مطابق لاگو کی جانے لگیں اور یہ خیال نہیں کیا گیا کہ یہ تمام معاہدے سود کی بنیاد پر قرضوں کے معاہدوں سے بالکل مختلف ہیں اور ان پر وہ قوانین نافذ نہیں کیے جا سکتے جو سود والے قرضوں کے معاہدوں کے لئے بنائے گئے ہیں، ان چاروں قسم کے معاہدوں کی اپنی خصوصیات ہیں اور ان پر علیحدہ طریقوں سے غور کیا جائے۔

ہم ان میں سے ہر معاہدے کا علیحدہ علیحدہ تجزیہ کرتے ہیں۔

پہلا طریقہ جس کا ذیلی دفعہ (i) میں ذکر کیا گیا ہے، قیمت پر مارک اَپ کا طریقہ ہے، اس طریقۂ کار سے مطلب بیع مؤجل ہے، جس کی تفصیلات مندرجہ بالا پیرا گرافوں اور جسٹس محمد تقی عثمانی کے فیصلے کے پیرا (189) اور (218) میں بھی دی گئی ہیں، کہا گیا ہے کہ اس طریقے کی تجویز اسلامی نظریاتی کونسل نے پیش کی تھی مگر بینکوں نے جب اسے عملی طور پر نافذ کیا تو بگاڑ کر بدترین شکل بنا دی، اس لئے وفاقی شریعت عدالت کو کہنا پڑا: ''مارک اَپ سسٹم جیسا کہ اب یہ رائج ہے، اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دیا جاتا ہے۔'' (وفاقی شریعت عدالت کے فیصلے کا پیرا 262) اور پھر عدالت نے حکم دیا کہ

اس ذیلی دفعہ سے مارک اَپ کے الفاظ حذف کردیئے جائیں۔

ہم یہ فیصلہ پہلے ہی دے چکے ہیں کہ مارک اَپ سسٹم جو اس وقت ہمارے بینکوں میں رائج ہے، اسلامی اَحکام کے خلاف ہے، مگر یہ کہنا دُرست نہیں ہے کہ بیع مؤجل کے طریقے کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے، اگر اس طریقے میں اُوپر دی گئی شرائط پوری کی گئی ہوں تو اسے اسلامی اَحکام کے متصادم نہیں کہہ سکتے، لیکن اس کلاز میں اس طریقے کا حوالہ جو پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج کے معاوضے کے پس منظر میں ہے، بیع مؤجل کے بنیادی اُصولوں کے مطابق نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع مؤجل خریداری کا ایسا طریقہ ہے جس میں ادائیگی بعد میں کی جاتی ہے۔ اس طریقے کی بنیادی شرط یہ ہے جس طرح خریداری کے دُوسرے طریقوں میں ہوتا ہے کہ خریداری معاہدہ ہوتے وقت ہی قیمت طے کرلی جاتی ہے، اس قیمت میں مارک اَپ بھی شامل ہوسکتا ہے (فروخت کرنے والے کے جو اخراجات ہوئے ہیں اس میں نفع بھی شامل کردیا جاتا ہے)، مارک اَپ کی رقم مقرر کرنے میں فروخت کنندہ مختلف عوامل پرغور کرتا ہے جس میں دیر سے ادائیگی ہونا بھی شامل ہوتا ہے، لیکن جیسا کہ پہلے بھی کہا جاچکا ہے جب ایک بار قیمت مقرر ہوجائے تو یہ کسی چیز کے متعلق ہوتی ہے اور اسے یک طرفہ طور پر گھٹایا یا بڑھایا نہیں جاسکتا، کیونکہ جیسے ہی فروخت مکمل ہوتی ہے اس چیز کی قیمت قرض ہوجاتی ہے جو خریدار کو ادا کرنا ہے۔

اس واجب رقم کے ثبوت کے لئے اگر کوئی بل آف ایکسچینج یا پرامزری نوٹ تحریر کیا گیا ہے تو قرضے کے لئے لکھے گئے نوٹ یا بل سے یہ مختلف نہیں ہوگا، اور اس بل یا نوٹ پر کوئی معاوضہ وصول نہیں کیا جاسکے گا، کیونکہ یہ واجب رقم پر سود لینے کے مترادف ہوگا۔

سیکشن 79 کی سب کلاز (i) میں کہا گیا ہے کہ اگر بیع مؤجل میں خریدار قیمت ادا نہیں کرتا جس کے ثبوت کے لئے پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج لکھا گیا ہے تو خریدار کو ابتدائی مارک اَپ کی شرح سے اس وقت تک کے لئے مزید معاوضہ ادا کرنا پڑے گا جب تک کہ واجب الادا ہونے کے بعد یہ قیمت ادا نہیں کی گئی ہو۔ مثال کے طور پر الف نے ایک چیز 100 روپے میں خریدی، ب اس سے 10 فیصد مارک اَپ پر یہ چیز خریدنے کے لئے رضامند ہے، اس طرح یہ چیز ب کو 110 روپے قیمت پر فروخت کردی جاتی ہے جو ایک سال بعد 31 جنوری کو ادا کرے گا۔ ب الف کے حق میں 110 روپے کے پرامزری نوٹ پر دستخط کردیتا ہے، یہ پرامزری نوٹ ایک ایسی دستاویز ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ب کو یہ رقم الف کو ادا کرنا ہے، جس میں وہ مارک اَپ بھی شامل ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اگر ب 110 روپے کی رقم 31 جنوری تک ادا نہیں کرتا تو ایکٹ 1881 کی سیکشن 79 کی

سب کلاز (i) کے مطابق ب اسی شرح سے یعنی مثال میں 10 فیصد سے الف کو اس مدت کے لئے مزید معاوضہ ادا کرے گا جب تک کہ 31 جنوری کے بعد یہ رقم ادا نہیں ہو جاتی۔ یہ دفعہ اسلامی اَحکام سے متصادم ہے، کیونکہ جب قیمتِ خرید کی رقم قرض ہو جاتی ہے تو فروخت کنندہ اس پر معاوضہ طلب نہیں کر سکتا، اگر خریدار اپنی غربت کی وجہ سے مقررہ مدت میں رقم ادا نہیں کرسکتا تو اس بارے میں قرآن کا حکم واضح ہے کہ اسے اس وقت تک مزید مہلت دی جائے جب تک کہ وہ رقم ادا کرنے کے قابل ہو جائے، قرآن شریف میں کہا گیا ہے:

اگر مقروض غریب ہے تو اُسے اس وقت تک مہلت دی جائے جب تک وہ خوش حال نہ ہو جائے۔

لیکن اگر خریدار ادائیگی کی صلاحیت رکھنے کے باوجود تاخیر کر رہا ہے تو اسے دُوسری سزائیں دی جاسکتی ہیں، لیکن اس وجہ سے خریدار کو شرح فیصد کے حساب سے مزید معاوضہ ادا نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ سیکشن 79 میں دیا گیا ہے، اس مسئلے پر جسٹس محمد تقی عثمانی کے فیصلے کے پیرا (51) میں بحث کی گئی، قرآن کی یہ آیت بھی اسی پس منظر میں نازل ہوئی ہے:

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ بیع ربا کی طرح ہے، حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام۔"

اس لئے ہم وفاقی شریعت کورٹ کے اس فیصلے سے متفق ہیں کہ سیکشن 79 کی سب کلاز (i) میں مذکورہ قیمت پر مارک اَپ کے الفاظ اسلامی اَحکام سے متصادم ہیں، لیکن مارک اَپ کا معاہدہ خود ممنوع نہیں ہے۔ اگر کوئی چیز مارک اَپ کی بنیاد پر خریدی گئی ہے اور اس کی قیمت کا پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج میں ذکر ہے اور اس میں ابتدائی مارک اَپ بھی شامل ہے تو شریعت کے مطابق ابتدائی مارک اَپ کی بنیاد پر مزید کسی معاوضے کی اجازت نہیں ہے۔

دُوسرا طریقہ جس کا سب کلاز (i) میں ذکر کیا گیا ہے لیز کا ہے، لائق وفاقی شریعت کورٹ نے فیصلہ دیا ہے کہ لیز کا طریقہ کیونکہ جائز ہے، اس لئے لیز کے بارے میں سب کلاز (i) میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے وفاقی شریعت کورٹ نے اس بات پر توجہ نہیں دی کہ یہ کلاز لیز کو قانونی بنانے کے لئے نہیں ہے، یہ آگے جاتی ہے، یہ کہتی ہے کہ لیز کے معاہدے میں کرائے کی ادائیگی کے لئے ثبوت کے طور پر پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج لکھا گیا ہے اور مقررہ تاریخ پر کرایہ ادا نہیں کیا گیا ہے، تو اس نوٹ یا بل کے ذریعے کرایہ دار خود بخود ابتدائی شرح سے مزید معاوضہ ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ ہم ایک مثال کے ذریعے یہ بات سمجھتے ہیں۔ الف نے ب کو یکم فروری کو 5 سال

کے لئے ایک ایکیوپمنٹ کرایہ پر دیا، فریقین کے درمیان کرایہ کی مجموعی رقم 100000 روپے طے ہوئی جو ماہانہ اقساط میں ادا کی جانی تھی، ب نے پرامزری نوٹ پر دستخط کیے کہ 100000 روپے کی رقم 31 جنوری 2004ء کو ادا کر دی جائے گی، کرایہ مقرر کرتے وقت مالک نے اس ایکیوپمنٹ کی جو قیمت ادا کی تھی اس پر 5 فیصد سالانہ کی شرح سے اپنا منافع بھی رکھا۔ اگر ب 31 جنوری 2004ء تک 100000 روپے کی پوری رقم ادا نہیں کرتا تو سب کلاز (i) کے مطابق الف اس پرامزری نوٹ کی بنیاد پر 5 فیصد سالانہ کی شرح سے مزید معاوضہ وصول کرنے کا حق دار ہوگا، یہ ہی شرح کرایہ مقرر کرتے وقت سامنے رکھی گئی تھی، اس طرح اس قرض میں روزانہ کی بنیاد پر اس وقت تک اضافہ ہوتا جائے گا جب تک رقم ادا نہیں ہو جاتی۔

شریعت کے مطابق صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ جب کرایہ دار مقررہ مدت تک وہ چیز استعمال کر چکا تو کرایہ کی رقم اس کے اُوپر قرض ہوگئی اور اس پر وہی قواعد وضوابط نافذ ہوں گے جو قرضے پر ہوتے ہیں، اور جیسا کہ مارک اَپ کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اگر مقروض شخص اپنی غربت کی وجہ سے قرضہ ادا نہ کر سکے تو اسے مزید وقت دیا جائے گا۔ قرآن شریف کے حکم کے مطابق اگر وہ جان کرتا خیر کر رہا ہے تو اس کے خلاف تأدیبی اقدامات کیے جائیں گے، لیکن اس تأخیر کو مزید معاوضہ ادا کرنے کا ذریعہ نہیں سمجھا جائے گا، جیسا کہ سب کلاز (i) میں دیا گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر کرایہ دار نہ تو کرایہ ادا کرتا ہے اور نہ ہی وہ کرایہ پر لی جانے والی چیز واپس کرتا ہے اور کرایہ کی مدت گزر جانے کے بعد بھی اسے اپنے قبضے میں رکھتا ہے تو اس مدت کے لئے جس میں وہ چیز اس کے قبضے میں رہتی ہے وہ وہی کرایہ ادا کرے گا جو شروع میں مقرر کیا گیا تھا، مگر یہ اس وجہ سے ہوگا کہ مدت گزرنے کے بعد بھی اس نے اس چیز کو استعمال کیا ہے اور یہ معاوضہ پہلے سے واجب کرایہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے نہیں ہوگا۔

ہائر پرچیز

اس سب کلاز میں ذکر کیا جانے والا تیسرا طریقہ ہائر پرچیز کا ہے، لائق وفاقی شریعت کورٹ نے اس طریقے پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا ہے:

''اس دفعہ میں استعمال کی جانے والی ایک اصطلاح ہائر پرچیز کی ہے، اس طریقے کے تحت بینک مشترکہ ملکیت کے تحت ان چیزوں کی سیکورٹی کے ساتھ یا بغیر سیکورٹی کے خریداری کے لئے رقم مہیا کریں گے، انہیں اصل رقم کی واپسی کے ساتھ کرایہ میں حصہ بھی ملے گا۔''

لائق وفاقی شریعت کورٹ نے خریداری کے معاہدے کی صحیح طور پر تشریح نہیں کی، اسے شراکت داری کا تصور سمجھ لیا ہے۔ ہائر پرچیز کی صحیح نوعیت چٹی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کی ہے:

''ہائر پرچیز معاہدے کو ایک ایسا معاہدہ کہا جا سکتا ہے جس کے تحت کوئی مالک اپنا کسی قسم کا بھی مال کرایہ پر دے دیتا ہے اور اس بات پر بھی رضامندی کا اظہار کرتا ہے کہ یا تو کرایہ دار مال واپس کر کے معاہدہ ختم کر دے یا جب کرایہ کی رقم معاہدے میں دی گئی مال کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اسے ادا کر کے یا بیان کی گئی رقم ادا کر کے اسے خرید ے۔ اس معاہدے کی بنیاد (i) مالک کی طرف سے کرایہ دار کو کرایہ پر مال دینا اور (ii) وہ معاہدہ ہے جس کے تحت کرایہ دار وہ مال یا تو واپس کر دے گا یا کسی وقت خرید ے گا۔'' یہ معاہدہ مارکیٹ میں مختلف شکلوں میں استعمال کیا جاتا ہے جن میں سے کچھ شکلیں ایسی ہیں جن میں ایسے عناصر موجود ہوتے ہیں جو شریعت کے مطابق نہیں ہوتے، لیکن یہاں اس کی تفصیلات میں جانا مناسب نہیں۔ اگر ہائر پرچیز کے طریقے کو چٹی کی بنائی ہوئی صحیح شکل میں استعمال کیا جائے اور اس میں شریعت کے اُصولوں کی خلاف ورزی نہ ہو، تو بھی اس کلاز میں اس طریقے کے جائز ہونے کے سوال کو نہیں اُٹھایا گیا ہے۔ یہاں پر سوال ایسے پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج کی بنیاد پر معاوضے کی ادائیگی کا ہے جس میں ہائر پرچیز کے معاہدے کے مطابق کرایہ ادا کرنا لازم ہے، اس لئے اس میں بھی وہی فیصلہ نافذ ہوگا جو لیز کے معاملے میں ہوا ہے۔

سروس چارجز

اس کے بعد کلاز (i) میں سروس چارج کا ذکر کیا گیا ہے، وفاقی شریعت کورٹ نے یہ فیصلہ دُرست کیا ہے کہ وہ سروس چارج جو کہ دستاویز تیار کرنے کے اصل اخراجات پر مبنی ہو اور جو قرضہ دینے والا قرض دینے کے سلسلے میں برداشت کرتا ہے، قرضہ لینے والے سے طلب کر سکتا ہے۔ یہ اُصول قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیت سے اخذ کیا گیا ہے:

وَلْيُمْلِلِ الَّذِیْ عَلَيْهِ الْحَقُّ.

(اور وہ شخص لکھوا دے جس کے ذمہ حق واجب ہے)

یہاں پر قرضے کی دستاویز کی تیاری کی ذمہ داری قرضہ لینے والے پر ڈالی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر دستاویزات کی تیاری میں کوئی اخراجات آتے ہیں تو انہیں قرضہ لینے والا برداشت کرے گا۔

اس میں یہ اُصول بتایا گیا ہے کہ قرض کے کسی معاہدے میں دستاویزات کی تیاری کی قسم کے

اخراجات کا قرض دینے والا دعویٰ کرسکتا ہے لیکن اس شرط پر کہ وہ حقیقتاً اصل اخراجات پر مبنی ہیں اور صرف سود لینے کا کوئی بہانہ نہیں ہیں، لیکن زیرِ بحث کلاز میں یہ سوال نہیں اُٹھایا گیا کہ سروس چارج جائز ہے یا نہیں؟ اس کلاز میں یہ خیال زیرِ غور رکھا گیا ہے کہ اگر کسی پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج سے سروس چارج ادا کرنے کی ذمہ داری ثابت ہے اور مقررہ تاریخ پر اس کی ادائیگی نہیں کی جاتی تو نوٹ یا بل خود بخود قرض دار پر لازم کردے گا کہ وہ نوٹ یا بل پر سروس چارج کی اس شرح سے معاوضہ ادا کرے جو شروع میں شمار کیا گیا تھا۔

اب یہ بات ظاہر ہے کہ سروس چارج کی اصل خرچے کی بنیاد پر اجازت دی گئی ہے اور کسی خاص شرح سے معاوضے کی بنیاد پر نہیں۔ قرضے دینے میں دستاویزات کے اخراجات صرف شروع میں ہوتے ہیں جب قرضہ دیا جاتا ہے، اور انہیں شروع کے سروس چارج میں شامل کرلیا جاتا ہے جس کا پرامزری نوٹ میں ذکر ہوتا ہے۔

عام طور پر یہ بار بار ہونے والے خرچے نہیں ہوتے، اگر رقم ادا کرنے کی تاریخ کے بعد کوئی ایسا خرچہ ہوتا ہے جیسے ریمائنڈ بھیجنے پر تو وہ اس شرح سے نہیں ہوتا، جس پر شروع میں سروس چارج شمار کیا گیا تھا، وہ کم بھی ہوسکتا ہے، اور اگر قرض دینے والا قانونی چارہ جوئی شروع کردے تو زیادہ بھی ہوسکتا ہے۔

سب کلاز (ii)

اب ہم 1881 کے ایکٹ کے سیکشن 79 کی سب کلاز (ii) کی طرف آتے ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہے:

''نفع اور نقصان میں شراکت کی بنیاد پر معاوضے کی شرح وہ ہوگی جو شرح عدالت اس مقدمے کے حالات میں منصفانہ اور مناسب خیال کرتی ہے، اور نفع میں شرکت کے اس معاہدے کو بھی زیرِ غور رکھا جائے گا، جو بینکنگ کمپنی اور قرض دار کے درمیان قرض لیتے وقت ہوا تھا۔''

یہ فرض کرتے ہوئے کہ اس کلاز میں نفع نقصان میں شرکت کے بارے میں بتایا گیا ہے جو کہ شریعت کے خلاف نہیں ہے، وفاقی شریعت عدالت نے اسے چھوا تک نہیں، بلکہ سیکشن 80 کی ایک متوازی دفعہ کے لئے کہا کہ یہ اسلامی اَحکام کے خلاف ظاہر نہیں ہوتی، لیکن اس کلاز کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے تو الفاظ ''قرضہ لیتے وقت'' جو کلاز کے آخر میں آئے ہیں، گمراہ کرنے والے

ہیں، نفع نقصان کی بنیاد پر روپیہ لگانا قرضہ نہیں ہے، لہٰذا یہ لفظ بھی غلط استعمال کیا گیا ہے۔ دُوسرے جس تناسب سے شراکت داروں میں نفع تقسیم کیا جانا طے ہوا ہے وہ اس وقت تک قابلِ عمل رہے گا جب تک مشارکہ حتمی طور پر طے یا ختم نہیں ہو جاتا، یہاں تک تو یہ دفعہ صحیح ہے، لیکن اس کلاز میں استعمال کی جانے والی زبان ایک ایسی صورتِ حال کا احاطہ بھی کرتی ہے جہاں فائنانسر شراکت ختم ہونے کے بعد بھی نفع کی کسی رقم کا حق دار ہے اور وہ ایک عرصے سے ادا نہ کی گئی ہو، اس کلاز کے الفاظ قرضہ دینے والے کو غیر اداشدہ رقم پر اسی شرح پر مزید معاوضے کا دعویٰ کرنے کی اجازت بھی دیتے ہیں جس پر سے نفع دینا طے ہوا تھا، یہ بات بھی قابلِ اعتراض ہے، کیونکہ اگر بزنس بالکل ختم کر دیا گیا اور قرض دار کے پاس صرف وہ رقم باقی بچتی ہے جس پر قرضے کی رقم واپس لینے کے لئے فائنانسر کا حق ہے تو اس پر کوئی معاوضہ لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ قرضے پر سود ہوگا۔

متذکرہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ مارک اَپ، لیزنگ، ہائر پرچیز، سروس چارجز اور شراکت کے کاروبار چند شرائط کے ساتھ جائز ہیں، لیکن سیکشن 79 کے مطابق پرونوٹ یا بل آف ایکسچینج پر جس طرح مزید معاوضہ دیا گیا ہے وہ قرضے پر معاوضہ ہے اور یہ سود کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے، اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ سیکشن مکمل طور پر اسلامی اَحکام سے متصادم ہے، اگرچہ اس سیکشن 79 کی کلاز (ii) میں مشارکہ اور نفع نقصان میں شرکت کا ذکر کیا گیا ہے لیکن اس طرح کے کاروبار میں عام طور پر کسی پرامزری نوٹ یا بل آج ایکسچینج کی ضرورت نہیں ہوتی جس کے تحت قرض دار کو ایک خاص رقم ادا کرنا ہوتی ہے۔ لہٰذا اس نامکمل کلاز کو قائم رکھنے سے اسے ایسی صورتِ حال میں استعمال کیا جا سکے گا جس کے لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس صورت میں مزید معاوضہ جائز نہیں ہے۔ جب تک فائنانسر کے حصے کی رقم بزنس میں رہتی ہے وہ بزنس میں ہونے والے اصل نفع کی رقم پر مزید معاوضے کا حق دار ہوگا لیکن مشارکہ کی دستاویز میں اس کا ذکر ہونا چاہئے، موجودہ صورتِ حال میں اس کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لئے سیکشن 79 کو مکمل طور پر اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دیا گیا ہے۔

سیکشن 80

1881 کے ایکٹ کی سیکشن 80 بھی سیکشن 79 کی طرح ہے، اسی لئے وفاقی شریعت عدالت نے اس کے بارے میں بھی وہی فیصلہ دیا ہے جو سیکشن 79 کے بارے میں ریکارڈ کیا تھا، اور وفاقی شریعت کورٹ کے فیصلے پر ہماری بھی وہی رائے ہے جو ہم نے سیکشن 79 کے بارے میں تفصیل سے دی ہے، اس لئے سیکشن 79 کی طرح سیکشن 80 کے بارے میں بھی یہ ہی فیصلہ دیا جاتا ہے کہ یہ مکمل

طور پر اسلامی اَحکام سے متصادم ہے۔

1881 کے ایکٹ کی سیکشن 114 اور (C)117 بھی اسلامی اَحکام کے خلاف ہیں، کیونکہ یہ دونوں دفعات سود کے بارے میں ہیں۔

سیکشن 114 قرض دینے والے کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ ابتدائی طور پر قرض دینے والے سے بل آف ایکسچینج کی پابندی کرتے ہوئے اپنی رقم مع سود کے واپس لے سکتا ہے، اسی طرح سیکشن (C)117 میں انڈورسر کو جس نے بل کی رقم ادا کردی ہے یہ حق ملتا ہے کہ وہ اس رقم کو چھ فیصد سود کے ساتھ واپس لے سکے۔ دونوں دفعات کے تحت سود وصول کیا جاتا ہے، اس لائق وفاقی شریعت عدالت نے ان دونوں دفعات کو صحیح طور پر اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دیا ہے۔ اس لئے وفاقی شریعت عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر کسی فریق نے اس فیصلے کے نفاذ سے پہلے کوئی واجب رقم مع اس سود کے جو کسی معاہدے کے تحت لازم ہے، ادا کردی ہے تو اس طرح ادا کی جانے والی رقم معاہدے کی پابندی کی وجہ سے دُوسرے فریق کو وصول کرنا جائز ہوگی، 1881 کے ایکٹ پر بحث ختم کرنے سے پہلے ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ ''نگوشی ایبل انسٹرومنٹ'' کی تشریح جیسا کہ یہ سیکشن 13 میں کی گئی ہے یہ نہیں بتاتی کہ اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے یا اسے منتقل کیا جاسکتا ہے یا رقم کم کر کے انڈورس کیا جاسکتا ہے، لیکن مالیاتی منڈیوں میں یہ پریکٹس رہی ہے کہ اسے سود کی بنیاد پر ڈسکاؤنٹ کیا جاتا ہے۔ یہ پریکٹس اسلامی اَحکام کے خلاف ہے اور اس میں رِبا شامل ہوجاتا ہے، کوئی پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج اس قرضے کی نمائندگی کرتا ہے جو مقروض اس بل یا نوٹ رکھنے والے کو ادا کرے گا۔ یہ قرضہ اصل قیمت کے سوائے کسی اور قیمت پر منتقل نہیں کیا جاسکتا۔ کسی پرامزری نوٹ یا بل آف ایکسچینج پر ڈسکاؤنٹ کرنے میں سود شامل ہوجاتا ہے۔ اسلامی مالیاتی منڈی میں رقم یا قرضے کی دستاویزات کی خرید و فروخت نہیں کی جاسکتی، البتہ جو کاغذات جیسے شیئرز، لیز سرٹیفکیٹس، مشارکہ سرٹیفکیٹس وغیرہ، کسی اثاثے کی ملکیت کی نمائندگی کرتے ہیں، ان کی تجارت ہوسکتی ہے، اور ان کے لئے ایک دُوسری مارکیٹ کو ترقی دی جانی چاہئے۔

IV۔ دی لینڈ ایکوزیشن ایکٹ 1894

1894 کے لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی دفعات 28، 32، 33 اور 34 میں جہاں تک سود کا ذکر ہے انہیں فیصلے کے پیراگراف 279 سے 296 تک میں کی گئی بحث کے مطابق قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں دیئے گئے اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دیا گیا ہے۔ دی لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی دفعہ 28 مندرجہ ذیل ہے:

''28 کلکٹر کو ہدایت دی جا سکتی ہے کہ وہ معاوضے کی مزید رقم پر سود ادا کرے، اگر عدالت کی رائے کے مطابق وہ رقم جو کلکٹر کو معاوضے کے طور پر دینا تھی اس رقم سے زیادہ ہے جو اس نے معاوضے کے طور پر دی ہے تو عدالت اپنے فیصلے میں ہدایت دے سکتی ہے کہ کلکٹر اس زائد رقم پر 6 فیصد سالانہ کی شرح سے زمین قبضے میں لینے کے وقت سے عدالت میں زائد رقم ادا کرنے کے وقت تک کے عرصے کے لئے سود ادا کرے۔'' دفعہ 28 کے مطالعے سے ہی اس دفعہ کا مقصد ظاہر ہو جاتا ہے، یعنی زمین کے مالک کو معاوضہ ادا کرنا جسے اس کی زمین سے بغیر مناسب معاوضہ ادا کیے ہوئے محروم کر دیا گیا تھا، اس طرح کی محرومی کا ایک مقررہ طریقۂ کار کے ذریعے اندازہ لگایا جائے، یعنی مالک کو 6 فیصد سالانہ شرح سے ادا کی جانے والی رقم کے فرق پر اس عرصے کے لئے معاوضہ ادا کیا جائے گا، جس عرصے میں وہ اپنی زمین سے محروم رہا ہے، جس اُصول کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مالک کو اس کی جائیداد سے اس وقت تک محروم نہیں کیا جا سکتا جب تک اسے معاوضے کے طور پر کافی اور مناسب قیمت ادا نہ کر دی جائے، اور اس وقت تک ملکیت کے حقوق کو منتقل نہ سمجھا جائے جب تک مناسب معاوضہ ادا نہ کر دیا جائے۔ 1985 کے بلوچستان ایکٹ 13 کے ذریعے دفعہ 28 کو ترمیم کر کے متبادل دفعہ مندرجہ ذیل رکھی گئی ہے:

''سیکشن 4 کے تحت نوٹیفکیشن کی تاریخ پر موجود مارکیٹ قیمت پر معاوضہ مقرر کرنے کے علاوہ 15 فیصد سالانہ کے حساب سے مقررہ معاوضے کی رقم پر سیکشن 4 کے تحت جاری ہونے والے نوٹیفکیشن کی تاریخ سے معاوضے کی ادائیگی کی تاریخ تک کی مدت کے لئے مزید معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

سندھ میں ایڈیشنل معاوضہ ادا کرنے کے لئے 1984 کے سندھ آرڈیننس نمبر 23 کے ذریعے لینڈ ایکوزیشن ایکٹ میں سیکشن 28 کے بعد سیکشن 28A کا اضافہ کر کے اسی طرح کی دفعہ بنا دی گئی ہے، لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی سیکشن 32 مندرجہ ذیل ہے:

''32۔ ایسے لوگوں کی زمین کے لئے سرمایہ کاری کے لئے داخل کرائی گئی رقم جو اسے فروخت نہیں کر سکتے۔

(1) اگر آخر میں دی گئی دفعہ کی ذیلی دفعہ (2) کے تحت کوئی رقم عدالت میں جمع کرائی گئی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس زمین کے لئے یہ رقم جمع کرائی گئی ہے وہ کسی ایسے شخص کی ملکیت ہے جو اسے فروخت کرنے کا اہل نہیں ہے تو عدالت:

(a) حکم دے گی کہ یہ ایسی دُوسری زمین کی خریداری میں لگائی جائے جس کو اسی طرح کی ملکیت کے حقوق حاصل ہیں جس کے لئے یہ رقم لگائی جانی تھی، یا

(b) اگر فوری طور پر ایسی خریداری ممکن نہیں ہے تو اس رقم کی حکومت کی یا دُوسری منظور شدہ سیکورٹیز میں سرمایہ کاری کی جائے، جہاں عدالت مناسب سمجھتی ہے اور عدالت اس بات کی بھی ہدایت کرے گی کہ اس سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا سود یا دُوسرے فوائد اس شخص یا اشخاص کو ادا کیے جائیں جو اس وقت اس زمین کی ملکیت کے حامل ہیں، اور یہ جمع شدہ رقم اسی طرح سرمایہ کاری میں لگی رہے گی جب تک اسے:

(i) متذکرہ بالا زمین کی خریداری میں نہیں لگایا جاتا یا

(ii) ایسے شخص یا اشخاص کو ادا نہیں کر دیا جاتا جو مکمل طور پر اس کے حق دار ہو گئے ہوں۔

(2) جمع کی جانے والی رقم کے ان تمام معاملات میں جہاں یہ دفعہ نافذ ہوتی ہے، عدالت حکم دے گی کہ مندرجہ ذیل اخراجات جن میں متعلقہ مناسب اخراجات بھی شامل ہوں گے، کلکٹر ادا کرے گا:

(a) متذکرہ بالا سرمایہ کاری کے اخراجات۔

(b) سود یا دُوسرے فوائد کی ادائیگی کے اَحکام کے لئے ان سیکورٹیز کے لئے جن میں وقتی طور پر رقم لگائی گئی ہے، عدالت سے باہر اصل زر کی رقم ادا کرنے کے اور ان سے متعلق دُوسری قانونی کاروائیوں کے لئے اخراجات سوائے دو دعویداروں میں آپس کی مقدمہ بازی کے اخراجات کے اس دفعہ کے تحت معاوضے کی رقم کی ادائیگی میں باقاعدگی پیدا کی گئی ہے جو دی لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی دفعہ 31 میں دی گئی وجوہات کی بنا پر مستحق مالک کو ادا نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ایسی رقم کو جو کہ عدالت میں پڑی ہوئی ہے دُوسری زمین کی خریداری میں لگایا جائے گا جس کی ملکیت کے حقوق اسی طرح کے ہوں گے جو اس زمین کے تھے جس کے لئے رقم جمع کرائی گئی تھی۔ اگر فوری طور پر ایسی خریداری ممکن نہیں ہے تو پھر ایسی سرکاری یا منظور شدہ سیکورٹیز میں لگا دی جائے۔ اس دفعہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سرمایہ کاری سے حاصل ہونے والا سود یا دُوسرے فوائد عدالت کی ہدایت کے مطابق ایسے شخص یا اشخاص کو ادا کیے جائیں گے جن کو حاصل کی جانے والی زمین کی ملکیت کا مستحق پایا گیا۔

دفعہ 33 مندرجہ ذیل ہے:

''کسی دُوسرے معاملے میں جمع شدہ رقم کی سرمایہ کاری جب رقم مذکورہ بالا دفعہ میں دی گئی وجہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے جمع کرائی گئی ہو تو رقم میں مفاد رکھنے والے یا مفاد کا دعویٰ کرنے والے کسی بھی فریق کی درخواست پر عدالت حکم دے سکتی ہے کہ اس رقم کی حکومت کی یا دُوسری منظور شدہ سیکورٹیز میں جسے وہ مناسب سمجھے سرمایہ کاری کر دی جائے اور وہ ہدایت دے سکتی ہے کہ اس سرمایہ کاری کا سود یا

دُوسرے فوائد جمع ہونے دیئے جائیں اور وہ اس طرح ادا کیے جائیں جس طرح عدالت کے خیال میں متعلقہ فریقوں کو وہی یا اس کے قریب فائدہ حاصل ہو جو انہیں اس زمین سے حاصل ہوتا جس کے لئے یہ رقم جمع کرائی گئی تھی۔'' یہ دفعہ لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی دفعہ 32 میں مذکورہ مقصد کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے جمع کرائی گئی رقم کا باقاعدہ انتظام کرنے کے بارے میں ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ عدالت میں جمع کرائی گئی ایسی رقم کی سرکاری یا منظور شدہ سیکورٹیز میں سرمایہ کاری کرائی جائے گی اور اس سرمایہ کاری کا سود یا فوائد ایسے شخص یا اشخاص کو ادا کیے جائیں گے جنہیں اس زمین پر ان کا حق ہونے کی بنیاد پر مستحق پایا جائے گا یا انہیں اس زمین سے فوائد حاصل کرنے کا حق دار پایا جائے گا، جس کے لئے کہ رقم جمع کرائی گئی تھی، شروع میں یہ دفعہ اس طرح تحریر کی گئی تھی:

''34۔ معاوضے کی اس رقم پر سود کی ادائیگی جو زمین کا قبضہ لیتے وقت یا اس سے پہلے ادا نہیں کی گئی تھی یا جمع نہیں کرائی گئی تھی، کلکٹر مقرر کردہ رقم مع 6 فیصد سالانہ کی شرح سے سود کے زمین پر قبضہ لینے کی تاریخ سے رقم کی ادائیگی تک کے عرصے کے لئے ادا کرے گا۔''

اس دفعہ میں ویسٹ پاکستان ایکٹ III 1969 کے ذریعے ترمیم کر کے ''چھ فیصد شرح سے اس پر سود'' کے الفاظ کو ''8 فیصد سالانہ سود مرکب'' سے بدل دیا گیا تھا اور اس میں ایک دفعہ کا اضافہ بھی کر دیا گیا جو فیصلے میں ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے:

''34۔ سود کی ادائیگی، جب زمین کا قبضہ لینے پر یا اس سے پہلے اس معاوضے کی ادائیگی نہیں کی گئی یا اسے جمع نہیں کرایا گیا تو کلکٹر مقرر کردہ رقم مع 8 فیصد سالانہ مرکب سود کے قبضہ لینے کے وقت سے رقم ادا ہونے یا جمع ہونے کے وقت تک کے عرصے کے لئے ادا کرے گا۔''

جہاں تک صوبہ بلوچستان میں اس کے نافذ ہونے کا تعلق ہے، 1985 کے ایکٹ XIII (سیکشن 11) کے ذریعے دفعہ 34 کو لینڈ ایکوزیشن ایکٹ سے بالکل ہی خارج کر دیا گیا۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ دفعہ 34 میں یہ دونوں ترامیم صوبہ سندھ میں لینڈ ایکوزیشن ایکٹ (ویسٹ پاکستان امینڈمینٹ) (اپیل) آرڈیننس 1971 (آرڈیننس VI آف 1971) کے ذریعے قابلِ نفاذ نہیں رکھے گئے۔ جہاں تک صوبہ سرحد کا تعلق ہے، نارتھ ویسٹ فرنٹیر آرڈیننس V 1983 کے ذریعے لینڈ ایکوزیشن ایکٹ 1894 میں دفعہ 34 کی جگہ مندرجہ ذیل دفعہ رکھی گئی ہے:

''جب ایسے معاوضے کی رقم زمین کا قبضہ لیتے وقت یا اس سے پہلے نہ جمع کروائی گئی ہو اور نہ ہی ادا کی گئی ہو، تو کلکٹر عدالت کی طرف سے مقرر کی ہوئی رقم مع 6 فیصد سالانہ سادہ سود کے، قبضہ لینے کے وقت سے اس وقت کے عرصے تک کے لئے جب رقم ادا کی گئی ہو یا جمع کرائی گئی ہو، ادا کرے گا۔''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وفاقی شریعت عدالت کے لائق ججوں کے سامنے سیکشن 34 کی ترمیم شدہ اور چاروں صوبوں میں نافذ دفعات پیش کر کے ان کی مناسب مدد نہیں کی گئی، یہ ترمیم شدہ دفعہ پشاور ہائی کورٹ اور لاہور ہائی کورٹ کے سامنے زیرِ غور آئی تھی۔ شمالی مغربی سرحدی صوبے کی حکومت بذریعہ کلکٹر، لینڈ ایکوزیشن، نوشہرہ بنام محمد شریف خان (پی ایل ڈی 1975 پشاور 161) کے مقدمے میں پشاور ہائی کورٹ کے لائق ججوں نے فیصلہ دیا کہ معاوضے کی رقم میں وہ رقم بھی شامل ہوتی ہے جو زبردستی زمین لینے کا سود کی شکل میں معاوضہ ہوتی ہے۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور بذریعہ وائس چانسلر بنام خادم حسین اور 5 دُوسرے افراد کے مقدمے ..... (1990 ایم ایل ڈی 2158 لاہور) میں لاہور ہائی کورٹ کے لائق ججوں نے فیصلہ دیا کہ دفعات 28 اور 34 کے تحت سود وصول کرنے کا حق اصل میں ایکٹ کے تحت زبردستی زمین لینے کی کاروائی کے نتیجے میں زمین سے محرومی کا معاوضہ ہے، اور نہ ہی زمین سے زبردستی محروم کیے جانے کی وجہ سے مالک کے لئے معاوضہ کے علاوہ رقم ہے، یہ اصل میں مساوی معاوضہ دینے کی کوشش ہے یا مساوی قیمت کا متبادل ہے، درحقیقت یہ وہ معاوضہ ہے جس سے نقصان اُٹھانے والا فریق اپنی پہلی حیثیت پر واپس آ جاتا ہے۔ اس دُوسرے مقدمے کا زیرِ بحث فیصلے میں نوٹس لیا گیا ہے۔

یہ ایکٹ جس کا فیصلے میں بھی ذکر آیا ہے، پہلی بار اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے اس کے اجلاس منعقدہ 19 جنوری 1976ء میں زیرِ غور آیا اور کونسل نے مندرجہ ذیل رائے دی:

قانونِ ہذا کے تحت حکومت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ معاوضہ ادا کرنے کے بعد مفادِ عامہ کے لئے ایسی اراضی حاصل کر سکتی ہے جو نجی ملکیت میں ہو، نیز اس قانون میں سودی معاملات کا بھی ذکر ہے۔ کونسل کی یہ رائے دی کہ حکومت کو حصولِ اراضی کا ایسا اختیار حاصل ہے اور قرآن وسنت کا کوئی حکم اس میں مانع نہیں، نیز ربا کے ضمن میں کونسل جو سفارش کرے گی وہ ان تمام قوانین کو متأثر کرے گی جن میں سود کا ذکر ہو، چنانچہ طے پایا کہ اس قانون میں کوئی چیز قرآن وسنت کے اَحکام سے متصادم نہیں ہے، البتہ سود سے متعلق دفعات ربا کے مسئلے پر کونسل کی سفارش کے تابع ہوں گی۔''

یہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے 14-3-1982 کو بھی آیا جب جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن چیئرمین تھے، انہوں نے ان دفعات کے بارے میں مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کیا:

''زمین کا حصول زمین کے مالک یا ان لوگوں کو جن کا اس میں حق ہے معاوضہ ادا کرنے کے بدلے میں ہے۔ اس سلسلے میں کیے جانے والے مختلف اقدامات پراسیجر کے متعلق ہیں اور اسلامی قانون کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے، سود کے بارے میں دفعات جو سیکشن 28، 32 اور 34

میں دی گئی ہیں، شریعت سے متصادم ہیں۔'' زیرِ بحث فیصلے میں یہ بھی نوٹ کیا گیا ہے کہ اسلامک آئیڈیولوجی کونسل نے متذکرہ بالا رائے سے اتفاق کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ لینڈ ایکوئزیشن ایکٹ میں اس کے مطابق ترمیم کی جائے۔ یہ ایکٹ (لینڈ ایکوئزیشن ایکٹ) ایس ایس ایم نمبر 14/1938,P میں وفاقی شریعت کورٹ کے زیرِ غور بھی آیا اور اس نے 27-3-1984 کو اس کے بارے میں فیصلہ دیا، لیکن سپریم کورٹ کی شریعت بنچ نے شریعت اپیل نمبر 22 آف 1984 میں اس فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا۔ اس عدالت کے فیصلے مؤرخہ 13-1-1988 کے حوالے سے اس معاملے کو وفاقی شریعت کورٹ میں نئے فیصلے کے لئے دوبارہ پیش کیا گیا، ریمانڈ کا معاملہ وفاقی شریعت کورٹ کی فل بنچ کے سامنے مختلف تاریخوں میں پیش ہوا اور یہ ملتوی ہوتا رہا اور یہ اس وقت بھی التواء میں تھا جب وفاقی شریعت کورٹ کے تین لائق ججوں نے زیرِ بحث فیصلہ دیا۔ یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ وفاق کے وکیل کا یہ موقف کہ لینڈ ایکوئزیشن ایکٹ کی دفعات 28 اور 34 کے تحت دِلوائی جانے والی رقم اس معاوضے کی نمائندگی کرتی ہے جو زبردستی زمین حاصل کرنے کے طریقۂ کار کی وجہ سے زمین سے محرومی کی بنا پر دیا جاتا ہے، اس لئے اسے قرآن شریف میں اور رسولِ پاک ﷺ کی سنت میں قرار دیا جانے والا رِبا نہ سمجھا جائے۔ اس موقف کی حمایت میں انہوں نے لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ (1990 ایم ایل ڈی 2158) بھی پیش کیا، اس سلسلے میں الہ آباد، پٹنہ اور مدراس کی ہائی کورٹوں کے تقسیم سے پہلے کے فیصلوں کا نوٹس بھی لیا گیا۔ وفاقی شریعت کورٹ کے لائق ججوں نے ان فیصلوں کا جائزہ لیا اور بہاری لعل کے مقدمے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ فیصلہ کرنے میں کہ سود یا معاوضہ انکم ٹیکس ایکٹ کے تحت کیا قابلِ ٹیکس آمدنی میں شامل ہوسکتا ہے عدالتیں جن عوامل کو اہمیت دیتی ہیں وہ اس معیار سے مختلف ہیں جو یہ دیکھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ سیکشن 28 اور 34 کے تحت ادا کیا جانے والا سود رِبا ہے۔ اس لئے یہ بات مناسب ہوگی کہ ہم جو ٹیسٹ یہ معلوم کرنے کے لئے کررہے ہیں کوئی آمدنی انکم ٹیکس ایکٹ کے تحت آمدنی ہے اسی سے یہ معلوم کریں کہ یہ رِبا ہے نہیں؟ کسی رقم کے رِبا ہونے کا صحیح ٹیسٹ قرآن شریف، رسولِ پاک ﷺ کی سنت کے ذریعے کیا جاسکتا ہے یا اسلامی قانون اور شریعت کے ماہر علماء اور فقہاء کی رائے سے کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے دفعات 28 اور 34 کے تحت ادا کیے جانے والے سود کو رِبا کے علاوہ کچھ اور ثابت کرنے کے فیصلے کے حق میں دیئے گئے دلائل کے طریقۂ کار کو شریعت میں دُرست کہنا مشکل ہے۔ سیکشن 28 اور 34 کے تحت معاوضے کی شکل میں ادا کیے جانے والے قرضے پر سود میں اضافہ رِبا کے زمرے میں آتا ہے۔

جہاں تک لینڈ ایکوئزیشن ایکٹ کی دفعہ 32 کا تعلق ہے، جس میں کلکٹر کی طرف سے جمع کرائی

گئی معاوضے کی رقم کی زمین کی خریداری یا منظور شدہ سیکورٹیز میں سرمایہ کاری کے لئے کہا گیا ہے، یہ فیصلہ دیا گیا کہ مذکورہ سیکورٹیز بغیر سود والی ہوں۔ اس خیال سے کوئی اختلاف نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مالیاتی اداروں میں بغیر سود والی سیکورٹیز اور اسکیمیں بھی موجود ہیں، اور عدالتیں ہدایات دیں تو وہ سرمایہ کاری کو باقاعدہ بنانے کے لئے مالیات میں شریعت کے طریقوں کا خیال رکھیں۔

وفاقی شریعت کورٹ کے لائق ججوں نے اس عدالت کے قزلباش وقف وغیرہ بنام چیف لینڈ کمشنر پنجاب لاہور وغیرہ (پی ایل ڈی 1990 ایس سی 99) کے مقدمے میں اس بات کا نوٹس لیا کہ زبردستی زمین حاصل کرنے یا خریدنے کی تیسری شرط یہ ہے کہ معاوضے کی ادائیگی یا تو قبضہ لینے سے پہلے کردی جائے یا اتنی مدت میں کی جائے جسے تأخیر سے ادائیگی نہ کہا جا سکے، لیکن سیکشن 13 میں کہا گیا ہے کہ یہ ادائیگی سود والے بانڈز کے ذریعے کی جائے۔ اس حکم سے یہ اُصول اخذ کیا جا سکتا ہے کہ زمین کی ادا کی جانے والی قیمت نہ صرف یہ کہ کافی ہو اور اس کی قیمت کا صحیح اندازہ لگایا گیا ہو، بلکہ اس کی ادائیگی زمین کا قبضہ لیتے وقت فوراً کردی جائے، لیکن اگر فوری طور پر ادائیگی نہ کی جائے تو اس مناسب مدت کے اندر کردی جائے جسے تأخیر سے ادائیگی نہ کہا جا سکے۔

غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی دفعات 28 اور 34 اس اُصول پر منحصر ہیں۔ پشاور ہائی کورٹ کا فیصلہ اس اُصول پر منحصر ہے۔ پشاور ہائی کورٹ اور لاہور ہائی کورٹ نے متذکرہ بالا فیصلوں میں یہ نقطۂ نظر اپنایا ہے کہ عدالت کو ان دو دفعات کے تحت معاوضہ مقرر کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے وہ زمین کے استعمال سے محروم کیے جانے کی وجہ سے ہے، اور قرآن شریف اور رسولِ پاک ﷺ کی سنت کے مطابق ربا کی تعریف میں نہیں آتا۔ زیرِ بحث مقدمے میں بھارت کے جن تین انکم ٹیکس کے مقدمات کا نوٹس لیا گیا ہے، ان میں بھی فیصلہ دیا گیا ہے کہ سود کی وصول کی جانے والی رقم معاوضہ ہے اور اس نقصان کی تلافی ہے جو جائیداد پر قبضہ رکھنے کے حق سے محرومی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ الہ آباد ہائی کورٹ کے مقدمے، بہاری لعل بھارگو بنام یو پی اور سی پی انکم ٹیکس کمشنر (اے آئی آر 1941 الہ آباد 135) میں یہ فیصلہ دیا گیا کہ لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی دفعہ 35 کو اس طرح کے نقصانات کو سود کے حساب سے جانچنے کے آسان طریقے کے طور پر بنایا گیا ہے۔ پٹنہ ہائی کورٹ کے مقدمے، کمشنر آف انکم ٹیکس بہار اور اڑیسہ بنام رانی پریاگ کماری دیبی اے آئی آر 1939 پٹنہ 662 میں فیصلہ دیا گیا کہ معاوضے (Damages) کے طور پر موصول ہونے والی آمدنی کو انکم ٹیکس ایکٹ 1922 کے تحت قابلِ تشخیص آمدنی میں شامل نہیں کیا جائے گا، اگرچہ یہ اس نتیجے پر پہنچی کہ مخصوص مقدمات میں یہ بات کہ یہ رقم آمدنی نہیں ہوتی بلکہ ایسی رقم ہوتی ہے جو جائیداد کو روکنے کے بدلے

میں موصول ہوتی ہے، قابل قبول نہیں ہے۔ مدراس ہائی کورٹ کے مقدمے ریونیو ڈویژنل آفیسر ترچنا پلی بنام وینکٹا رام ایا، میں اور ایک اور مقدمے اے آئی آر 1936 مدراس 199 میں جس کا وفاقی شریعت کورٹ کے فیصلے میں غلط طور پر اے آئی آر 193 مدراس 199 حوالہ دیا گیا ہے، یہ فیصلہ دیا گیا کہ سیکشن 34 کے تحت سود وصول کرنے کے حق نے قبضہ قائم رکھنے کے حق کی جگہ لے لی ہے، اور یہ ہی لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی بنیاد ہے کہ جب معاوضہ ادا کیا جانا تھا اور ادا نہیں کیا گیا تو عدم ادائیگی کی وجہ سے سود قبضے کی تاریخ سے ادا کیا جائے۔

وفاقی شریعت کورٹ کے لائق جج نے زیر بحث مقدمے میں متذکرہ بالا دلائل اس وجہ سے قبول نہیں کیے کہ یہ نہایت نامناسب ہے کہ جو ٹیسٹ معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ کیا کوئی رقم انکم ٹیکس ایکٹ کے تحت آمدنی ہے اس ٹیسٹ کو یہ معلوم کرنے کے لئے استعمال کیا جائے کہ کوئی رقم ربا ہے یا نہیں، اس کا اصل ٹیسٹ وہ ہے جو قرآن شریف اور سنتِ رسول ﷺ میں دیا گیا ہے، فیصلے میں کہا گیا کہ سیکشن 28 اور 34 کے تحت معاوضے کی شکل میں ادا کیے جانے والے قرضے میں سود کی شکل میں اضافہ ربا کے زمرے میں آتا ہے، ان دونوں دفعات کے تحت معاوضے کی ادائیگی کی نوعیت اور اس کا مقصد ہمارے خیال کے مطابق مزید غور کا متقاضی ہے۔ الہٰ آباد کے مقدمے اے آئی آر 1941 الہٰ آباد 135 میں دیئے گئے دلائل جو مدراس کے مقدمے اے آئی آر 1936 مدراس 199 کی بنیاد بھی ہیں، ڈاکٹر شام لعل نرولا بنام کمشنر آف انکم ٹیکس پنجاب، جموں اور کشمیر، ہماچل پردیش اور پٹیالہ اے آئی آر 1964 ایس سی 1876 کے مقدمے میں سپریم کورٹ آف انڈیا کے زیرِ غور آئے اور ان کو قبول نہیں کیا گیا، اس بارے میں سپریم کورٹ آف انڈیا کی بتائی ہوئی وجہ مندرجہ ذیل ہے:

''لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی دفعہ 34 معاوضے کے طور پر اوارڈ کی گئی رقم اور اس رقم پر واجب الادا سود کے درمیان خود امتیاز کرتی ہے، اوارڈ کی گئی رقم پر یہ سود اس وقت سے ادا کیا جاتا ہے جب سے کلکٹر نے قبضہ لیا ہے اور اس وقت تک ادا کرنا ہے جب رقم ادا یا جمع کی گئی ہو۔ دفعہ 23 کے مندرجات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دیئے گئے کسی بھی معاملے کے معاوضے میں سود شامل نہیں ہے اور نہ ہی اسے زمین حاصل کرنے کا معاوضہ کہا گیا ہے۔ سیکشن 23 کی کلاز (2) میں قانون سازوں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ زمین پر لازمی طور پر قبضے کی نوعیت کا خیال کرتے ہوئے عدالت زمین کی مارکیٹ ویلیو کے علاوہ مارکیٹ ویلیو پر مزید 15 فیصد رقم ادا کرائے گی۔ اگر سیکشن 23 کے تحت معاوضے پر ادا کیے جانے والے سود کو معاوضے کا حصہ سمجھا جاتا یا یہ زمین حاصل کرنے کی لازمی نوعیت کا خیال کرتے ہوئے دیا جاتا تو قانون بنانے والے اس کا سیکشن 23 میں ہی ذکر کرتے، لیکن اس کے بجائے

سود کی ادائیگی کا ذکر علیحدہ طور پر ایکٹ کی سیکشن 34 پارٹ V میں کیا گیا ہے۔ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ سود کا تعلق معاوضے کی رقم مقرر ہو جانے کے بعد ادائیگی سے ہے، یہ یا تو ایسا معاوضہ ہے جو رقم کے استعمال کے بدلے میں ادا کیا جاتا ہے یا رقم واجب الادا ہو جانے کے بعد اس کی واپسی کا مطالبہ نہ کرنے کے بدلے میں دیا جاتا ہے۔ اس لئے ایکٹ میں خود حاصل شدہ زمین کے قابل ادائیگی معاوضے اور اوارڈ کیے ہوئے معاوضے پر قابل ادائیگی سود کے درمیان امتیاز کیا ہے۔

سپریم کورٹ آف انڈیا نے اے آئی آر 1970 ایس سی 1702 اور اے آئی آر 1972 ایس سی 260 میں اس فیصلے کی پیروی کی ہے۔ وفاقی شریعت کورٹ کے لائق ججوں نے یہ صحیح طور پر کہا ہے کہ یہ معلوم کرنے کا ٹیسٹ کہ کوئی رقم انکم ٹیکس ایکٹ کے تحت آمدنی ہے کہ نہیں، یہ معلوم کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا کہ وہ رقم ربا ہے یا نہیں۔ اس سوال کا جواب جیسا کہ زیرِ بحث فیصلے میں بھی کیا گیا ہے، اسلامی قانون اور شریعت کے ماہر علماء اور فقہاء کے اخذ کیے ہوئے اُصولوں کی بنیاد پر دیا جا سکتا ہے۔ پہلا اُصول یہ ہے کہ لازمی طور پر حاصل کی جانے والی زمین کے سلسلے میں اس کا معاوضہ یا جائیداد اور زمین کی قیمت یا تو قبضہ لینے سے پہلے یا قبضہ لینے کے ساتھ ہی ادا کر دی جائے یا اتنی مدت میں ادا کر دی جائے کہ اسے ادائیگی میں قابلِ ذکر تاخیر نہ کہا جائے، لیکن اگر کوئی تاخیر ہوتی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ زمین کی ملکیت کا اس حد تک مفاد مستقل نہیں کیا گیا یہ اس لئے کیا جائے گا کہ متبادل قدر کے مطابق واجب قیمت کی ادائیگی کی ضرورت پر زور دیا جا سکے، اسی وجہ سے لینڈ ایکوزیشن ایکٹ کی سیکشن 28 میں ایسی رقم اوارڈ کرنے کے لئے کہا گیا ہے جو کلکٹر نے کم ادا کی ہو، کم تشخیص کی ہو یا کم مقرر کی ہو۔

شریعت کے نقطۂ نظر سے ایکوزیشن مالک سے جائیداد کی لازمی خریداری ہے اور اس کو دیا جانے والا معاوضہ ایسی خریداری کی قیمت ہے۔ جائز ایکوزیشن کی ضروری شرائط میں سے ایک شرط جیسا کہ اس عدالت نے قزلباش وقف V چیف لینڈ کمشنر پی ایل ڈی 1990 ایس سی 283 میں تحریر کیا ہے، یہ ہے کہ مالک کو قبضہ لیتے وقت یا اس سے پہلے زمین کی ایک اچھی مارکیٹ پرائس ادا کی جائے، اگر کلکٹر نے اچھی مارکیٹ پرائس سے کم قیمت ادا کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مالک کو مجبور کیا ہے کہ وہ نہ صرف کم قیمت پر اپنی زمین حوالے کر دے بلکہ مقدمہ بازی کی مشکلات کا بھی مقابلہ کرے۔ اس مقدمے میں عدالت کا کام یہ ہے کہ وہ ایک اچھی قیمت مقرر کر دے۔ اپنا فرض ادا کرتے ہوئے عدالت جائیداد کے مالک کے ساتھ کی جانے والی ناانصافی اور اسے پیش آنے والی مشکلات کا خیال کر سکتی ہے اور قیمت بڑھا سکتی ہے تا کہ یہ مارکیٹ پرائس سے زیادہ ہو جائے، بجائے

یہ آسان طریقہ اختیار کرنے کے 1894 کی سیکشن 28 نے پہلے زمین کی قیمت مقرر کی اس میں اضافے کا ذکر بھی کیا اور اس کے بعد اس پر 6 فیصد سالانہ کی شرح سے سود کے نام سے مزید رقم وصول کرنے کی اجازت بھی دی۔ یہی وجہ ہے کہ وفاقی شریعت کورٹ نے اسے اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دیا کیونکہ ایک دفعہ قیمت مقرر کر دی گئی اور یہ قرض ہوگئی تو اس میں شرح فیصد کے حساب سے کوئی بھی اضافہ سود ہوا جو ممنوع ہے۔ اس کے برعکس اگر متذکرہ بالا وجوہ کی بنا پر قیمت میں مزید اضافہ کر دیا جائے تو یہ سود نہیں ہوگا کیونکہ کسی چیز کی قیمت بہت سے عوامل کا خیال کرتے ہوئے مقرر کی جاتی ہے جس میں اس پریشانی کا خیال بھی شامل ہوسکتا ہے جو اس سودے میں مالک نے خریدار کے ہاتھوں اُٹھائی ہے۔

اس لئے معاوضے کا اوارڈ دراصل سیکشن 28 کے تحت اختیار کیا جانے والا طریقۂ کار اسی طرح پنجاب، سندھ اور شمالی مغربی صوبے کے لئے مہیا کیا جانے والا طریقۂ کار شریعت کے نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہے، یہ سیکشن بلوچستان میں 1985 کے ایکٹ 13 کی سیکشن A-9 کے نام سے بنائی گئی ہے اور اس میں بھی مناسب اور کافی معاوضہ ادا کرنے کے لئے جائز اور مناسب طریقۂ کار مہیا نہیں کیا گیا۔ ان دفعات کو مندرجہ ذیل طرح کی دفعہ سے تبدیل کر دیا جائے گا:

’’سیکشن 4 کے تحت جاری ہونے والے نوٹیفکیشن کی تاریخ پر موجود مارکیٹ پرائس کی بنیاد پر مقرر کیے جانے والے معاوضے کے علاوہ مقرر کردہ معاوضے پر 15 فیصد سالانہ کی شرح سے (یا وقتاً فوقتاً مقرر کی جانے والی شرح سے) مزید رقم معاوضے میں شامل کر دی جائے گی اور یہ رقم سیکشن 4 کے تحت جاری ہونے والے نوٹیفکیشن کی تاریخ سے معاوضے کی حتمی ادائیگی تک کی مدت کے لئے ادا کی جائے گی۔ جہاں تک سیکشن 34 کا سوال ہے، اوارڈ کی جانے والی رقم کو انڈین سپریم کورٹ نے بجا طور پر اپنے فیصلوں میں ایسا معاوضہ نہیں کہا جو مالک کو اس کی زمین کی ملکیت کے حق سے محروم کرنے کی وجہ سے دیا گیا ہے بلکہ اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ وہ اس رقم کے استعمال سے محروم رہا جو اسے حاصل کی گئی زمین کے معاوضے کے طور پر ملی تھی اور اس لئے یہ معاوضے کی رقم تأخیر سے ادا کیے جانے پر ادا کیا جانے والا سود ہے۔

سیکشن 28 کی طرح اس سیکشن میں بھی استعمال کی جانے والی زبان اور پہلے اوارڈ کی جانے والی رقم پر مزید رقم کے اضافے کے لئے استعمال کیا جانے والے طریقۂ کار کے بارے میں وفاقی شریعت کورٹ کی رائے حق بجانب ہے، لیکن اس اضافی رقم کی نوعیت کا صحیح طور پر تجزیہ کرتے ہوئے ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ زمین کا مالک اپنی زمین کی جائز ملکیت سے بغیر کسی معاوضے کے

محروم کر دیا گیا ہے، جیسا کہ ہم سیکشن 28 کے بارے میں اپنی بحث میں پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں، شریعت کی نظر میں ایکوزیشن حکومت کی طرف سے لازمی خریداری ہے، ایسی لازمی خریداری کے لئے جائز ہونے کی بنیادی شرائط میں سے ایک شرط جس کے بارے میں اس عدالت نے قزلباش وقف بنام لینڈ کمشنر پی ایل ڈی 1990 ایس سی 283 کے مقدمے میں فیصلہ دیا ہے، یہ ہے کہ مالک کو قبضے کے فوراً بعد یا قبضہ لیتے وقت ایک اچھی مارکیٹ پرائس ادا کی جائے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایکوزیشن کے معاملے میں جائز فروخت اس وقت ہی ہو سکتی ہے جب حکومت زمین کے مالک کو حقیقتاً قیمت ادا کر دے۔ ایکوزیشن کے معاملے میں بغیر قیمت ادا کیے زمین کا قبضہ لے لینا جائز فروخت کے مترادف نہیں ہے۔ زمین کے مالک کو اس لئے یہ حق حاصل ہے کہ وہ زمین کے قبضے کے وقت سے لے کر اوارڈ کی ہوئی قیمت کی ادائیگی کے وقت تک کی مدت کا کرایہ لینے کا دعویٰ کرے کیونکہ اس وقت ہی جائز فروخت حقیقتاً عمل میں آئے گی، یہ کرایہ اس مدت میں مارکیٹ کے اچھے کرائے سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

سیکشن 34 میں پہلی غلطی تو لفظ 'سود' کا غلط استعمال ہے، دُوسرے حاصل کی ہوئی جائیداد کے کرایہ کی قدر کا خیال کیے بغیر 8 فیصد سالانہ کی شرح مقرر کرنا بھی غلط ہے، یہ بات بھی یاد رکھی جائے کہ زمین کے مالک کو اچھا کرایہ ادا کیا جائے گا یا اوارڈ شدہ رقم پر قبضے کے وقت سے معاوضے ادا ہونے تک 8 فیصد سالانہ ادا کیا جائے گا، دونوں میں سے جو رقم بھی زیادہ ہو۔ ان خیالات کے اظہار اور متذکرہ بالا ہدایت کے ساتھ لینڈ ایکوزیشن ایکٹ 1894 کے بارے میں وفاقی شریعت کورٹ کا فیصلہ برقرار رکھا جاتا ہے۔

V۔ کوڈ آف سول پرایسجر 1908

سول پرایسجر کوڈ کی جن دفعات میں سود کا لفظ آتا ہے، وہ زیرِ بحث فیصلے میں پیراگراف 297 سے 311 تک میں زیرِ بحث آئی ہیں۔ پیراگراف 304 میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ سود، مارک اَپ، لیز، ہائر پرچیز اور سروس چارج کے سلسلے میں نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ 1881 کی دفعات کا جائزہ لیتے ہوئے شریعت کی حیثیت کو بھی زیرِ غور لایا گیا ہے، اور سول پرایسجر کوڈ کی دفعات پر بھی وہی خیالات عائد ہوتے ہیں، سول پرایسجر کوڈ کی دفعات (1)34 اور 27، (1)34A اور (2) اور 34B(1)(a) کو سود کے ناجائز ہونے کے سوال پر بحث کے بعد اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دیا گیا۔

سیکشن 34 میں کہا گیا ہے کہ جب ادائیگی کے لئے ڈگری جاری کی جائے تو عدالت ڈگری میں یہ حکم بھی دے سکتی ہے کہ اصل زر کی رقم پر اس شرح سے جو عدالت مناسب خیال کرتی ہے مقدمے کی

تاریخ سے ڈگری جاری ہونے کی تاریخ تک سود ادا کیا جائے، یہ رقم اس سود کے علاوہ ہوگی جو مقدمہ شروع ہونے سے پہلے کسی رقم پر کسی بھی مدت کے لئے واجب ہو۔ اس کے علاوہ فیصلہ کی گئی کل رقم پر اس شرح سے جو عدالت مناسب سمجھے ڈگری کی تاریخ سے رقم کی ادائیگی تک کی مدت کے لئے وہ مزید سود ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔

سیکشن 34A، آرڈیننس 1980 X کے ذریعہ نیا اضافہ ہوا ہے۔ یہ سرکاری قرضوں پر سود کے بارے میں ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ جب عدالت کی یہ رائے ہو کہ کوئی مقدمہ سرکاری قرضے پر اس سود کی ادائیگی سے بچنے کے لئے دائر کیا گیا ہے جو مدعی کو یا اس کی طرف سے ادا کیا جانا تھا تو عدالت اس مقدمے کو خارج کر سکتی ہے اور سرکاری واجبات پر بینک کی شرح سے مزید 2 فیصد سالانہ کی شرح سے سود ادا کرنے کا حکم دے سکتی ہے۔

سیکشن 34A کی ذیلی دفعہ (2) ایک مختلف صورتِ حال کے بارے میں ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ اگر عدالت کی رائے یہ ہو کہ مدعی سے سرکاری واجبات غلط وصول کیے گئے ہیں تو عدالت اس مقدمے کو نمٹاتے ہوئے حکم دے سکتی ہے کہ اس طرح وصول کی گئی رقم پر بینک کی شرح پر مزید 2 فیصد سالانہ سود وصول کیا جائے۔

سیکشن 34B کا 1980 کے آرڈیننس LXIII کے ذریعے نیا اضافہ کیا گیا ہے، اس کا تعلق بینکنگ کمپنی کے واجبات پر سود کے بارے میں ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جب بینک کے دیئے ہوئے قرضے کے واجبات کی ادائیگی کے لئے ڈگری جاری کی جا رہی ہو تو عدالت اس قرضے کی نوعیت کے مطابق سود یا معاوضے کی ادائیگی کے لئے ڈگری تاریخ سے ادائیگی کے وقت تک کے سود یا معاوضے کی ادائیگی کا بھی ڈگری میں حکم دے گی۔ اس میں مزید کہا گیا ہے کہ سود والے قرضوں کے سلسلے میں عدالت معاہدے کی شرح کے مطابق یا بینک کی شرح سے 2 فیصد سالانہ زیادہ کی شرح سے جو بھی زیادہ ہو سود کی ادائیگی کے لئے ڈگری جاری کرے گی۔ اس سیکشن کی کلاز (b) میں کہا گیا ہے کہ جو قرضے مارک اَپ، لیز، ہائر پرچیز یا سروس چارجز کی بنیاد پر دیئے گئے ہیں اور ان کے کرایہ، مارک اَپ یا سرچارج کی شرح معاہدے میں دی گئی ہے تو حکومت اس کا سود یا معاوضہ معاہدے کی شرح کے مطابق یا بینک کی تازہ ترین شرح کے مطابق، دونوں میں سے جو زیادہ ہوگا ادا کرے گی۔

سکشن 34B کی کلاز (c) میں کہا گیا ہے کہ نفع نقصان میں شراکت کی بنیاد پر دیئے جانے والے قرضوں کے معاملے میں معاوضہ اس شرح سے دیا جائے جو اس شرح سے کم نہ ہو جس پر بینک نے نفع نقصان کی بنیاد پر 6 ماہ کے لئے جمع کی ہوئی رقم پر سالانہ شرح کی بنیاد پر گزشتہ چھ مال میں ادا کیا

ہو۔ عدالت ایسے معاوضے کے لئے ڈگری میں اس شرح سے ادا کرنے کا حکم دے گی جو متذکرہ بالا چھ ماہ کے دوران نفع کی سالانہ شرح سے کم نہ ہو اور جسے عدالت اس مقدمے کے حالات کے مطابق منصفانہ اور مناسب خیال کرتی ہو۔

سیکشن 34B کی کلاز (b) اور (c) کا تعلق ایسی رقم کی ادائیگی سے ہے جو کسی بینک نے کسی شخص کو مارک اَپ، لیزنگ، ہائر پرچیز، سروس چارج یا نفع نقصان کی شرح کی بنیاد پر دیا ہو، لائق وفاقی شریعت عدالت نے ان دفعات کے بارے میں بھی اس ہی رائے کا اظہار کیا ہے جو اس نے نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ کی دفعات 79 اور 80 کے بارے میں کیا تھا۔ ہم نے نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ کی دفعات 79 اور 80 پر بحث کے دوران ان کی رائے کی خامیوں کو پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔ یہاں بھی ہمارا وہی تبصرہ ہے بلکہ زیادہ قوت کے ساتھ، کیونکہ ان دفعات کا مقصد گزشتہ ذمہ داریوں کی تکمیل زیادہ زور کے ساتھ کرانا ہے۔

اس کے نتیجے میں اس ایکٹ کی سیکشن 34B کی ذیلی دفعات (b) اور (c) اسلامی اَحکام سے متصادم قرار دی جاتی ہیں۔

سیکشن 34 اور 34A کی دفعات عدالت کو ڈگری کی رقم کے علاوہ مزید رقم منظور کرنے کا اختیار بھی دیتی ہیں، اور جس رقم کے لئے اختیار دیا گیا ہے اس کا نام سود ہے، ہم پہلے ہی فیصلہ دے چکے ہیں کہ قرضے کی اصل زر کے اوپر کوئی بھی رقم رِبا ہوتی ہے اور یہ ممنوع ہے۔ اس لئے ان دفعات میں بتائی گئی کوئی بھی اضافی رقم رِبا ہوگی۔ اس موقع پر یہ مناسب ہوگا کہ ماہرین معاشیات اور بینکرز کی طرف سے پیش کی گئی معروضات کا نوٹس لیا جائے، خاص طور پر محمد عمر چھاپرا اور شاہد صدیقی کی گزارشات کا جو کہتے ہیں کہ کوئی بھی معاشی نظام اور خاص طور پر اسلامی معاشی نظام اس وقت تک کامیابی کے ساتھ نہیں چل سکتا جب تک کہ اس کے قرضہ دینے والے ادارے، کارپوریٹ ادارے، فرمز اور افراد خود قرضوں کی ادائیگی وقتِ مقرر کے اندر نہیں کرتے یا پھر ان ساتھ قرضے یا مالی امداد مقررہ وقت کے اندر واپس نہیں کرائی جاتی، وہ کہتے ہیں کہ قانونی ذرائع اور عدالتوں کے ذریعے قرضے کی واپسی کے نظام کو اس طرح بنایا جائے کہ قرضوں کی واپسی ہفتوں میں ممکن ہو سکے۔ چھاپرا کا خیال تھا کہ اگر مقروض لوگ قرضوں کی واپسی کے شیڈول پر خود عمل درآمد نہیں کرتے یا قانون اور عدالتیں انہیں قرضے واپس کرنے پر مجبور نہیں کرتیں تو اسلامی فنانس کبھی ترقی نہیں کر سکتا، اور اسی لئے ضروری ہے کہ عدالتیں اسلامی معاشی نظام میں شامل اخلاقی پستی کا خیال رکھیں۔ شاہد صدیقی نے اپنے خطاب میں کہا کہ ایک مسلمان کو قرض آخری حد کے طور پر لینا چاہئے، کیونکہ اسلامی نظام میں مشارکہ، مضاربہ، نفع نقصان کی

بنیاد پر شراکت جیسے نظام موجود ہیں، جن سے تجارت اور صنعت کو ترقی ہو سکتی ہے، انہوں نے مزید کہا کہ ان کارپوریشن کے پردے میں فراڈ کرنے اور ذمہ داریوں سے بچنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔ کمپنی کے ایک علیحدہ اور آزاد شخصیت ہونے کے تصور کو ختم کیا جائے اور اس آزاد قانونی شخصیت بنانے والے لوگوں کو کسی بزنس کنسرن، کمپنی یا ادارے کے فیل ہونے کا ذمہ دار قرار دینا چاہئے اور فیزیبلٹی رپورٹس اور دُوسری دستاویزات میں جن کی بنیاد پر مالی امداد حاصل کی گئی تھی، غلط بیانی کرنے والے لوگوں کو بزنس کے ناکام ہونے کی صورت میں گرفت میں لیا جائے اور انہیں فراڈ اور غلط بیانی کرنے پر ملک کے قانون کے مطابق سزا دی جائے۔ انہوں نے دلیل دی کہ ثبوت دینے کی ذمہ داری اس شخص پر ڈالی جائے جو فیل ہونے والی کمپنی بناتا ہے، وہ ثابت کرے کہ اس نے فیزیبلٹی رپورٹ اور دُوسری دستاویزات میں جو باتیں بیان کی تھیں، وہ دُرست تھیں، اور یہ کہ کسی ایسے عوامل کی وجہ سے فیل ہوئی جو ان کے کنٹرول سے باہر تھے، ورنہ دُوسری صورت میں ایسے نادہندگان قومی دولت ہڑپ کرنے کے بعد ملک کے اندر اور باہر پھلتے پھولتے رہیں گے، جس طرح کہ بینک اور دُوسرے مالیاتی اداروں کے موجودہ نادہندے خوش حال ہیں۔ مذہبی علماء اور ماہرینِ معاشیات ایسے قانونی طریقے مہیا کر سکتے ہیں جن کے ذریعے نادہندگان سے رقوم کی واپسی مؤثر طور پر مقررہ وقت پر ممکن ہوگی۔ انہوں نے بتایا کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کی نماز میں شامل نہیں ہوتے تھے جو اپنا قرضہ ادا کیے بغیر انتقال کر گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مرنے والے لوگوں کے قانونی ورثاء نمازِ جنازہ پر اعلان کرتے ہیں کہ اگر مرنے والے پر کسی کا قرضہ واجب ہو تو وہ باہر آئے اور دعویٰ کرے تاکہ اس کا قرضہ ادا کر دیا جائے یا وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر قرضہ معاف کر دے۔ صاحبِ علم مسلمانوں کی نمازِ جنازہ پر ایسے اعلان کیے جاتے ہیں اور لوگ اپنی رقوم کے دعوے کر کے وصول بھی کرتے ہیں، وہ اپنا قرضہ یا کلیم اللہ کے نام پر معاف کر دیتے ہیں تاکہ مرحوم کی رُوح کو سکون حاصل ہو سکے، لیکن ایسے اعلانات امیر طبقے کے ہاں کبھی نہیں دیکھے گئے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ذاتی ذمہ داری اور کمپنی کی جو ایک قانونی شخصیت ہوتی ہے ذمہ داری کے درمیان فرق کرتے ہیں، حالانکہ اکثر مواقع پر وہ دستاویزات میں رقم واپس کرنے کے لئے ذاتی ضمانت بھی دیتے ہیں۔

یہ بات نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ ہمارے قانونی نظام میں ڈگری حاصل کرنے والوں کی مشکلات میں اس وقت مزید اضافہ ہو جاتا ہے جب ڈگری پر عمل درآمد کرایا جاتا ہے۔ ڈگری حاصل کرنا ہی کوئی آسان کام نہیں، بہت سے چھوٹے اعتراض اور تاخیری حربے استعمال کیے جاتے ہیں تاکہ مقدمہ ختم نہ ہو سکے۔ مقدمے کے فریقوں کی طرف سے تاخیری حربے استعمال کرنے کے علاوہ

عدالتوں میں کام کے بوجھ کی وجہ سے بھی مقدمات کا وقت پر اور جلدی فیصلہ ہونا ممکن نہیں ہوتا، ایک دن کے لئے جو مقدمات مقرر کیے جاتے ہیں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ افسر ایک مقدمے کو چند منٹ سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا، اس وجہ سے مقدمات ان وجوہات کی بنا پر برسوں چلتے رہتے ہیں۔

اس لئے سوِل پراسیجر کوڈ کی ان دفعات کو متذکرہ بالا پس منظر میں دیکھنا چاہئے، یہ قانونی سوال اس کے علاوہ ہے کہ ان دفعات کے تحت عدالت کو دیئے گئے اختیار کے تحت ڈگری کی رقم کے علاوہ جو مزید رقم منظور کی جاتی ہے، اگرچہ اسے سود کہا جاتا ہے، کیا وہ ربا کے زمرے میں آتی ہے یا نہیں۔
یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ قانون کے ذریعے عدالت کو مزید رقم منظور کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے اس کا اس معاہدے کے فریقین کے کسی عمل پر انحصار نہیں ہے۔ اور یہ کسی اضافی قیمت کا معاوضہ بھی نہیں ہے، بلکہ یہ اس رقم کی ادائیگی کی رسید ہے جس کی قانون اصل رقم کے علاوہ اجازت دیتا ہے، اس طرح اس ربا کو وصول کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو کسی قرضے کے معاہدے کے سلسلے میں ادا کیا جاتا ہے اور اسے قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ اگر اس دفعہ کے تحت عدالت کو اختیار دیا جائے کہ وہ قرضہ دینے والے کو جس کے حق میں ڈگری ہو رہی ہے اس نقصان کی تلافی کے لئے معاوضہ وصول کرنے کی اجازت دے جو اسے رقم کی واپسی کے سلسلے میں مقدمہ دائر کرنے کے بعد تأخیری حربے استعمال کرنے کی وجہ سے پہنچا ہے تو معاوضہ منظور کرنے کے اس طرح کے اختیار پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا، لیکن ایسی صورت میں ہر مقدمے میں ایک مقررہ شرح پر جو اس رقم کی قیمت کی بنیاد پر مقرر کی جائے گی معاوضہ منظور کیا جا سکتا ہے کیونکہ ہر مقدمے میں اس اختیار کو اس مقدمے کی کیفیت کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ قانون بنانے والے عدالت کو کسی ایسے فریق پر جرمانہ عائد کرنے کا اختیار بھی دے سکتے ہیں جو اپنا قرضہ ادا نہیں کرتا یا جو اذیت ناک بہانے کرنے اور تأخیری حربے استعمال کرنے کا مرتکب ہوا ہے، تاکہ مقدمے کا فیصلہ ہونے میں اور اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں تأخیر کرا سکے۔
اس جرمانے میں سے حالات کے مطابق چھوٹا حصہ یا بڑا حصہ تلافی کے طور پر اس فریق کو بھی دیا جا سکتا ہے جسے ان حربوں سے نقصان اور تکلیف پہنچی ہے۔ اس جرمانے کی رقم حکومت وصول کر سکتی ہے اور اسے خیراتی مقاصد کے لئے اور عوامی مفاد کے ایسے پراجیکٹس کے لئے بھی استعمال کر سکتی ہے جو معاشرے کے ضرورت مند اور غریب لوگوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کے لئے قائم کیے جائیں۔
کورٹ آف سوِل پروسیجر کی مندرجہ بالا دفعات قرآنِ کریم اور حضور کریم ﷺ کی سنت کے منافی ہیں، اس لئے انہیں تعلیماتِ اسلام کے منافی قرار دیا جاتا ہے، ان دفعات میں اُوپر دی گئی

آبزرویشنز کی روشنی میں مناسب ترامیم کی جائیں۔ اس فیصلے میں کوڈ آف سول پروسیجر کی حسب ذیل دفعات پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے: (1) سیکشن 2(12)(III) سیکشن 35(3)(IIII) سیکشن 144(1)(IV) آرڈر (XXI) رول 11(2)(جی)(VI) آرڈر XXL رول 38(IV) آرڈر XXI رول 79(3)(VII) آرڈر XXI رول 80(3)(VIII) آرڈر XXI رول 93(IX) آرڈر XXXIV رول 2(1)(اے)(1)،(III)،(سی)(؟) اور (II)(X) آرڈر XXXIV رول 2(2)(XI) آرڈر XXXIV رول4(XII) آرڈر XXXIV رول 7(1)(اے)(I) اور (III) اور (سی)(I) اور (II)(XIII) آرڈر XXXIV رول 7(2)(XIV) آرڈر XXXIV رول II(XV) آرڈر XXXIV رول 13 (1)(XVI) آرڈر XXXVII رول 2(XVII) آرڈر XXXIX رول 9۔ ان دفعات میں بھی جہاں کہیں لفظ ''سود'' آتا ہے، اسے حذف کر دیا جائے گا اور اس کی جگہ کوئی دُوسرا مناسب لفظ درج کیا جائے گا۔ آرڈر XXXVIL، رول 2[2(اے)اور(بی)] بھی نیگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ 1881ء کی دفعات 79 اور 80 کی مانند ہیں اور ان کے بارے میں بھی ہماری وہی رائے ہے جو اس ایکٹ کا جائزہ لیتے وقت ہم نے ریکارڈ کی ہے۔ چنانچہ ان دونوں دفعات (یعنی سب رول (اے) اور (بی) آف رول 2، آرڈر XXXVII) کو تعلیماتِ اسلامی کے منافی قرار دیا جاتا ہے۔ کورٹ کے آرڈر XXI کے رول 79(3) میں کہا گیا ہے کہ ریکوری کی ڈگری جاری ہونے کی صورت میں مدعا علیہ سے قابلِ وصول قرض کی دستاویز کو فروخت کر دیا جائے گا، عدالت اس قرض کے اصل دائن کو قرض وصول کرنے یا اس کا سود وصول کرنے سے روک دے گی اس طرح مدیون کو خریدار کے علاوہ کسی دُوسرے شخص کو ادائیگی کرنے سے بھی منع کر دے گی۔ اسی طرح کورٹ کے آرڈر XXL کا رول 80(3) بھی نیگوشی ایبل انسٹرومنٹ کو منتقل کرنے پر توجہ دیتا ہے، جس کا مقصد ریکوری ہے، یہاں پھر نامزد کردہ شخص کو سود وصول کرنے کی اجازت دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے اس کو قابلِ اعتراض دفعات میں شامل کیا ہے۔ بنابریں اُوپر درج کی گئی حد تک ان دفعات کے بارے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو برقرار رکھا جاتا ہے۔

VI۔ کوآپریٹو سوسائٹیز ایکٹ 1925

کوآپریٹو سوسائٹیز ایکٹ 1925 کی دفعہ 59(2) (ای) کے رول 14(1) (ایچ)، رول 22 اور رول 41 کو ضمیمہ I تا IV کو اس فیصلے کے پیراگراف نمبر 312 تا 321 میں زیرِ بحث لایا گیا ہے اور اسے تعلیماتِ اسلامی کے منافی قرار دیا گیا ہے۔ (پی ایل ڈی 1992 ایف ایس سی I)۔ اسی طرح

کوآپریٹو سوسائٹیز ایکٹ 1925 کی دفعہ 71(2) کلاز (ای ای) اور نیشنل انڈسٹریل کوآپریٹو فنانس کارپوریشن لمیٹڈ کے بائی لاء (3) کے سب بائی لاء (6) کے ان حصوں کو جن کا تعلق سود سے ہے، کو بھی تعلیماتِ اسلامی کے منافی قرار دے دیا گیا ہے۔ (پی ایل ڈی 1992 ایف ایس سی 537 اور پی ایل ڈی 1992 ایف ایس سی 535) ان دفعات میں لفظ ''سود'' کو اس بنیاد پر حذف کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ سود چارج کرنا، لاگو کرنا اور اس کی ریکوری کرنا تعلیماتِ اسلامی کے منافی ہے، چنانچہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو اس حد تک برقرار رکھا جاتا ہے۔

VII ۔انشورنس ایکٹ 1938

انشورنس ایکٹ 1938 کی مندرجہ ذیل دفعات کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا تھا، اور انہیں اس بنا پر کہ ان میں سود کی شرح، سودی رقم کی گارنٹی، سود کی اقساط میں ادائیگی اور سود کی دیگر شرائط درج تھیں، تعلیماتِ اسلامی کے منافی قرار دے دیا تھا، اس کا ذکر اس فیصلے کے پیراگراف نمبر 322 تا 324 میں کیا گیا ہے۔ پہلی دفعہ ''سود کی شرح'' کے الفاظ حذف کیے جاسکتے ہیں تا کہ اسے شریعت میں امتناعِ سود کے مقاصد سے ہم آہنگ کیا جاسکے۔ دفعہ 27 کی ذیلی دفعہ (3) سے لفظ ''سود'' حذف کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس کا تعلق اس ملک کی حکومت کی پالیسیوں سے ہے جس کی کرنسی کا اصل زَر، گارنٹی اور سود کی ضمانتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے اس کا تعلق غیر ملکی حکومت کے اصل زَر اور اس کی ضمانتوں سے ہے۔ تاہم انشورنس کرنے والا جب اس رقم کی سرمایہ کاری کرے تو پھر متعلقہ دفعات کو پیشِ نظر رکھنا ہوگا۔ فیصلے میں اس پہلو کا نوٹس نہیں لیا گیا تھا اور صرف لفظ ''سود'' کو حذف کرنے کی ہدایت کی گئی تھی، دیگر دفعات میں موجود لفظ ''سود'' کو حذف کر کے اس کی جگہ ایسے ترمیم شدہ الفاظ لائے جائیں جو قانون کے مقاصد اور پالیسی کی ضروریات اور اس فیصلے میں ظاہر کیے گئے خطوط کے تقاضوں کو پورا کریں۔ ان اقدامات کا مقصد معاشرے کی معیشت سے ربا کو اس طریقے سے ختم کرنا ہونا چاہئے کہ اس سے اقتصادی سرگرمیاں متاثر نہ ہوں، اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ معیشت ترقی کی راہ پر گامزن رہے، مزید براں یہ پہلو بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ سب کچھ شفاف انداز سے ہو اور تمام فرائض و ذمہ داریاں بھی پوری ہوتی رہیں، اس مرحلے پر اس پہلو کا جائزہ لینا کہ آیا انشورنس کا کاروبار اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے یا نہیں؟ ایک مختلف سوال ہے، جو زیرِ سماعت اپیلوں میں زیرِ بحث نہیں لایا گیا۔

VIII ۔اسٹیٹ بینک آف پاکستان ایکٹ 1956

اسٹیٹ بینک آف پاکستان ایکٹ 1956 کی دفعہ 22(1) کا اس فیصلے کے پیراگراف نمبر

325 تا 328 میں جائزہ لیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے سود کی بنیاد پر کمرشل دستاویزات جیسے تمسکات اور بانڈز کی طرح کے بلز کی خریداری کو اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا تھا۔ وفاقی شرعی عدالت کی اس رائے کو برقرار رکھا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی مالیاتی دستاویزات اور انسٹرومنٹس کو ایسی شکل میں تبدیل کرنا ہوگا جو اسلام کے اقتصادی نظام سے ہم آہنگ ہوں۔ ہم یہ معاملہ ماہرین اقتصادیات اور بینکاروں کی صوابدید پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ربا کی حرمت کے قرآن کے حکم کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان معاملات کا عملی حل مرتب کریں۔

X۔ ویسٹ پاکستان منی لینڈرز آرڈیننس 1960

XI۔ ویسٹ پاکستان منی لینڈرز رولز 1965

XII۔ پنجاب منی لینڈرز آرڈیننس 1960

XIII۔ سندھ منی لینڈرز آرڈیننس 1960

XIV۔ سرحد منی لینڈرز آرڈیننس 1960

XV۔ بلوچستان منی لینڈرز آرڈیننس 1960

رقم اُدھار پر دینے اور اُدھار دینے والوں سے متعلق مندرجہ بالا قوانین کا اس فیصلے کے پیراگراف نمبر 329 تا 331 میں جائزہ لیا گیا ہے۔ ان قوانین کے بارے میں صحیح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ ان کا اسلامی تعلیمات میں کوئی وجود نہیں اور نہ ہی اسلام کے سوشل جسٹس نظریے میں ان کا کوئی مقام ہے، اس لئے ان کا ملکی قوانین کی کتاب میں موجود ہونے کا کوئی جواز نہیں، اس لئے دُرست طور پر انہیں اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا گیا ہے۔

XVI۔ ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ بینک رولز 1961

اس فیصلے کے پیراگراف نمبر 322 سے 336 میں ایگریکلچرل ڈویلپمنٹ بینک رولز 1961 اور اس کے سب رولز (1)، (2) اور (3) جن کا تعلق سود سے ہے، کا جائزہ لیا گیا ہے اور انہیں تعلیماتِ اسلامی کے منافی قرار دے کر انہیں حذف کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، شرعی امتناع کی روشنی میں سود لاگو کرنے، چارج کرنے اور اسے ریکور کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، اس لئے ان رولز کو اس فیصلے میں دی گئی گائیڈ لائن کے مطابق تبدیل کیا جائے۔

XVII۔ بینکنگ کمپنیز آرڈیننس 1962

وفاقی شرعی عدالت نے بینکنگ کمپنیز آرڈیننس 1962 (جسے اس کے بعد بینکنگ آرڈیننس کہا جائے گا) کی دفعہ 25(2) کو سود اور مارک اَپ کی حد تک خلافِ اسلام قرار دیا تھا۔ اس دفعہ میں

اسٹیٹ بینک آف پاکستان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بینکنگ کمپنیوں کو بعض ہدایات دے سکے، جن میں سود کی شرح، مارک اَپ کے چارجز کے بارے میں بھی ہدایات شامل ہیں۔ جن کا اطلاق پیشگی ادائیگیوں یا سود کی بنیاد پر کسی قرض لینے والے کو قرض دینے سے منع کرنے پر ہوتا ہے۔ جہاں تک اس دفعہ میں سود کا تعلق ہے وہ اسلامی تعلیمات کے منافی ہے اور اس پہلو پر پہلے ہی تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔ فاضل وفاقی شرعی عدالت نے بھی اس دفعہ سے لفظ ''مارک اَپ'' کو حذف کرنے کی ہدایت کی ہے۔ ہم نے بھی گزشتہ پیراگرافوں میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ آج کل جس طریقے سے ''مارک اَپ'' کا اطلاق کیا جا رہا ہے وہ رِبا کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس لئے اسے روک دیا جائے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے یہ بھی قرار دیا ہے کہ مارک اَپ کی بنیاد پر حقیقی فروخت کا نظریہ اپنی اصل میں ناجائز نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں ان پہلوؤں کا لحاظ رکھا جائے جن کا مسٹر جسٹس محمد تقی عثمانی نے اپنے فیصلے کے پیراگراف نمبر 191 اور 219 میں ذکر کیا ہے۔ مارک اَپ کے تحت لین دین کے جواز کی سب سے بڑی شرط یہ ہے کہ یہ قرض دینے اور رقم کی پیشگی ادائیگی کی بنیاد پر وصول نہ کیا جائے، بلکہ یہ کسی چیز کی حقیقی فروخت کی بنیاد پر ہو اور اس ضمن میں اس کے تمام نتائج کو پیش نظر رکھا جائے۔ مگر بینکنگ آرڈیننس کی دفعہ 9 بینک کو ٹریڈنگ سے روکتی ہے، اس دفعہ میں کہا گیا ہے کہ: ''سیکشن 7 کے تحت دیئے گئے اختیارات کے سوا کوئی بینکنگ کمپنی براہِ راست یا بالواسطہ خریداری یا فروخت یا چیزوں کے بدلے چیزوں کے لین دین یا کسی تجارت یا خرید و فروخت یا چیزوں کی بارٹر یا اسی طرح کی دیگر سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہوگی، اور وہ ایکسچینج بلوں کو وصول کرنے یا ان کے لین دین کے معاملے تک محدود رہے گی۔''

جب دفعہ 25 میں استعمال کیے گئے لفظ مارک اَپ کو دفعہ 9 کے مقابلے میں رکھ کر پڑھا جائے تو یہ یقینی طور پر اسلامی تعلیمات کے منافی قرار پایا ہے، کیونکہ مارک اَپ کے تحت جائز لین دین کا تصور اشیاء کی حقیقی فروخت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا جس کی بینک رولز میں اجازت نہیں، اس لئے مارک اَپ کی دفعہ اور سیکشن 9 میں بیان کی گئی صورتِ حال اکٹھے برقرار نہیں رہ سکتی اور ان دو میں سے کسی ایک کو ختم کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

اس موقع پر ہمیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ مارک اَپ کی بنیاد پر فروخت مرابحہ اس کی ضروری شرائط کو پورا کرنے کے بعد ایک اسلامی بینک کے لئے آئیڈیل صورت اختیار نہیں کر سکتی، تاہم بینکوں کو بعض صورتوں میں لین دین کی اس شکل کو بھی اختیار کرنا ہوگا، خصوصاً جب موجودہ نظام کو اسلامی نظام میں تبدیل کیا جا رہا ہوگا، اس صورتِ حال کی روشنی میں سیکشن 9 کو ختم کرنا زیادہ ضروری

معلوم ہوتا ہے، بجائے اس کے کہ مارک اَپ کے تحت لین دین کو مکمل طور پر ممنوع قرار دے دیا جائے۔ علاوہ ازیں سیکشن 9 اسلامی بینکاری کا نظام قائم کرنے کے سلسلے میں بھی ایک بہت بڑی رُکاوٹ ہے، یہ سیکشن نہ صرف شریعت کے مطابق مرابحہ یا بیع المؤجل کے لین دین میں رُکاوٹ بنتا ہے بلکہ یہ لیزنگ، اجارہ، خریداری، مشارکہ اور مضاربہ کے لین دین میں بھی رُکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ سیکشن 9 دراصل سودی بینکاری کے لئے وضع کی گئی تھی جس میں بینک صرف رقم اور کاغذات میں ڈیلنگ کرتے ہیں، اس کے برعکس حقیقی اسلامی مالیاتی لین دین ہمیشہ حقیقی اثاثوں کی بنیاد پر ہوتا ہے اور یہی اسلامی بینکاری کا امتیازی عنصر ہے جو معیشت کو سودی بینکاری سے نجات دِلا سکتا ہے، اور اس پر تفصیلی بحث پہلے کی جا چکی ہے۔ اسلامی بینکاری کا نظریہ اس وقت تک حقیقت کا رُوپ نہیں دھار سکتا جب تک اس بات کا شعور حاصل نہ کرلیا جائے کہ بینک صرف پیسے اور کاغذات کا کاروبار کرنے کے لئے نہیں ہوتے بلکہ ان کی مالیاتی سرگرمیوں کا براہِ راست تعلق حقیقی کاروباری لین دین سے ہوتا ہے، اس لئے سود کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک بینکوں پر عائد بینکنگ آرڈیننس کی سیکشن 9 کو ختم نہ کر دیا جائے۔ بنابریں ہمارا پختہ یقین ہے کہ سیکشن 25 میں موجود مارک اَپ کے نظریے پر صحیح طور پر منصفانہ انداز سے اور عملی فیصلہ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک سیکشن 9 کی طرف سے عائد پابندی اُٹھا نہ لی جائے۔ اگرچہ فاضل وفاقی شرعی عدالت نے سیکشن 9 پر بحث نہیں کی، تاہم اس عدالت نے صوبہ پنجاب بنام امین جان نعیم اور چار دیگر نامی مقدمے کے فیصلے میں یہ اُصول وضع کر دیا ہے: ''ہم نے متعدد مقدمات میں یہ قرار دیا ہے کہ جس قانون کو چیلنج کیا گیا ہے، اگر اس میں شامل معاملات کا منصفانہ اور صحیح حل اسی قانون کی دُوسری شق کو ختم کیے بغیر ممکن نہ ہو تو عدالت اس شق کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے، اس ضمن میں قزلباش وقف بنام لینڈ کمشنر پنجاب کے مقدمے کا حوالہ دیا جا سکتا ہے (پی ایل ڈی 1990 ایس سی 99 پیرا 187 تا 280) جس میں پنجاب ٹیکسی ایکٹ 1887 کی دفعہ 60 اے کو پبلک کی طرف سے اپیل کیے بغیر ختم کر دیا گیا ہے (پیرا 30)۔'' مذکورہ مقدمے میں جو اُصول وضع کیا گیا ہے اس کی روشنی میں ہمیں اطمینان ہے کہ بینکنگ آرڈیننس کی سیکشن 25 میں مارک اَپ کے بارے میں اس وقت تک منصفانہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا جب تک اس آرڈیننس کی سیکشن 9 کو ختم نہ کر دیا جائے۔ اس لئے قرار دیا جاتا ہے کہ سیکشن 25 میں لفظ مارک اَپ کو برقرار رکھا جائے، تاہم سیکشن 9 تعلیماتِ اسلامی کے منافی ہے کیونکہ اس کے ذریعے بینکوں کو اشیاء کی خریداری اور ان دُوسری تجارتی سرگرمیوں سے روک دیا گیا ہے جو بیع المؤجل اور مرابحہ جیسے اسلامی تجارت کے طریقوں کے لئے ضروری ہیں، اور یہ مارک اَپ، لیزنگ، ہائر پرچیز اور مشارکہ جیسی حقیقی تجارتی شکلوں پر مبنی ہیں،

سیکشن 9 کی جگہ اسلام کی وہ مالیاتی شقیں لیں گی جو حقیقی تجارت کی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ سب رول (2) کا تعلق غیر ملکی منظور شدہ امانتوں سے ہے، جن پر سود کریڈٹ کیا جاتا ہے، جبکہ سب رول (3) روپے کی ضمانتوں کے پورا ہونے پر سود کریڈٹ کرنے سے متعلق ہے، اس فیصلے کے پیراگراف 342 میں واضح کیا گیا ہے کہ مفصل بحث کے بعد قرار دیا گیا ہے کہ رول 9 کا سب رول (2) اور (3) کا تعلق کیونکہ سود سے ہے اس لئے یہ قرآنِ حکیم اور حضور اکرم ﷺ کی سنتِ طاہرہ کی رُو سے اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں، غیر ملکی منظور شدہ ضمانتیں جو پہلے ہی پوری ہو چکی ہیں پر سود سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اس طرح وصول ہونے والی رقم بیت المال میں جمع کرائی جا سکتی ہیں اور ان سے غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے علاوہ دیگر ذمہ داریاں پوری کی جا سکتی ہیں، شریعتِ مطہرہ میں اس طرح کے عبوری اقدامات کی اجازت ہے، روپے کی ضمانتوں سے حاصل ہونے والی رقوم کا بھی یہی مصرف ہو سکتا ہے تاہم مستقبل میں ایسے لین دین کی اجازت نہیں دی جائے گی جس میں سود کا عمل دخل ہو۔

XIX۔ بینکس (نیشنلائزیشن پیمنٹ آف کمپنسیشن رول 1974)

رول 9 کا تعلق حصص کے حصول کی تاریخ سے سود کا حساب لگانے، اس کی سالانہ ادائیگی اور سود کی ادائیگی کے طریق کار سے ہے۔ ان اُمور کا جائزہ اس فیصلے کے پیراگراف نمبر 343 تا 350 میں لیا گیا ہے، جن میں قرار دیا گیا ہے کہ یہ رول تعلیماتِ اسلامی کے منافی ہے کیونکہ اس کا تعلق سود کے حساب کتاب سے ہے، ہماری روئے یہ ہے کہ رول 9 کی مختلف کلازوں سے لفظ سود کو حذف کرنے کی بجائے ایک نیا رول وضع کیا جائے جو امتناعِ سود کی اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہو، تاہم حصص سے متعلق منافع کی واپسی کا انتظام شرعی اُصولوں کی بنیاد پر کیا جائے گا۔

XX۔ بینکنگ کمپنیز (ریکوری آف لونز) آرڈیننس 1979

اس فیصلے کے پیراگراف نمبر 351 تا 354 میں اس آرڈیننس کی دفعہ 8 کا جائزہ لیا گیا ہے، اور دفعہ 8(2) (اے) جس کا تعلق سود سے ہے اور دفعہ 8(2) (بی) جس کا تعلق مارک اَپ سے ہے، کو شریعتِ اسلام کے منافی قرار دیا گیا ہے، اس لئے جب کوڈ آف سول پروسیجر کی متعلقہ شقوں پر بحث کی جائے تو انہیں اس فیصلے میں دی گئی گائیڈ لائن کے مطابق حل کر لیا جائے۔ ہم نے مذکورہ پیراگرافوں میں واضح کر دیا ہے کہ قوانین اور اقتصادی و مالیاتی پالیسیاں مرتب کرنا عدالت کا نہیں بلکہ ریاست کے متعلقہ اداروں اور محکموں کا کام ہے، مگر کیونکہ حکومت نے اپنی درخواست میں اصرار کیا ہے کہ جن معاملات کو اُٹھایا گیا ہے ان کے سلسلے میں گائیڈ لائن فراہم کی جائے اور ماہرینِ اقتصادیات، دینی اسکالرز وغیرہ نے بھی ان معاملات اور اسلام کے اقتصادی نظام کو کامیابی سے چلانے کے لئے درکار

انفرا اسٹرکچر کے بارے میں اپنی آراء کا اظہار کیا ہے، اب ہم بھی متعلقہ حلقوں کی توجہ کے لئے گائیڈ لائن ریکارڈ کرتے ہیں۔ اسکالرز، ماہرینِ اقتصادیات، آڈیٹرز جن میں ڈاکٹر محمد عمر چھاپڑا، ڈاکٹر شاہد حسین صدیقی، مسٹر ابراہیم سیدات، سیّد محمد حسین، مسٹر اقبال خان اور مسٹر فہیم احمد جن کا تعلق وائٹل انفارمیشن سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ سے ہے، نے اپنے دلائل میں متفقہ طور پر کہا کہ کسی بھی اقتصادی نظام کی کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے ایک مؤثر قانونی فریم ورک وضع کرنا ضروری ہوتا ہے، تاکہ اس کی مدد سے عذر، دھوکے اور فراڈ کا خاتمہ کیا جاسکے، یہ بھی کہا گیا کہ چھوٹے سرمایہ کار جو اسٹاک مارکیٹ میں سرمایہ کاری کرتے ہیں یا اپنی رقوم بینک میں جمع کراتے ہیں انہیں نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ عذر کی موجودگی اور اسٹاک مارکیٹ میں مفروضوں کی بنیاد پر کاروبار کی وجہ سے ان کی جزوی یا مکمل رقم خرد بُرد ہو جاتی ہے، اس مارکیٹ میں تقریباً 300 ارب روپے کی کمی واقع ہوگئی مگر کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہیں تھا، اس طرح بینک قرضوں میں تقریباً 300 ارب روپے کی نادہندگی کی وجہ سے یہ ادارے چھوٹے سرمایہ کاروں کے ڈیپازٹس پر معقول ریٹرن نہ دے سکے، ان دلائل میں یہ بھی کہا گیا کہ اقتصادی نظام میں کمزوریوں سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے نادہندہ افراد کسی مزاحمت کے بغیر بچ نکلتے ہیں۔ اس صورتِ حال کا تقاضا ہے کہ اسٹاک مارکیٹوں میں اندازوں اور مفروضوں کی بنیاد پر کاروبار کو روکنے کے لئے شفاف اور سخت اقدامات / قواعد وضع کیے جائیں، علاوہ ازیں ایک آزاد ادارہ مالیاتی پالیسی وضع کرے اور اسے چلائے اور اس مقصد کے لئے اسے تمام ضروری اختیارات تفویض کیے جائیں تاکہ وہ اپنی مرتب کردہ پالیسیوں پر صحیح معنوں میں عمل درآمد بھی کراسکے۔ یہی ادارہ آئین کے آرٹیکل 79 کے تحت ایسے قوانین اور قواعد بھی وضع کرے جو قرض حاصل کرنے والی سرگرمیوں پر محیط ہوں۔ مشہور مسلمان ماہرِ اقتصادیات ڈاکٹر محمد عمر چھاپڑا نے ایک معقول مدت کے اندر واجب الادا قرضوں کی وصولی پر بھی زور دیا، ان کے مطابق ایسے قوانین وضع کیے جائیں اور ان رقوم کی وصولی کے لئے ایسا طریقِ کار اختیار کیا جائے کہ اس کام کی تکمیل میں ایک مہینے سے زیادہ وقت نہ لگے۔ انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ اگر مالیاتی اداروں کے ڈیفالٹ کیسوں کو مہینوں اور سالوں تک لٹکایا جاتا رہا تو پھر اقتصادی سرگرمیوں کے لئے درکار فنڈز فراہم نہیں ہوسکیں گے اور پورا کا پورا سسٹم تباہ ہو کر رہ جائے گا۔ ان وجوہات کی بنا پر انہوں نے تجویز پیش کی کہ دھوکا دہی کو ختم کرنے کے لئے ایسے اقدامات کرنا ناگزیر ہوں گے جو اسلامی بینکنگ سسٹم پر عمل درآمد کے دوران ممکنہ طور پر سامنے آسکتے ہیں۔ یہ اقدامات اقتصادی نظام کو مضبوط عملی بنیادوں پر استوار کرنے اور انہیں شفاف طریقے سے چلانے کے لئے بھی ضروری ہوں گے۔ مسٹر فہیم احمد نے ان سخت قوانین اور ضوابط کا حوالہ دیا جو عذر، دھوکے اور فراڈ

کی روک تھام کے لئے امریکہ میں اختیار کیے گئے ہیں، انہوں نے بتایا کہ امریکہ میں مالیاتی پالیسیوں کو ایک آزاد وفاقی ادارہ چلاتا ہے جو کسی ملک کے مرکزی بینک کی مانند ہے، مگر یہ اس قدر آزاد ہے کہ اس پر امریکہ کے صدر، کانگریس اور عدالتیں بھی اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔ اس ادارے کا کام رقوم اور کریڈٹ کی فراہمی ہے، فریڈم آف انفارمیشن ایکٹ مجریہ 1966 امریکی حکومت سمیت تمام مالیاتی اداروں کو اپنے ریکارڈز دِکھانے کا پابند بناتا ہے، اس حق پر عدالتوں کے ذریعے عمل درآمد کرایا جاتا ہے، حکومت کے تمام ادارے تحریری درخواست پر اپنے ریکارڈز دِکھانے کے پابند ہوتے ہیں، البتہ اس میں 9 استثنائی صورتیں بھی ہیں جو ایکٹ کا حصہ ہیں۔ پرائیویسی ایکٹ مجریہ 1974 میں ان ریکارڈ کو تحفظ بھی فراہم کیا گیا ہے جو حکومت جمع کرتی ہے۔ امریکہ کا سیکورٹی ایکسچینج کمیشن پبلک اور نان پبلک ریکارڈز کو محفوظ رکھنے کا ذمہ دار ہے، اس میں رجسٹریشن اسٹیٹمنٹس کے علاوہ کمپنیوں اور افراد کی جانب سے فائل کی گئی رپورٹس شامل ہوتی ہیں۔ ٹریڈ اور کامرس کو صحیح خطوط پر چلانے اور ان سرگرمیوں میں سے فراڈ، دھوکا دہی اور غلط اطلاعات فراہم کرنے کے عمل کی بیخ کنی کرنے کے لئے بھی قوانین وضع کیے گئے ہیں، تجارت خصوصاً اندرونی تجارتی سرگرمیوں کے لئے کریڈٹ کے استعمال کو دُرست خطوط پر چلانے کے لئے بھی قانونی انتظامات کیے گئے ہیں۔ اندرون ملک کاروبار کرنے والے ایسے افراد اور ادارے جو 10 فیصد یا اس سے زائد منافع کماتے ہیں کو معلومات کے غلط استعمال سے روکنے کے لئے بعض صورتوں میں 6 مہینے کا منافع کارپوریشن ضبط کر لیتی ہے۔ امریکہ میں بیورو کریسی کے ارکان یعنی ایگزیکٹو برانچ کے ملازمین کے لئے 1978ء میں ضابطۂ اخلاق پر مبنی ایکٹ جاری کیا گیا تھا، اس کے علاوہ اخلاقیات کا سرکاری ادارہ اس ضمن میں قواعد وضوابط بھی جاری کرتا رہتا ہے، ان ضوابط میں واضح کیا گیا ہے کہ پبلک سروس، پبلک ٹرسٹ کا مظہر ہوتی ہے، اس لئے ان ملازمین کے لئے ضروری ہے کہ وہ آئین، قوانین اور اخلاقی ضوابط کو اپنے ذاتی مفادات سے بالاتر رکھیں۔ وہ کوئی ایسا مالی فائدہ حاصل نہ کریں جو ان کی ڈیوٹی کے اخلاقی پہلو کو مجروح کرے، وہ جان بوجھ کر کوئی ایسا ناجائز وعدہ وعید نہیں کریں گے جس سے حکومت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، اور وہ اپنے منصب کو نجی مفادات کے لئے ہرگز استعمال نہیں کریں گے، اس طرح وہ اپنی سرکاری ڈیوٹی کے علاوہ کوئی ایسی ملازمت بھی نہیں کریں گے یا کسی ایسی سرگرمی میں حصہ نہیں لیں گے جو ان کی سرکاری ذمہ داریوں سے متصادم ہو۔ ملازمین 20 ڈالر تک کا تحفہ بھی قبول نہیں کریں گے۔ امریکہ کے سینئر ملازمین کو ملازمت چھوڑنے کے بعد بھی بعض صورتوں میں ایک سال کے عرصے کے لئے اپنے سابقہ محکمے یا ادارے سے رابطہ کرنے تک کی اجازت نہیں ہوتی تاکہ انہیں کسی معاملے میں سرکاری اقدام پر اثر انداز ہونے یا کسی

غیر ملکی حکومت یا سیاسی جماعت کی مدد کرنے سے باز رکھا جا سکے۔ اس طرح سرکاری ملازمت چھوڑنے کے ایک سال بعد تک کوئی سینئر امریکی ملازم بیرون یا اندرونِ ملک ملازمت نہیں کر سکتا۔ اس طرح وضع کیے گئے اخلاقی ضوابط کی مدد سے ملکی مفادات اور دیگر ریاستی اُمور میں شفاف روش کو یقینی بنایا جاتا ہے، اس کے برعکس ہمارے ملک کے قوانین میں اس نوعیت کی فیئر ڈیلنگ، شفاف روش اور اخلاقی معیارات کا فقدان نظر آتا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ سینئر افسر آئے دن ایک مقام سے دُوسرے مقام کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں، آج ایک افسر وفاقی ملازمت میں ہے تو کل وہ ورلڈ بینک یا آئی ایم ایف جیسے کسی بیرونی ادارے میں کام کر رہا ہوتا ہے، اور کبھی اس کے برعکس ہوتا دِکھائی دیتا ہے۔

لوگ ان افسروں کے مناصب میں تبدیلیوں کا خاموشی سے تماشا دیکھتے رہتے ہیں، اور وہ اپنے آپ سے یہ سوالات پوچھتے رہ جاتے ہیں کہ یہ ماہرین حقیقت میں کس کی سروس کرتے ہیں پاکستان کی یا بیرونی اداروں کی؟ ان موضوعات پر پاکستان میں بھی قوانین تو موجود ہیں مگر انہیں جامع بنانے اور ان پر صحیح معنوں میں عمل درآمد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس بات کی بھی صراحت کی جاتی ہے کہ بینکنگ سسٹم سے صرف ربا کا خاتمہ مددگار ثابت ہونے کی بجائے نقصان دِہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف اہم اقتصادی شعبوں کا بڑے پیچیدہ انداز سے ایک دُوسرے پر انحصار ہے، اس لئے زیادہ مؤثر اور باحکمت راستہ یہ ہوگا کہ پہلے موجودہ اقتصادی شعبوں کو شریعتِ مطہرہ کے مقدس سائے میں لایا جائے اور اس میں اسے پھلنے پھولنے دیا جائے اور اس فضا میں اسے سود سے پاک نظام کا حصہ بنا دیا جائے۔ ماہرین نے اپنے دلائل میں زور دیا کہ اس طریقِ کار سے معیشت بھی مضبوط ہوگی اور اس سے سود سے پاک معیشت کی بنیاد بھی استوار ہوگی۔ اس کا ایک پہلو یہ بھی برآمد ہوگا کہ شہری اپنی بچتیں شریعت کی بنیاد پر استوار شعبوں میں لگائیں گے۔ یہ صورتِ حال خود بخود سود پر مبنی بینکاری نظام کو اسلامی نظام میں تبدیل ہونے پر مجبور کر دے گی۔ اس بات کی بھی وضاحت کی گئی کہ ہمارے بینکاری نظام میں شریعت کی بنیاد پر اسٹرومنٹس کا طریقِ کار اس وجہ سے غیر ترقی یافتہ ہے کہ ہمارے موجودہ اقتصادی شعبوں اور اسٹاک مارکیٹوں میں شرعی نظام رائج نہیں ہے، ماہرین نے مندرجہ ذیل چار شعبوں کی نشاندہی کی جو مغرب میں اقتصادی ترقی میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ (I) بینکنگ / مالیاتی شعبہ، (II) شیئر مارکیٹ، (III) قرض/بانڈ مارکیٹ، (IV) سرکاری لین دین۔ مذکورہ شعبوں میں ان عناصر کی اہمیت اور کارکردگی کو واضح کرنے کے لئے حسبِ ذیل اعداد و شمار کا حوالہ دیا گیا:

	امریکہ	ملائیشیا	پاکستان
جی ڈی پی	8 ٹریلین	72 بلین	60 بلین
شیئر مارکیٹ	10ٹریلین	100بلین	6 بلین
قرض مارکیٹ	10ٹریلین	22 بلین	40 ملین

یہ تمام اعداد و شمار اندازے کے مطابق ہیں اور ان کی مالیت امریکی ڈالر ہے۔ ان اعداد و شمار سے اہم ترین شعبوں میں پبلک کی شمولیت کا اظہار ہوتا ہے جس نے ان ملکوں کی معیشت کے لئے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کی ہے اور جس کی بدولت عوام میں دولت کی بہتر انداز سے تقسیم ممکن ہوسکی ہے۔ یہ بات بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ اسلامی مالیاتی ماڈل کا ایک بنیادی عنصر ایک بڑی مڈل کلاس پیدا کرنا بھی ہے تاکہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوکر نہ رہ جائے۔ اس کے علاوہ یہ چیز بھی نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ کیپٹل مارکیٹ کی ٹوٹل ویلیو جی ڈی پی سے بہت بڑی ہے، اس صورتِ حال کے پیشِ نظر اگر ہم پاکستان میں اسلامی بنیادوں پر معیشت کا ڈھانچہ استوار کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہم توقع کرسکتے ہیں کہ اس کی بدولت کی جانے والی اصلاحات سے ہر شعبے میں کرپشن کا خاتمہ ہو جائے گا، بینکنگ سیکٹر میں مقابلے کی فضا پروان چڑھے گی، غیر قانونی سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے جو ضوابط تشکیل پائیں گے ان سے نمبرز اور فراڈ کی حوصلہ شکنی ہوگی، اور سرمایہ کاروں کو ہر سطح پر انصاف اور فیئر پلے مل سکے گا۔ یہ شفاف طریق کار اس قدر واضح ہے کہ اندازوں اور مفروضوں پر مبنی کاروباری سرگرمیاں کم از کم ہو جائیں گی، ان اعلیٰ مقاصد کو حسبِ ذیل اقدامات کے ذریعہ حاصل کیا جاسکے گا:

(1) انفرادی کریڈٹ کی تاریخ

کسی فرد کو اس وقت تک کوئی یوٹیلیٹی کنکشن، بینک اکاؤنٹ کھولنے کی اجازت یا قرض حاصل کرنے کی اجازت نہ دی جائے جب تک کریڈٹ بیورو اس امر کی رپورٹ فراہم نہ کردے کہ اس کا دامن ہر طرح کے واجبات سے صاف ہے، ایسے بیورو غیر سرکاری شعبے سے متعلق ہوں اور کوئی بھی تنظیم معمولی فیس ادا کر کے ان سے مطلوبہ معلومات حاصل کرسکے۔

(2) انڈسٹریز ریٹنگ

مندرجہ ذیل چار اداروں (I) اسٹینڈرڈ اینڈ پورز، (II) موڈیز، (III) ڈی سی آر اور (IV) فچ۔ آئی بی سی اے سے مالیاتی اور قرض دینے والے ادارے قرض مانگنے والوں کی کریڈٹ ریٹنگ کے

بارے میں معلومات حاصل کرتے ہیں۔ امریکہ کا سیکورٹی ایکسچینج کمیشن ان اداروں کو لائسنس دیتا اور ان کے کام کے معیار پر نظر رکھتا ہے۔ پاکستان میں کریڈٹ ریٹنگ کے بزنس کو با قاعدہ بنانے کے لئے کریڈٹ ریٹنگ کمپنیز رولز مجریہ 1995ء وفاقی حکومت نے وضع کیے تھے، مگر ان کا مفید مقصد اطلاق نہیں کیا گیا، اس کے برعکس امریکہ میں افراد، کارپوریشنوں، بینکوں، مالیاتی اداروں اور میونسپلٹیوں کی ریٹنگ کریڈٹ کمپنیاں کرتی ہیں، سرمایہ کاران کی ریٹنگ پر اعتماد کرتے ہیں اور وہ ان کے بانڈز یا دیگر ترغیبات میں سرمایہ کاری کرنے سے پہلے ان کمپنیوں کی طرف سے جاری کردہ اعداد و شمار کو دیکھ لیتے ہیں۔ یہ ریٹنگ کمپنیاں ''معلومات حاصل کرنے کے حق'' کے فلسفے پر قائم کی جاتی ہیں۔ برطانیہ میں بھی ایسے قوانین موجود ہیں جو ضروری معلومات حاصل کرنے کی اجازت سے متعلق ہیں، فنانشل سروسز ایکٹ مجریہ 1986ء اور اس کے تحت وضع کیے گئے ضوابط سرمایہ کاروں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کے تحت مالیاتی اداروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ سیرس فراڈ آفس (ایس ایف او) کریمنل جسٹس سسٹم کے ایک جزو کے طور پر وجود میں آیا تھا۔ ایس ایف او برطانیہ کی تاریخ میں چند بہت بڑے فراڈ کے کیسوں کی تحقیقات اور پراسیکیوشن کی ذمہ داریاں نبھا چکا ہے، ایس ایف او ایک آزاد سرکاری ادارہ ہے، جس کا سربراہ ایک ڈائریکٹر ہوتا ہے جو اٹارنی جنرل کی نگرانی میں اپنے اختیارات کو بروئے کار لاتا ہے، وہ سرکاری محکموں کے علاوہ تجارت وصنعت کے محکمے، بینک آف انگلینڈ، انٹرنیشنل اسٹاک ایکسچینج، سیکورٹیز اور سرمایہ کاری بورڈ وغیرہ کے ساتھ مربوط رہتا ہے، یہ اور دیگر تنظیمیں سنگین اور پیچیدہ جرائم، اختیارات کے ناجائز استعمال اور وائٹ کالر کرائم کے بارے میں ایس ایف او کو رپورٹ کرتی ہیں، ایس ایف او کا طریق تحقیقات بھی مختلف ہے۔ اس کی تحقیقاتی ٹیموں میں وکلاء، اکاؤنٹینٹ، پولیس افسر شامل ہوتے ہیں، جن کا تقرر ہر کیس کی نوعیت کے مطابق کیا جاتا ہے۔ ان ٹیموں کے سربراہ کا ایک وکیل ہوتا ہے جو کیس کنٹرولر کا رول ادا کرتے ہوئے تحقیقات میں تیز رفتاری اور مؤثر پراسیکیوشن کو یقینی بناتا ہے۔ ان اقدامات کے باعث مغرب نے عملی طور پر انصاف، فیئر پلے اور نمبرز کو کم از کم کرنے جیسی اسلامی تعلیمات کو اپنایا ہے۔ ہمیں بھی مناسب لیگل فریم ورک کے تحت ان اقدامات کو اپنانے کی ضرورت ہے تاکہ ہماری سوسائٹی کے تار و پود میں بھی شفاف روش آسکے، معیشت جلد صحیح ڈگر پر گامزن ہو سکے اور اس طرح معاشرے میں بنیادی مثبت تبدیلیاں آسکیں۔ ان ضروری ضوابط اور شفاف پن کے فقدان کی وجہ سے پاکستان کے سرمایہ کار تاج کمپنی اور کوآپریٹو سوسائٹیوں میں اپنے اربوں روپے ڈبو چکے ہیں۔ اسٹاک ایکسچینج میں آئے دن کمپنیاں بنتی رہتی ہیں، کارپوریٹ منیجروں کو اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ سرمایہ کاروں کا اعتماد

بحال کریں اور انہیں کمپنیوں کے حصص کے بارے میں صحیح معلومات فراہم کریں، وہ سرمایہ کاروں کو منافع میں حصہ دینے کے بارے میں اپنی کوئی اخلاقی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ سخت ضوابط نہ ہونے، تھرڈ پارٹی ریٹنگ اور رسک پر کاروبار کرنے کی روش کے باعث ہو رہا ہے۔ کمپنیوں کی تعداد اور ان کے مالیاتی حجم کے بارے میں دُرست معلومات فراہم کر کے ضوابط کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے اور ان طریقوں سے ڈھیلے ڈھالے قوانین کا سہارا لے کر سرمایہ کاروں اور کریڈیٹرز کو لوٹنے والے عناصر کی حوصلہ شکنی کی جا سکتی ہے۔ کراچی اسٹاک ایکسچینج میں کمپنیوں کی تعداد 750 ہے، جبکہ نیویارک اسٹاک ایکسچینج میں ان کمپنیوں کی تعداد اس سے پانچ گنا ہے، جبکہ امریکہ کی معیشت پاکستان کی معیشت سے 100 گنا بڑی ہے۔ مغربی ممالک کی طرح پاکستان میں Insider Trading کے لئے قوانین نہیں ہیں، حالانکہ مالکان اور بڑے شیئر ہولڈرز کا خود حصص کا کاروبار کرنا مغرب میں ایک جرم ہے۔ مغرب میں ڈوجونز (امریکہ)، ایف ٹی ایس سی (برطانیہ) اور نکی (جاپان) کے انڈیکس تھرڈ پارٹیاں مرتب کرتی ہیں، اس کے برعکس کراچی اسٹاک ایکسچینج کا 100 انڈیکس اسٹاک مارکیٹ خود مرتب کرتی ہے، جس پر وزیرِ خزانہ نے بھی سخت نکتہ چینی کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ انڈیکس مارکیٹ کے چند بڑے کھلاڑیوں کے مفادات کا تحفظ کرنے کے لئے مرتب کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سادہ لوح سرمایہ کاروں کو مختلف ادوار میں اپنے خون پسینے کی کمائی سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ اس المناک صورتِ حال سے چھٹکارے کے لئے شفاف طریق کار رائج کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

(3) پاکستان میں قرض مارکیٹ

Debt-Market In Pakistan

ہمارے ہاں کی قرض مارکیٹ غیر متحرک ہے، اور اس کی بچتوں کا مغربی مارکیٹوں کے برعکس اسٹاکس کم ہونے کے دوران کئی مرتبہ صفایا ہو چکا ہے۔ قرض مارکیٹیں سرمایہ کاروں کو ضروری تحفظ فراہم کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ چنانچہ اس غیر ترقی یافتہ قرض مارکیٹ کی وجہ سے بچتوں کا رُخ بینکوں کی طرف ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں ربا کو فروغ ملتا ہے۔ دُوسری طرف صنعتوں کے لئے بھی طویل المیعاد فنانس درکار ہوتا ہے اس لئے وہ بھی بینکنگ سسٹم کا رُخ کرتی ہیں، نتیجتاً ربا کے لین دین کی مزید ترقی ہوتی ہے، اگر مشارکہ سرٹیفکیٹس کے ذریعے اسلامی تعلیمات کے مطابق قرض کے نظریے کو اپنایا جائے تو ترقی یافتہ قرض مارکیٹوں کے توسط سے ایکویٹی / فنڈز دستیاب ہو سکتے ہیں اور اس طریقے سے بینکوں پر انحصار کم ہو جائے گا۔ صوبوں، میونسپلٹیوں اور کارپوریٹ اداروں کو انفرااسٹرکچر فراہم کر کے انہیں فرد سرٹیفکیٹس جاری کرنے کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے جس سے لوکل فنڈز جنریٹ

ہوں گے اور فارن ایکسچینج کے حصول پر انحصار مزید کم ہو جائے گا۔

(4) اعداد وشمار جمع کرنے والی فرموں کا قیام

مالیاتی اداروں کو چاہئے کہ وہ ماہرین، وکلاء اور دیگر متعلقہ افراد کی حوصلہ افزائی کریں کہ وہ ان افراد اور کارپوریشنوں کے حسابات کے بارے میں معلومات جمع کریں جو نادہندگی کے عادی ہیں، تاکہ انہیں مجاز عدالتوں کو صحیح صحیح معلومات فراہم کر کے اور اس بات کی بھی نشاندہی کر کے کہ یہ اثاثے اُن کے اپنے نام پر ہیں یا بے نام ہیں، ان سے ریکوری میں بڑی مدد دی جاسکتی ہے۔

(5) ریکوری سسٹم

غیر ادا شدہ قرضوں سے متعلق قوانین کو منضبط کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی کافی تعداد میں مجاز عدالتوں کے قیام کی بھی ضرورت ہے، جن کے ججوں کی دیانت کسی شک وشبہ سے بالاتر ہو، ان ججوں کو بہت زیادہ کام نہ دیا جائے بلکہ انہیں اتنی تعداد میں مقدمات دیئے جائیں جن کے فیصلے وہ تین ماہ کے اندر کر سکیں، قرض لینے والے افراد اور کمپنیوں سے اس وقت ریکوریاں کرنے کا عمل شروع کرنے کا رُجحان عام ہے جب وہ اپنے اثاثوں کو ٹھکانے لگا چکے ہوتے ہیں، اس لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ ریکوریوں کا سلسلہ اس وقت شروع کیا جائے جب قرض لینے والے ان سے متعلقہ اثاثے دسترس میں ہوں۔ اس صورت میں ایسے افراد کے خلاف مؤثر کاروائی بھی کی جاسکتی ہے اور ان کے اثاثوں کو بھی ہاتھ میں لے کر انصاف کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔

(6) افسروں اور اسٹاف کی تربیت

مالیاتی اداروں کے افسروں اور اسٹاف کو اسلامی معیشت کے بنیادی اُصولوں سے آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے، انہیں اپنے اپنے شعبے کے بارے میں خاطر خواہ علم ہونا چاہئے تاکہ وہ اسلامی معیشت کے مطابق اختیار کیے جانے والے طریقوں سے روشناس ہوسکیں۔ تربیت دینے والے ادارے اپنے کورسز میں شرعی اُصولوں کے مطابق اکاؤنٹنگ اور آڈٹ کے طریقوں کو بھی شامل کریں، یہ تربیت بامقصد اور عملی تقاضوں پر پوری اُترنے والی ہونی چاہئے اور اس ضمن میں شرعی اہداف کو بہرصورت پیش نظر رہنا چاہئے۔

(7) آڈٹ اینڈ اکاؤنٹس

اسلامی تعلیمات اور شرعی تقاضوں سے ہم آہنگ آڈٹ اینڈ اکاؤنٹنگ سسٹم کو مرتب کرنا نہایت ضروری ہے، اکاؤنٹنگ اینڈ آڈیٹنگ آرگنائزیشن فار اسلامک انسٹی ٹیوشن پی او بکس نمبر 1176 منامہ بحرین نے ''اکاؤنٹنگ اینڈ آڈیٹنگ اسٹینڈرڈز فار اسلامک فنانشل انسٹی ٹیوشن'' کے نام سے ایک

مفصل کتاب شائع کی ہے، جس میں شرعی تقاضوں کے مطابق پروسیجر وضع کیے گئے ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ آف چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس اینڈ آڈیٹرز کو چاہئے کہ وہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان اور فنانس ڈویژن کی مد سے ان اسٹینڈرڈز اور پروسیجرز کا بغور مطالعہ کرے اور جہاں کہیں ضرورت محسوس کرے ان میں ایسی ترامیم اور تبدیلیاں تجویز کرے جو پاکستان کے مالیاتی اداروں اور بینکوں کی ضروریات کو پورا کرسکیں۔ مختصر یہ کہ اس ضمن میں جن اقدامات اور جس قسم کا انفرااسٹرکچر اور لیگل فریم ورک وضع کرنے کی ضرورت ہے اس کا ایک مختصر سا خاکہ یہ ہوسکتا ہے:

(1) سرکاری مصارف میں زبردست کمی کرنے کی غرض سے سادگی اختیار کرنے کے سخت اقدامات کیے جائیں، خسارے کی سرمایہ کاری کو کنٹرول کیا جائے کیونکہ صرف ایسے اقدامات میں ہی اقتصادی بحالی کا حل مضمر ہے۔

(2) پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو چاہئے کہ وہ فیڈرل کنسالیڈیٹڈ فنڈ اور پبلک اکاؤنٹ، پراونشل کنسالیڈیٹڈ فنڈ اور پبلک اکاؤنٹ کو ریگولیٹ کرنے کے لئے ایک ایکٹ جاری کرے۔ یہ قانون قرض لینے، اس کے مقاصد واسکوپ، اس کے استعمال، ریگولیشن، مانیٹرنگ اور دیگر متعلقہ اُمور پر نظر رکھنے کا فریضہ ادا کرے۔

(3) معیشت کے ہر شعبے میں شفاف پن لانے کے لئے قانون بنایا جائے۔ ایسے قوانین میں فریڈم آف انفارمیشن ایکٹ، پرائیویسی ایکٹ، امریکہ کے اخلاقی ضوابط اور برطانیہ کے فنانشل سروسز ایکٹ سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

(4) وائٹ کالر اور اقتصادی جرائم کی روک تھام کے لئے سیریس فراڈ آفس (ایس ایف او) جیسا ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے۔

(5) پبلک سیکٹر میں کریڈٹ ریٹنگ ایجنسیاں قائم کی جاسکتی ہیں۔

(6) فزیبلٹی رپورٹوں کا جائزہ لینے کے لئے بھی ایویلیوایشن کرنے والے ادارے قائم کیے جا سکتے ہیں۔

(7) اسٹیٹ بینک کے اندر حسبِ ذیل خصوصی محکمے قائم کیے جاسکتے ہیں:

(الف) اسلامی اقتصادیات کے کامیاب انتظام وانصرام کے لئے رہنمائی فراہم کرنے کی غرض سے شریعت بورڈ قائم کیا جائے۔

(ب) معلومات کے تبادلے، مالیاتی اداروں کے بارے میں منصوبوں کی فزیبلٹی رپورٹیں مرتب کرنے، ان کی جانچ پڑتال کرنے اور کریڈٹ ریٹنگ ادارے قائم کرنے کے لئے بھی ایک بورڈ

قائم کیا جائے۔

(ج) مالیاتی اداروں / بینکوں کو عملی طور پر فنی معاونت کی فراہمی کے لئے بھی ایک بورڈ قائم کیا جائے جو ان اداروں کو شرعی طریقوں کے مطابق کام کرنے کے دوران پیش آنے والی مشکلات کو دُور کرنے کے طریقوں کی طرف رہنمائی کر سکے۔ یہ بورڈ مالیاتی اداروں اور ان کے صارفین / گاہکوں کے درمیان بہتر تعلقات کے لئے بھی انتظامات تجویز کر سکے۔ یہ بورڈ اسلامک فنانشل سروس انسٹی ٹیوشن کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ ایسے ادارے حصص، سرمایہ کاری سرٹیفکیٹس اور مارکیٹوں میں سازگار ماحول پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اپنی کارکردگی کی نوعیت کے اعتبار سے ایسے ادارے اسلامک بینکنگ کے لئے بھی بڑے مددگار ثابت ہوسکیں گے، جو عناصر ایسے ادارے کو وجود میں لانے میں بنیادی کردار ادا کریں گے ان میں ٹیکس کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے ترغیب دینے کے اقدامات بھی شامل ہوں گے، ماہرینِ اقتصادیات کی نظر میں مذکورہ انفرااسٹرکچر کا قیام اسلامی بینکاری نظام کو کامیاب خطوط پر چلانے کے لئے ناگزیر ہے۔ کئی پہلوؤں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے معیشت کے نظام میں تبدیلی کے مختلف مراحل کے لئے مختلف تاریخیں مقرر کی ہیں، اس لئے ہم ہدایت کرتے ہیں کہ:

(1) وفاقی حکومت اس فیصلے کے اعلان کے ایک مہینے کے اندر اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں اعلیٰ سطح کا ایک کمیشن تشکیل دے جسے موجودہ مالیاتی نظام کو شرعی نظام میں تبدیل کرنے کے عمل کو عملی جامہ پہنانے، اس پر کنٹرول رکھنے اور نگرانی کرنے کے مکمل اختیارات حاصل ہوں۔ اس کمیشن میں علمائے شریعت، ماہرینِ اقتصادیات، بینکار اور چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس کو شامل کیا جائے۔

(2) یہ کمیشن اپنی تشکیل کے دو ماہ کے اندر معیشت کو اسلامی بنانے کے کمیشن اور راجہ ظفر الحق کمیشن کا جائزہ لینے اور اس پر عمل درآمد کے لئے ایک حکمتِ عملی وضع کرے گا، اس مقصد کے لئے پہلے وہ مذکورہ کمیشنوں کی رپورٹوں کو نمایاں بینکاروں، مذہبی اسکالرز، ماہرینِ اقتصادیات اور اسٹیٹ بینک و فنانس ڈویژن میں تقسیم کر کے انہیں ان پر رائے زنی کرنے اور تجاویز دینے کی دعوت دے گا۔ اس طریق کار کے تحت مرتب کی گئی حکمتِ عملی کو بعدازاں قانون، خزانے اور تجارت کی وزارتوں، تمام بینکوں اور مالیاتی اداروں کے سپرد کر دیا جائے گا تاکہ وہ اس پر عمل درآمد کے لئے عملی اقدامات اُٹھائیں۔

(3) اس فیصلے کے اعلان کے ایک مہینے کے اندر قانون اور پارلیمانی اُمور کی وزارت اپنے حکام، اسلامی نظریاتی کونسل کے دو شرعی اسکالرز یا کمیشن فار اسلامائزیشن آف اکانومی کے دو شرعی

اسکالرز پر مشتمل ایک ٹاسک فورس قائم کرے گی جو:

(الف) اُوپر دی گئی گائیڈ لائن میں تجویز کیے گئے قوانین کے مطابق امتناع رِبا کا نیا قانون وضع کرے گی۔

(ب) موجودہ مالیاتی اور دیگر قوانین کا جائزہ لے گی تا کہ انہیں نئے مالیاتی نظام سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔

(ج) نئے مالیاتی انسٹرومنٹس کو قانونی تحفظ فراہم کرنے کے لئے بھی نئے قوانین مرتب کرے گی۔ اس ٹاسک فورس کی سفارشات کو ''کمیشن فار ٹرانسفارمیشن'' حتمی شکل دے گا جسے اسٹیٹ بینک میں قائم کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔ اس کے بعد وفاقی حکومت ان قوانین کو جاری کر دے گی۔

(4) اس فیصلے کے اعلان کے چھ مہینے کے اندر تمام بینک اور مالیاتی ادارے اپنی تمام سرگرمیوں سے متعلق معاہدوں اور دستاویزات کے نمونے تیار کرلیں گے اور انہیں اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں قائم کمیشن فار ٹرانسفارمیشن کے سامنے پیش کر دیں گے جو ان کا جائزہ لینے کے بعد ان کی منظوری دے گا۔

(5) وہ تمام جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں، میوچل فنڈز اور فرمیں، جن کا مجموعی سالانہ سرمایہ پچاس لاکھ روپے پر ہوگا، پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی ریٹنگ کسی آزاد اور غیر جانب دار ادارے سے کرائیں۔

(6) تمام بینکوں اور مالیاتی اداروں پر لازم ہوگا کہ وہ نئے مالیاتی نظام سے اپنے افسروں، اسٹاف اور گاہکوں کو روشناس کرانے کے لئے تربیتی پروگرام اور سیمیناروں کا اہتمام کریں۔ اس فیصلے کے اعلان کے ایک مہینے کے اندر وزارتِ خزانہ ماہرین پر مشتمل ایک ٹاسک فورس بنائے گی جو اندرونِ ملک قرضہ جات کو منصوبہ جاتی سرمایہ کاری میں تبدیل کرنے کے طریقوں کا جائزہ لے گی اور ایک میوچل فنڈ قائم کرے گی جو اسی بنیاد پر حکومت کو سرمایہ فراہم کرے گا، اس میوچل فنڈ کے یونٹ عام لوگ خرید سکیں گے اور ان کی حقیقی قدر کی بنیاد پر ان کی ملحقہ مارکیٹوں میں خرید و فروخت کی جا سکے گی۔ موجودہ سرمایہ کاری سیونگ اسکیموں کے تحت جاری کردہ موجودہ بانڈز کے سرٹیفکیٹوں کو بھی جو سود پر مبنی ہیں مجوزہ میوچل فنڈ کے یونٹوں میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

(8) اندرونِ ملک بین الحکومتی قرضہ جات اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان سے وفاقی حکومت کے قرضوں کو سود سے پاک بنیادوں پر وضع کیا جائے گا۔

(9) وفاقی حکومت پر لازم ہوگا کہ وہ غیر ملکی قرضوں سے جلد از جلد سبکدوش ہونے کے لئے سنجیدہ کوششیں بروئے کار لائے، اگر ضروری ہو تو مستقبل میں قرضوں کے حصول کو اسلامی طرزِ سرمایہ

کاری کے مطابق مرتب کرنے کی بھی بھرپور کوشش کی جائے۔

(10) حسبِ ذیل قوانین کو تعلیماتِ اسلامی کے منافی قرار دیا گیا ہے، اس لئے 31 مارچ 2000ء سے انہیں کالعدم قرار دیا جا رہا ہے:

(1) انٹرسٹ ایکٹ 1938ء۔

(2) ویسٹ پاکستان منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔

(3) ویسٹ پاکستان منی لینڈرز رولز مجریہ 1965ء۔

(4) پنجاب منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔

(5) سندھ منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔

(6) این ڈبلیو ایف پی منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔

(7) بلوچستان منی لینڈرز آرڈیننس مجریہ 1960ء۔

(8) بینکنگ کمپنیز آرڈیننس مجریہ 1962ء کی سیکشن 9۔

(11) دیگر وہ قوانین یا ان کی دفعات جنہیں تعلیماتِ اسلامی کے منافی قرار دیا گیا ہے بھی 30 جون 2001ء سے کالعدم تصور کیے جائیں گے۔

اس کے ساتھ ہی اپیلوں کو نمٹایا جاتا ہے۔

(فاضل ججوں کے دستخط)

❀❀❀

مسئلۂ سود

زیرِ نظر رسالہ ''مسئلۂ سود'' حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر فرمودہ ہے، جس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلۂ سود پر محققانہ انداز میں بحث فرمائی ہے اور مخالف شبہات کا مدلل انداز میں جواب دیا ہے، مزید براں حرمتِ سود پر قرآنی دلائل اور چالیس سے زائد احادیث کا عظیم ذخیرہ جمع فرمادیا ہے، جو پیشِ نظر کتاب میں ایک علمی اضافہ ہے، البتہ کتاب کی ابتدائی مباحث اور قرآنی آیات اگرچہ گذشتہ اوراق میں آپ پڑھ چکے ہیں لیکن حضرت مفتی صاحب کا اندازِ تحقیق اور مضامین کا تسلسل اس بات کا متقاضی تھا کہ مذکورہ رسالہ کے مندرجات کو بلاکم وکاست جوں کا توں برقرار رکھا جائے۔ اس وجہ سے اس رسالہ کو بعینہٖ درج کیا گیا ہے۔ ۱۲ محمود احمد

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ وَسَيِّدِ اَنْبِيَائِهٖ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَمَنْ وَّالَاهُ.

اسلام میں سود و ربا کی حرمت کوئی مخفی چیز نہیں کہ اس کے لئے رسالے یا کتابیں لکھی جائیں، جو شخص کسی مسلمان گھرانے میں پیدا ہوا ہے وہ اتنا ضرور جانتا ہے کہ اسلام میں سود حرام ہے، بلکہ اس اجمالی حقیقت سے تو غیر مسلم تک ناواقف نہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ سود خوری کا طریقہ کوئی دُنیا میں آج پیدا نہیں ہوا، اسلام سے پہلے جاہلیت میں بھی اس کا سلسلہ جاری تھا، قریشِ مکہ، یہودِ مدینہ میں اس کا عام رواج تھا، اور ان میں صرف شخصی اور صَرفی ضرورتوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تجارتی مقاصد کے لئے بھی سود کا لین دین جاری تھا۔ ہاں! نئی بات جو آخری دو صدی کے اندر پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ جب سے یورپ کے بنیئے دُنیا میں برسرِ اقتدار آئے تو انہوں نے مہاجنوں اور یہودیوں کے سودی کاروبار کو نئی نئی شکلیں اور نئے نام دیئے اور اس کو ایسا عام کر دیا کہ آج اس کو معاشیات و اقتصادیات اور تجارت کے لئے ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا اور سطحی نظر والوں کو یہ محسوس ہونے لگا کہ آج کوئی تجارت یا صنعت یا اور کوئی معاشی نظام بغیر سود کے چل ہی نہیں سکتا۔ اگرچہ فن کے جاننے والے اور ماحول کی تقلید و اتباع سے ذرا بلند ہو کر وسیع نظر سے معاملات کا جائزہ لینے والے اہلِ یورپ کا ہی یہ بھی فیصلہ ہے کہ سود معاشیات کے لئے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ایک کیڑا ہے جو ریڑھ کی ہڈی میں لگ گیا ہے، جب تک اس کو نہ نکالا جائے گا دُنیا کی معاشیات اعتدال پر نہ آسکیں گی، یہ قول کسی مُلّا کا نہیں بلکہ یورپ کے ایک مشہور محقق و ماہر کا ہے۔

ہاں! اس میں شبہ نہیں کہ آج دُنیا میں مشرق سے مغرب تک تمام تجارتوں میں سود کا جال اسی طرح بچھا دیا گیا ہے کہ آحاد و افراد کیا کوئی جماعت مل کر بھی اس سے نکلنا چاہے تو تجارت چھوڑنے یا نقصان اُٹھانے کے سوا کچھ ہاتھ آنا مشکل ہے۔ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ عام تاجروں نے اب یہ سوچنا بھی چھوڑ دیا ہے کہ سود جو حرام ترین چیز اور بدترین سرمایہ ہے اس سے کس طرح نجات حاصل کریں؟ عام

بے فکرے مسلمانوں کا تو ذکر کیا، وہ دین دار، پرہیزگار مسلمان تاجر جو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں شریعت کے پورے متبع، تہجد گزار اور ذکر اللہ میں مشغول رہنے والے ہیں، وہ رات کو تہجد و نوافل اور ذکر وفکر کا شغل رکھتے ہیں تو صبح دُکان پر پہنچ کر اُن میں اور ایک بنیئے یا یہودی تاجر میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ اس کے معاملات اور بیع و شراء اور آمدن کے کُل ذرائع وہی ہوتے ہیں جو یہودی تاجر یا بنیئے استعمال کرتے ہیں، اور یہ ابتدائی مجبوری ایک انتہائی غفلت تک پہنچ گئی کہ اب معاملات میں حلال و حرام کا تذکرہ بے وقوفی یا آج کل کے جدت پسندوں کی اصطلاح میں نری مُلاّ ئیت کہلاتا ہے، اور دُوسری طرف علمِ دین سے عام غفلت نے یہ عالَم کردیا کہ شاید اب بہت سے مسلمان ایسے بھی ہوں جن کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ سودی معاملات اسلام میں حرام ہیں۔ اور سود کی نئی نئی شکلیں نکلنے کے باعث یہ مرض تو عام ہوگیا کہ بہت سے مسلمانوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ فلاں معاملہ سودی ہونے کی وجہ سے حرام ہے، فلاں میں قمار حرام پایا جاتا ہے، ان میں بہت سے ایسے معاملات بھی ہیں جن کی مروّجہ شکل سود و ربا پر مشتمل ہے، لیکن اگر بازار والے چاہیں تو اس کو آسانی کے ساتھ ایسے معاملات کی صورت میں بدل سکتے ہیں جو سود سے خالی ہو، اگر وہ کم از کم ایسے نجی معاملات ہی کو دُرست کرلیں تو سود کی لعنت سے اگر کُلّی نجات نہ ملے تو کم از کم تقلیل تو ہو، اور مسلمان ہونے کا یہ ادنیٰ تقاضا تو پورا ہو کہ وہ مقدور بھر حرام سے بچنے کی فکر میں رہے۔ اسلام میں بہت سی چیزیں حرام ہیں، لیکن سود کے معاملے میں جو وعیدِ شدید قرآنِ کریم میں آئی کہ سود کا لینا دین گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلانِ جنگ ہے، ایسی وعید کسی دُوسرے گناہ پر نہیں آئی، پاکستان بننے کے بعد یہاں کی تقریباً کُل تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں آگئی۔

میں ۱۳۶۷ھ اور ۱۹۴۸ء کے وسط میں پاکستان کراچی منتقل ہوا تو دیکھا کہ جہاں ہمارے عام تاجر اور ہزاروں سوداگر حلال و حرام اور قمار کی بحث سے یکسر غافل ہیں، انہیں اس کی فکر نہیں کہ کوئی معاملہ حرام ہوگیا یا حلال، وہیں خال خال کچھ ایسے دین دار لوگ بھی ہیں جن کو حلال و حرام کی فکر ہے، وہ اپنے کاروبار میں شریعتِ اسلامی کے اَحکام معلوم کرنا چاہتے ہیں، ایسے حضرات کے زبانی اور تحریری سوالات کا ایک سلسلہ رہا جس کے جواب میں عموماً یہ لکھا اور کہا جاتا رہا کہ فلاں معاملہ سود یا قمار ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اور بہت سے معاملات میں ابتلائے عام پر نظر کرکے ان معاملات کی ایسی متبادل صورتیں بھی غور و فکر کے بعد لکھی گئیں جن سے اصل معاملات کا مقصد حاصل ہوجائے اور اس میں سود و قمار نہ رہے۔ لیکن کوئی فرد یا چند افراد تنہا چاہیں کہ ان پر عمل کریں اور سارا بازار سودخوری پر تلا رہے، تو ظاہر ہے کہ ان صورتوں پر عمل نہیں ہوسکتا، ان صورتوں کو رواج دینے کے لئے ضروری ہے کہ

تجار کی کوئی معتد بہ جماعت اس کا عزم اور معاہدہ کرلے۔

اس لئے میری یہ ساری کوشش تحریری اور زبانی اس لئے بیکار رہتی تھی کہ سوال کرنے والے چند افراد بازار کے رُخ اور معاملات کی صورتوں کو نہیں بدل سکتے تھے، تا آنکہ تجارِ کراچی میں سے اللہ کے چند صالح بندے(۱) اس کام کے لئے جمع ہوئے کہ سود چھوڑنے اور چھڑانے کے لئے اپنی مقدور بھر اجتماعی کوشش کریں اور اس کے لئے تدبیریں سوچیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ آج کل جس طرح سے سودی کاروبار نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے، اس سے خلاصی حاصل کرنے کی مکمل اور مؤثر صورت تو جبھی ہو سکتی ہے جبکہ کوئی بااختیار حکومت سود کی دینی و معاشی خرابیوں کا پورا احساس کر کے اس کے سدِباب کا عزم کرلے اور اس کی راہ میں جو مشکلات ہیں اپنے پورے زرائع سے ان کا مقابلہ کرے، بے چارے عوام یا ان کی کوئی جماعت اس کام کو مکمل طور پر نہیں کر سکتی، لیکن قرآنِ کریم اور احادیث رسول اللہ ﷺ نے سود پر انتہائی وعیدیں فرمائی ہیں جو کسی دُوسرے گناہ پر نہیں آئیں کہ سودی کاروبار کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلانِ جنگ کے مترادف قرار دیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر کسی مسلمان کے لئے اس کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اس شدید حرام کے دنیا میں پھیل جانے کے عذر کا سہارا لے کر اپنی مقدور بھر کوشش بھی چھوڑ بیٹھے، بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ مقدور بھر اس سے خلاصی کی تدبیر میں لگا رہے اور اس کی کوشش کرے کہ اگر وہ دنیا کے بازاروں سے سودی کاروبار کو ختم نہیں کر سکتا تو کم از کم اس کے کم کرنے کی جدوجہد میں لگا رہا ہے، کامیابی ہو یا نہ ہو، بازاروں اور تجارتی حلقوں کا رخ بدلنا تو اپنے قبضے میں نہیں، لیکن اس راستے میں اپنی مقدور بھر کوشش صرف کرنے کی نیت سے بنامِ خدا تعالیٰ پہلے یہ رسالہ لکھا گیا ہے جس میں رِبا (سود) کی شرعی تعریف اور اس کے اقسام کے متعلق قرآن و حدیث کے اَحکام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تاکہ کم از کم علمی اور فکری غلطی سے تو نجات حاصل ہو سکے، اور ارادہ یہ ہے کہ اس کے بعد معاشی حیثیت سے معاشیات ہی کے اُصول پر سود کی نامعقولیت اور تباہ کن اثرات کا

---

(۱) ابتداءً جو حضرات اس کام کے لئے جمع ہوئے ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں، بعد میں اور بھی بہت سے حضرات نے شرکت فرمائی: ۱: جناب حاجی محمد یوسف صاحب مالک سیٹھی ٹیکسٹائل مل کراچی۔ ۲: حاجی محمد ابوبکر اسماعیل صاحب جمیل ٹریڈنگ کمپنی کراچی۔ ۳: حاجی محمد شریف صاحب (مرحوم) مالک شیٹن ٹی کمپنی کراچی۔ ۴: حاجی محمد تقی صاحب کیمسٹ کراچی۔ ۵: حاجی محمد یوسف صاحب تاج ریسٹورنٹ کراچی۔ ۶: حاجی محمد یوسف صاحب سوداگر پراچہ کراچی۔ ۷: حاجی محمد یوسف برش مرکنٹائل کراچی۔ ۸: حاجی احمد بھائی کاغذی کراچی۔ ۹: حاجی عبداللہ بھائی بولٹن مارکیٹ کراچی۔ ۱۰: مولوی محمد یوسف محلّہ صاحب کراچی۔

بیان کیا جائے اور بلاسود بینکاری کے نظام کا ایک خاکہ شرعی اور فقہی اُصول کے مطابق پیش کیا جائے۔

نیز ''بیمہ زندگی''، ''پراویڈنٹ فنڈ'' کی شرعی حیثیت اور قمار (جوے) کے ضروری اَحکام و مسائل اور رائج الوقت معاملات جن میں سود یا قمار شامل ہے، اور ان کی تفصیل اور ان میں سود و قمار سے بچنے کی کوئی شرعی تدبیر ممکن ہو تو اس کا بیان مختلف حصوں اور رسالوں کی صورت میں کیا جائے۔

الحمد للہ! اس رسالے کی طبع ثانی کے وقت مذکورہ مسائل پر مندرجہ ذیل رسائل تیار ہو چکے ہیں، جن میں سے بعض شائع ہو چکے ہیں، اور بعض زیرِ طبع ہیں۔ ''تقسیم دولت کا اسلامی نظام'' جس میں معاشیات کے اس بنیادی مسئلے کا تجزیہ کر کے سود کی نامعقولیت اور تباہ کن اثرات کا بیان ہے۔

''بلاسود بینکاری'' جس میں فقہِ اسلامی کی رُو سے ایک ایسا نظام پیش کیا گیا ہے جس پر جائز اور نفع بخش طریق سے بینکاری کا نظام چلایا جاسکتا ہے، جس کو بینکنگ کے ماہرین نے قابلِ عمل تسلیم کیا ہے۔

''بیمہ زندگی''، ''پراویڈنٹ فنڈ''، ''اَحکامِ قمار'' اور ''اسلامی نظام میں معاشی اصلاحات کیا ہوں گی؟''

ان رسائل کا مقصد

عین اس وقت جبکہ میں اس رسالے کی تصنیف کا عزم کر کے کافی محنت برداشت کرنے کا تہیہ کر چکا ہوں، یہ بات میری نظروں سے اوجھل نہیں کہ دین اور اَحکامِ دین سے عام غفلت کے دور میں اگر ہم نے کوئی ایسا رسالہ لکھ ہی دیا تو وہ نقار خانے میں طوطی کی صدا کے سوا کیا ہوسکتا ہے؟ اور اس سے ہمارے بازاروں کی اصلاح میں کیا مدد مل سکتی ہے؟ اور آج کل کے ہوشیار دانشمندوں کی طرف سے اس کے صلے میں جو بے وقوفی اور سادہ لوحی کے القاب کا انعام ملے گا وہ مزید برآں۔ یہ خیالات سامنے آ کر بار بار قلم کو روکنے اور ہمت کو پست کرنے لگتے ہیں۔

لیکن چند روشن فوائد بحمد اللہ ان سب وساوس پر غالب ہیں اور ان ہی کے لئے بعونہٖ تعالیٰ یہ رسالہ لکھا جارہا ہے۔

اوّل: مسلمانوں کو ایک حرام چیز کا حرام اور دنیا و آخرت کے لئے وبالِ عظیم ہونا معلوم ہو کر کم از کم ان کا علم صحیح ہو جائے اور یہ خود ایک بڑا فائدہ ہے کہ بیمار اپنی بیماری سمجھنے لگے تو شاید کسی وقت علاج کی طرف بھی توجہ ہو جائے، ہر مسئلے کے متعلق مسلمان پر دو فرض عائد ہیں، پہلے اس کا علم قرآن و

سنت ہی سے حاصل کرنا، دُوسرے اس کے مطابق عمل کرنا، اگر غفلت یا کسی معاشی مجبوری سے ایک آدمی گناہ میں مبتلا ہے تو کم از کم ایسا تو نہ رہے کہ اس گناہ کو گناہ بھی نہ سمجھے اور اس طرح ایک گناہ کے دو گناہ بنا لے، ایک علمی، دُوسرا عملی، اور ایک گناہگار جب اپنے آپ کو گناہگار سمجھے اور اس کا استحضار بھی ہو جائے تو اس کو کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق ہو جانا بعید نہیں۔

دوم: یہ کہ کسی بے فکرے بیمار کو اس کی بیماری بتلا دینے کا یہ نتیجہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ علاج کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اس طرح مسلمان کو جب کسی کام کا انجامِ بد اور وبالِ آخرت معلوم ہو جائے تو کسی نہ کسی وقت اس سے اُسے بچنے کا کم از کم خیال تو آئے گا، اور یہ خیال بعض اوقات عزم کی صورت اختیار کر لیتا ہے جو تمام مشکلات کے پہاڑوں کو راہ سے ہٹا دینے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

سوم: اسلام کا قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے کہ دنیا پر کیسے ہی دور آئیں، کتنی ہی جہالت اور غفلت عام ہو جائے، حق پر قائم رہنا کتنا ہی مشکل ہو جائے، لیکن ہر دور میں کچھ نہ کچھ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ساری مشکلات کا مقابلہ کر کے دین کی صحیح راہ پر قائم رہتے ہیں، ان کے لئے بہرحال یہ رسالہ ایک مشعلِ راہ ہوگا، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

عام مسلمانوں سے اپیل

لیکن یہ فوائد بھی محض کتاب لکھ دینے یا چھاپ دینے سے اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک کہ عام مسلمان خصوصاً تجارت پیشہ حضرات اس کو عام کرنے اور ہر مسلمان تاجر تک پہنچانے میں تعاون نہ کریں، اس لئے ضروری ہے کہ جو حضرات اس فریضے کی اہمیت کو محسوس کرتے ہیں اس کام کو تبلیغِ دین کا اہم مقصد قرار دے کر اس میں پوری توجہ دیں، واللّٰه المستعان وعلیه التکلان۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

رِبا کی تعریف اور سود و رِبا میں فرق!

قرآنِ حکیم میں جس چیز کو بلفظِ ''رِبا'' حرام قرار دیا ہے اس کا ترجمہ اُردو زبان کی تنگ دامانی کے باعث عام طور پر لفظِ ''سود'' سے کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ رِبا اور سود دونوں عربی اور اُردو میں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، لیکن حقیقت یہ نہیں بلکہ ''رِبا'' ایک عام اور وسیع مفہوم رکھتا ہے، مروّجہ سود بھی اسی کی ایک قسم یا فرد کی حیثیت میں ہے۔ مروّجہ سود ''ایک معین مقدار روپیہ متعین میعاد کے لئے اُدھار دے کر معین شرح کے ساتھ نفع یا زیادتی لینے کا نام ہے'' اور بلاشبہ یہ بھی رِبا کی تعریف میں داخل ہے، مگر ''رِبا'' اس میں منحصر نہیں، اس کا مفہوم اس سے زیادہ وسیع ہے، اس میں بہت سے وہ معاملاتِ بیع وشراء بھی داخل ہیں جن میں اُدھار کا لین دین قطعاً نہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی عموماً ''رِبا'' صرف اسی کو کہتے اور سمجھتے تھے جس کو آج سود کہا جاتا ہے، یعنی اُدھار کی میعاد پر معین شرح کے ساتھ زیادتی یا نفع لینا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''رِبا'' کے معنی کی وسعت بیان فرما کر بہت سی ایسی صورتوں کو بھی رِبا قرار دیا جن میں اُدھار کا معاملہ نہیں۔

رِبا کے لغوی اور اصطلاحی معنی

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ''رِبا'' کے معنی لغت کے اعتبار سے زیادتی، بڑھوتری، بلندی کے آتے ہیں، اور اصطلاحِ شریعت میں ایسی زیادتی کو ''رِبا'' کہتے ہیں جو بغیر کسی مالی معاوضہ کے حاصل کی جائے، "الرِّبَا فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ وَالْمُرَادُ فِي الْاٰيَةِ كل زيادةٍ لَا يُقَابِلُهَا عِوَضٌ". (۱)

اس میں وہ زیادتی بھی داخل ہے جو روپیہ کو اُدھار دینے پر حاصل کی جائے، کیونکہ مال کے

(۱) احکام القرآن، ابن عربی۔

معاوضے میں تو رأس المال پورا مل جاتا ہے، جو زیادتی بنام "سود" یا "انٹرسٹ" لی جاتی ہے وہ بے معاوضہ ہے، اور بیع وشراء کی وہ صورتیں بھی اس میں داخل ہیں جن میں کوئی زیادتی بلامعاوضہ حاصل کی جائے جس کی تفصیل اس رسالے میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر جاہلیتِ عرب کے زمانے میں لفظِ "رِبا" صرف پہلی قسم کے لئے بولا جاتا تھا، دُوسری اقسام کو وہ "رِبا" میں داخل نہ سمجھتے تھے۔

اس "رِبا" کی مختلف صورتیں مختلف خطوں میں رائج تھیں، عرب میں اس کا اکثر رواج اس طرح تھا کہ ایک معین رقم معین مدت کے لئے معین مقدارِ سود پر دے دی جاتی تھی، قرض خواہ نے اگر میعادِ مقررہ پر واپس کردی تو مقررہ سود لے کر معاملہ ختم ہوگیا، اور اگر اس وقت واپس نہ کرسکا تو آئندہ کے لئے مزید سود کا معاملہ کیا جاتا تھا۔ بہرحال "رِبا" کی حقیقت جو نزولِ قرآن سے پہلے بھی سمجھی جاتی تھی یہ تھی کہ قرض دے کر اس پر نفع لیا جائے، "رِبا" کی یہ تعریف ایک حدیث میں بھی ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے:

"كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ منفعَةً فَهُوَ رِبًوا."

یعنی جو قرض کچھ نفع کمائے وہ رِبا ہے۔

یہ حدیث علامہ سیوطیؒ نے جامع صغیر میں نقل کی اور فیض القدیر شرح جامع صغیر میں اگرچہ اس کی سند پر جرح کی ہے، اسناد کو ضعیف بتلایا ہے لیکن اس کی دُوسری شرح سراج المنیر میں عزیزی نے اس کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں: قال الشیخ حدیث حسن لغیرہ" یعنی یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، کیونکہ دُوسری روایات و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بہرحال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالح للعمل ہے، اس لئے اس کو استدلال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لفظِ "رِبا" کا یہ مفہوم کہ قرض دے کر کچھ نفع لیا جائے، پہلے سے معروف و مشہور اور تمام عرب میں جانا پہچانا ہوا تھا۔ یہ حدیث بھی نہ ہوتی تو صرف لغتِ عرب اس کے بتلانے کے لئے کافی تھا جس کے حوالے عنقریب آپ دیکھیں گے، اور اس رسالے کے آخر میں جو احادیث حرمتِ رِبا کے متعلق درج ہیں ان میں حدیث نمبر ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰ میں اس شخص کا ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت ہے جس کے ذمہ آپ کا قرض ہو اور پہلے سے اس طرح کے ہدیے تحفے کے معاملات آپس میں جاری نہ ہوں تو ایسا ہدیہ قبول کرنے کو اسی لئے ناجائز قرار دیا ہے کیونکہ وہ بھی ایک طرح سے قرض دے کر نفع حاصل کرنا ہے، اس سے بھی ثابت ہوا کہ "رِبا" ہر اس زیادتی کا نام ہے جو قرض کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو، خواہ وہ شخصی اور صرفی سود ہو یا جماعتی اور تجارتی۔ اسی طرح حدیث نمبر ۴۶ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے "رِبا" کی تعریف یہی کی ہے "اخر لی وانا ازدك" یعنی قرض لینے والا دینے والے سے کہے کہ تم

قرض کی میعاد اور بڑھا دو تو میں اتنی رقم اور زیادہ دوں گا، جس سے معلوم ہوا کہ قرض کی میعاد بڑھانے کے معاوضے اور زیادتی کا نام ''رِبا'' ہے، اور رِبا کا لین دین عرب کے معاملات میں عام تھا اوائل اسلام میں بھی یہ معاملات اسی طرح چلتے رہے، تقریباً ہجرتِ مدینہ کے آٹھویں سال فتحِ مکہ کے موقع پر آیاتِ رِبا نازل ہوئیں جن میں رِبا کو حرام قرار دیا گیا۔

آیاتِ قرآن کو سنتے ہی رِبا کے متعارف معنیٰ ''قرض اُدھار پر نفع لینا'' یہ تو اسی وقت سب نے سمجھ لیا اور اس کو قطعاً حرام سمجھ کر فوراً ترک کر دیا۔

لیکن رسولِ کریم ﷺ نے اپنے فرضِ منصبی کے مطابق ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے رِبا کے جو معنیٰ بیان فرمائے ان میں اور ایک قسم کا اضافہ تھا جس کو پہلے سے عرب میں رِبا کے اندر داخل نہ سمجھا جاتا تھا۔

رِبا کی دُوسری قسم یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيْرُ بِالشَّعِيْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ يَدًا بِيَدٍ فَمَنْ زَادَ وَاسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی، اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِيْهِ سَوَاءٌ۔ (۱)

ترجمہ: سونا سونے کے بدلے، چاندی چاندی کے بدلے اور گندم گندم کے بدلے، اور جو جو کے بدلے اور چھوارے چھوارے کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے میں اگر لیا اور دیا جائے تو ان کا لین دین برابر برابر بدست ہونا چاہئے، اس میں کمی بیشی (یا اُدھار) رِبا کے حکم میں ہے، جس کے گناہ میں لینے والا اور دینے والا برابر ہیں۔

یہ حدیث نہایت صحیح اور قوی اسانید کے ساتھ تمام کتبِ حدیث میں بعنواناتِ مختلفہ منقول و مشہور ہے، اس حدیث سے ایک نئی قسم کا رِبا کے حکم میں داخل ہونا معلوم ہوا کہ چھ چیزیں جن کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے، اگر ان چیزوں کا باہمی تبادلہ اور بیع کی جائے تو اس میں کمی بیشی کرنا بھی رِبا ہے اور اُدھار کرنا بھی رِبا ہے، خواہ اس اُدھار میں مقدار کی کوئی زیادتی نہ ہو بلکہ برابر لیا دیا جائے۔ چونکہ رِبا کا مشہور اور متعارف مفہوم قرض دے کر اس پر نفع لینا تھا، وہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پہلے ہی سمجھ کر چھوڑ دیا تھا، مگر رِبا کی یہ قسم جو حدیث میں بیان کی گئی، حضور ﷺ کے بیان سے پہلے کسی کو معلوم نہ تھی۔

---

(۱) مسلم عن ابی سعید۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جیسے امام اور فقیہ صحابی کو بھی شروع میں جب تک حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا علم نہ تھا جو اُوپر نقل کی گئی ہے تو اس قسم رِبا کے حرام ہونے کے قائل نہ تھے،(۱) پھر جب حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے یہ روایت حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو سنائی تو انہوں نے اپنے سابقہ فتویٰ سے رُجوع کیا اور اپنی غلطی پر استغفار فرمایا۔(۲)

رِبا کی تشریح کے متعلق حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد

رِبا کی یہی وہ قسم تھی جس کی تفصیلات کے تعین میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اِشکال پیش آیا، کیونکہ حدیث میں صرف چھ چیزوں کا نام لے کر ان میں کمی بیشی اور اُدھار کو بحکم رِبا قرار دیا گیا ہے، مگر الفاظِ حدیث میں اس کی صراحت نہیں ہے کہ یہ حکم صرف انہیں چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا کسی ضابطے کے تحت اور چیزیں بھی اس میں داخل ہیں، اور چونکہ آیاتِ رِبا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخر عمر میں نازل ہوئیں اس کے متعلق حدیثِ مذکور کی مزید تشریح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنے کا کسی کو اتفاق نہ ہوا، اس لئے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پر اظہارِ افسوس فرمایا کہ کاش ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی پوری تشریح کر لی ہوتی، اسی کے ساتھ اور بھی چند مسائل جن میں ابہام باقی رہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی تشریح معلوم کرنے کا اتفاق نہیں ہوا، ان پر بھی اسی سلسلے میں اظہارِ افسوس فرمایا، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

ثَلَاثٌ وَدِدْتُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ إِلَيْنَا فِيْهِنَّ عَهْدًا، اَلْجَدُّ وَالْكَلَالَةُ وَاَبْوَابٌ مِّنْ اَبْوَابِ الرِّبٰوا.(۳)

ترجمہ: تین مسائل ایسے ہیں کہ مجھے یہ تمنا رہ گئی کہ کاش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ہم سے مزید تشریحات بیان فرما دیتے، دو مسئلے تو فرائض میراث کے ہیں، (یعنی) دادا اور کلالہ کی میراث، اور تیسرا مسئلہ رِبا کے بعض ابواب و اقسام کی تشریح۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ (۴) کے اس ارشاد میں ابوابِ رِبا سے یہی تشریحات مراد ہیں کہ یہ حکم ان چھ چیزوں کے ساتھ مخصوص ہے یا یہ چیزیں بطورِ مثال کے بیان فرمائی ہیں اور دُوسری کچھ اشیاء بھی اسی

---

(۱) کما رواہ مسلم۔ (۲) نیل الاوطار بروایتِ حاکم۔ (۳) ابنِ کثیر فی التفسیر وابن ماجۃ وابن مردویہ۔
(۴) حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے خود ایک خطبے میں اس کا اعلان فرمایا ہے کہ مسئلۂ رِبا کی تشریحات معلوم نہ ہونے سے ان کا کیا مطلب ہے؟ اس خطبے کے الفاظ اسی کتاب کے آخر میں حدیث نمبر ۴۴ میں ملاحظہ ہوں۔

حکم میں داخل ہیں، اور اگر دُوسری اجناس بھی داخل ہیں تو ان کا ضابطہ کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ بعد میں آنے والے ائمۂ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ نے اپنے اپنے اجتہاد سے ان چیزوں کا ایک ضابطہ بتایا اور دُوسری اشیاء کو بھی اسی ضابطے کے ماتحت اس حکم میں داخل قرار دیا جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور و معروف ہے۔

حاصل یہ ہے کہ قرض و اُدھار پر نفع لینا تو رِبا کا مفہوم پہلے سے معلوم و مشہور تھا، رسولِ کریم ﷺ کے بیان میں بیع و شراء کی بعض صورتوں کا بھی بحکمِ رِبا ہونا معلوم ہوا۔

اسی لئے عام طور پر علماء نے لکھا ہے کہ رِبا کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم کو رِباالنسیئۃ اور رِباالجاھلیۃ کہا جاتا ہے، اور دُوسری قسم کو رِباالنقد یا رِباالبیع یا رِباالفضل کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، اور چونکہ پہلی قسم خود الفاظِ قرآن سے قبل بیانِ رسول ﷺ سے بھی واضح تھی، اس لئے بعض فقہاء نے اس قسم کو رِباالقرآن کے نام سے بھی موسوم کیا، اور دُوسری قسم چونکہ محض الفاظِ قرآن سے نہیں سمجھی گئی، بلکہ بیانِ رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہوئی اس کو رِباالحدیث کہا گیا۔

رِباالجاہلیت کیا تھا؟

اُوپر بتلایا گیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت کا اصطلاحی رِبا اس زیادتی کا نام تھا جو قرض کی مہلت کے بدلے میں مدیون سے لی جاتی تھی، اس کے شواہد علمائے لغت، ائمۂ تفسیر و حدیث کے حوالوں سے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱: لسان العرب جو لغتِ عرب کی نہایت مستند کتاب ہے:

اَلرِّبَا رِبَوانِ وَالْحَرَامُ كُلُّ قَرْضٍ يُؤْخَذُ بِهٖ أَكْثَرُ مِنْهُ أَوْ يُجَرُّ بِهٖ مُنْفَعَةٌ.

ترجمہ: رِبا کی دو قسمیں ہیں، اور حرام ہر وہ قرض ہے جس پر کچھ زیادہ لیا جائے یا قرض سے کوئی منفعت حاصل کی جائے۔

۲: نہایہ ابنِ اثیرؒ جو خاص لغتِ حدیث کی شرح کے لئے نہایت مستند مُسلَّم ہے:

تَكَرَّرَ ذِكْرُ الرِّبَا فِى الْحَدِيْثِ وَالْاَصْلُ فِيْهِ الزِّيَادَةُ عَلٰى رَأْسِ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ عَقْدِ تَبَايُعٍ.

ترجمہ: رِبا کا ذکر احادیث میں بار بار آیا ہے، اور اصل اس میں یہ ہے کہ بغیر عقدِ بیع کے راُس المال پر کوئی زیادتی لینا اس کا نام رِبا ہے۔

۳: تفسیر ابنِ جریر طبریؒ جو اُمّ التفاسیر سمجھی جاتی ہے اس میں ہے:

وَحَرُمَ الرِّبَا يَعْنِي الزِّيَادَةَ الَّتِي يُزَادُ لِرَبِّ الْمَالِ بِسَبَبِ زِيَادَةِ عزيمه فِي الْأَجَلِ وَتَأْخِيرِ دَيْنِهِ عَلَيْهِ.

ترجمہ: رِبا حرام ہے، رِبا سے مراد وہ زیادتی ہے جو مال والے کوملتی ہے اس لئے کہ اس کے قرض دار نے میعاد میں زیادتی کر کے ادائیگی قرض میں دیر کر دی۔

۴: تفسیر مظہری حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ میں ہے:

اَلرِّبٰوا فِي اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ، وَالْمَعْنٰى أَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ الزِّيَادَةَ فِي الْقَرْضِ عَلَى الْقَدْرِ الْمَدْفُوعِ.

ترجمہ: رِبا کے لغوی معنی زیادتی کے ہیں، اسی لئے قرآن میں يُرْبِي الصَّدَقٰتِ آیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ صدقات کو بڑھاتا ہے، اور معنی حرمت رِبا کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرض میں دیئے ہوئے مال سے زائد لینے کو حرام قرار دیا ہے۔

۵: تفسیر کبیر امام رازیؒ:

اِعْلَمْ أَنَّ الرِّبٰوا قِسْمَانِ رِبَا النَّسِيئَةِ وَ رِبَا الْفَضْلِ، أَمَّا رِبَا النَّسِيئَةِ فَهُوَ الْأَمْرُ الَّذِي كَانَ مَشْهُورًا مُتَعَارَفًا فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَدْفَعُونَ الْمَالَ عَلٰى أَنْ يَأْخُذُوا كُلَّ شَهْرٍ قَدْرًا مُعَيَّنًا وَيَكُونُ رَأْسُ الْمَالِ بَاقِيًا، ثُمَّ إِذَا حَلَّ الدَّيْنُ طَالَبُوا الْمَدْيُونَ بِرَأْسِ الْمَالِ فَإِنْ تَعَذَّرَ عَلَيْهِ الْأَدَاءُ زَادُوا فِي الْحَقِّ وَالْأَجَلِ فَهٰذَا هُوَ الرِّبٰوا الَّذِي كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَتَعَامَلُونَ بِهِ، وَأَمَّا رِبَا النَّقْدِ فَهُوَ أَنْ يُبَاعَ مَنٌّ الْحِنْطَةِ بِمَنَوَيْنِ مِنْهَا وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ.

ترجمہ: سمجھ لو کہ رِبا کی دو قسمیں ہیں، ایک اُدھار کا رِبا، دُوسرا نقد پر زیادتی کا رِبا۔ پھر اُدھار کا رِبا وہی ہے جو زمانۂ جاہلیت سے مشہور ومتعارف چلا آتا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنا روپیہ اُدھار پر اس شرط سے دیتے کہ اتنا روپیہ اس کا ماہوار سود دینا ہوگا اور رأس المال بدستور باقی رہے گا، پھر جب قرض کی میعاد پوری ہو جاتی تو وہ قرض دار سے اپنا رأس المال طلب کرتے، اگر قرض دار اس وقت ادا کرنے سے عذر کرتا تو وہ میعاد میں اور زیادتی کر دیتے اور اس کا سود بڑھا دیتے تھے، رِبا کی یہ قسم زمانۂ جاہلیت میں رائج تھی۔

اور ربا النقد (جس کا بیان حدیث میں آیا ہے) یہ ہے کہ گیہوں کے ایک من کے بدلے میں دو من لیا جائے اور اسی طرح دُوسری اشیاء۔

۶: اَحکام القرآن ابن العربی مالکیؒ:

وَكَانَ الرِّبٰوا عِنْدَهُمْ مَّعْرُوْفًا (الٰی) أَنَّ مَنْ زَعَمَ أَنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ مُجْمَلَةٌ فَلَمْ يَفْهَمْ مَقَاطِعَ الشَّرِيْعَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ اِلٰی قَوْمٍ هُوَ مِنْهُمْ بِلُغَتِهِمْ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ كِتَابَهٗ تَيْسِيْرًا مِّنْهُ بِلِسَانِهٖ وَلِسَانِهِمْ، وَالرِّبَا فِی اللُّغَةِ الزِّيَادَةُ وَالْمُرَادُ فِی الْاٰيَةِ كُلُّ زِيَادَةٍ لَّا يُقَابِلُهَا عِوَضٌ.

ترجمہ: لفظِ ''ربا'' عرب میں مشہور و معروف تھا، اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ آیت مجمل ہے، اس نے شریعت کے قطعی مقاصد کو نہیں سمجھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ایسی قوم کی طرف بھیجا جس میں وہ خود بھی داخل تھے اور انہیں کی زبان میں بھیجا، اور اپنی کتاب بھی ان کی زبان میں اُتاری تاکہ ان کے لئے آسان ہو جائے، اور ''ربا'' لغتِ عرب میں زیادتی کو کہتے ہیں اور مراد وہ زیادتی ہے جس کے مقابلے میں مالی عوض نہ ہو (جیسے قرض پر زیادتی لینا)۔

۷: اَحکام القرآن ابوبکر جصاص حنفیؒ:

فَمِنَ الرِّبَا مَا هُوَ بَيْعٌ وَّمِنْهُ مَا لَيْسَ بَيْعٌ وَهُوَ رِبَا أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ الْقَرْضُ الْمَشْرُوْطُ فِيْهِ الْأَجَلُ وَزِيَادَةُ مَالٍ عَلَی الْمُسْتَقْرِضِ.

ترجمہ: ربا کی ایک قسم وہ ہے جو بیع میں ہوتا ہے، دُوسرا وہ جو بیع میں نہیں ہوتا اور یہی ربا اہلِ جاہلیت میں جاری تھا جس کی حقیقت یہ ہے کہ قرض کسی میعاد کے لئے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا اس پر کچھ زیادتی ادا کرے گا۔

۸: بدایۃ المجتہد ابن رُشد مالکیؒ:

رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ الَّذِیْ نُهِیَ عَنْهُ وَذٰلِكَ أَنَّهُمْ كَانُوْا يَسْلِفُوْنَ بِالزِّيَادَةِ فَيَنْظُرُوْنَ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ: أَنْظِرْنِیْ أَزِدْكَ، وَهٰذَا هُوَ الَّذِیْ عَنَاهُ بِقَوْلِهٖ فِیْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ: أَلَا! اِنَّ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ.

ترجمہ: ربا الجاہلیۃ جس سے قرآن میں منع کیا گیا ہے یہ ہے کہ لوگ قرض پر کچھ زیادتی کی شرط کر کے قرض دیا کرتے تھے، پھر میعادِ مقرر پر مزید مہلت مزید

سود لگا کر دیتے تھے، یہی وہ رِبا ہے جس کو رسولِ کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں باطل قرار دیا ہے۔

مذکور الصدر حوالوں سے یہ واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ لفظ ''رِبا'' ایک مخصوص معاملے کے لئے عربی زبان میں نزولِ قرآن سے پہلے سے متعارف چلا آتا تھا اور پورے عرب میں اس معاملہ کا رواج تھا، وہ یہ کہ قرض دے کر اس پر کوئی نفع لیا جائے، اور عرب صرف اسی کو رِبا کہتے اور سمجھتے تھے، اسی رِبا کو قرآنِ کریم نے حرام فرمایا اور اسی کو رسولِ کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں ربا الجاہلیۃ کے نام سے موسوم فرما کر باطل قرار دیا۔

تفسیرِ قرطبی میں ہے:

وَذٰلِكَ أَنَّ الْعَرَبَ لَا تَعْرِفُ رِبًا اِلَّا ذٰلِكَ (الٰی) فَحَرَّمَ سُبْحَانَهٗ ذٰلِكَ وَرَدَّ عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ: وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا. (ثُمَّ قَالَ) وَهٰذَا الرِّبَا هُوَ الَّذِیْ نَسَخَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ: اَلَا اِنَّ كُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ.

اس میں نہ کوئی ابہام تھا، نہ اجمال، نہ کسی کو اس کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں ایک منٹ کا تأمل یا تردّد پیش آیا، البتہ رسولِ کریم ﷺ نے باشاراتِ وحیٔ الٰہی اس کے مفہوم میں چند اور معاملات کا اضافہ فرمایا، چھ چیزوں کی باہمی خرید و فروخت میں کمی بیشی یا اُدھار کرنے کو بھی رِبا میں داخل قرار دیا، اسی لئے اس قسم کو ''رِبا الحدیث'' یا ''رِبا الفضل'' یا ''رِبا النقد'' وغیرہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ عربی لغت اور اہلِ جاہلیت کے متعارف مفہوم سے ایک زائد چیز تھی، اس کی تفصیلات بھی پوری تشریح کے ساتھ رسولِ کریم ﷺ نے بیان نہیں فرمائی تھیں، اسی لئے اس کی تشریحات میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کچھ اِشکالات پیش آئے اور بالآخر انہوں نے اپنے اجتہاد سے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے جس چیز میں سود کا شبہ اور شائبہ بھی محسوس کیا، اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد: ''فَدَعُوا الرِّبَا وَالرِّيْبَةَ'' یعنی سود کو بھی چھوڑ دو اور جس میں سود کا شبہ ہو اس کو بھی چھوڑ دو، اسی کے بارے میں آیا ہے۔

شبہات اور غلط فہمیاں

مسئلۂ سود میں بعض لوگوں نے تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے قول کو آڑ بنالیا جو سود کی اس

خاص قسم کے بارے میں ارشاد ہوا تھا جس کا آج کل کے مروّجہ سود کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں، یعنی چھ چیزوں کی باہمی بیع وشراء کا مسئلہ، جیسا کہ آپ تفصیل سے ملاحظہ فرما چکے ہیں، انہوں نے اس قول سے یہ نتیجہ نکالا کہ رِبا کی حقیقت ہی مبہم رہ گئی تھی، اس کے متعلق جو کچھ علماء فقہاء نے لکھا وہ گویا صرف ان کا اجتہاد تھا۔ مگر میں وضاحت کے ساتھ لکھ چکا ہوں کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو صرف اس قسم رِبا کے متعلق تردّد پیش آیا جو قرآن کے الفاظ میں مصرّح نہیں تھا اور لغتِ عرب اور رُسومِ عرب میں بھی اس کو رِبا نہیں کہا جاتا تھا بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان نے اس کو مفہومِ رِبا میں داخل قرار دیا، وہ چھ چیزوں کی آپس میں بیع وشراء کا معاملہ تھا۔

جو سود آج کل رائج ہے اور جس میں ساری بحث ہے، اس سے ان کے اس ارشاد کو دُور کا بھی واسطہ نہ تھا، اور ہو کیسے سکتا تھا جبکہ جاہلیتِ عرب سے اس کے معاملات رائج اور جاری تھے اور ابتدائے اسلام میں جاری رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس کا کاروبار کرتی تھی اور اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجۃ الوداع میں اس قرآنی فیصلے کا اعلان کرنا پڑا کہ پچھلے زمانہ کے جو سودی معاملات آپس میں چل رہے ہیں، ان کے چکانے اور لینے دینے میں بھی صرف رأس المال لیا اور دیا جائے گا، سود و رِبا کی رقم کا لین دین جائز نہ ہوگا۔

پھر اشیائے ستہ کے سود کے متعلق جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اِشکال پیش آیا، وہ بھی اس میں نہیں کہ ان اشیائے ستہ کے سود کو حرام سمجھنے میں ان کو کوئی تردّد تھا، بلکہ اِشکال صرف یہ تھا کہ شاید یہ حکم اشیائے ستہ تک محدود نہ ہو اور اشیائے ستہ کا تذکرہ حدیث میں بطور مثال لایا گیا ہو، اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ دُوسری اشیاء کی بیع وشراء میں بھی سود کی صورت پیدا ہو جائے، اسی لئے جس روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول منقول ہے کہ ''ہم ابوابِ رِبا کی پوری تشریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت نہ کرسکے''، اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں: "فَدَعوالرِّبٰوا والرِّيْبَةَ" (رواہ ابن ماجة والدارمی) یعنی اس اشتباہ کا اثر مسلمانوں کے لئے یہ ہونا چاہئے کہ رِبا کو تو چھوڑنا ہی ہے، جس چیز میں رِبا کا شبہ بھی ہو جائے اس کو بھی چھوڑ دیں۔

پھر یہ ارشاد صرف خیال کے درجے میں نہیں رہا بلکہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اس احتیاط کو اپنا دستورالعمل بنالیا تھا جیسا کہ امام شافعیؒ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "ترکنا تسعة اعشار الحلال مخافة الرِبٰوا" (ذکرہ فی الکنز برمز عبدالرزاق فی الجامع) یعنی ہم نے نوّے فی صد معاملات کو حلال ہونے کے باوجود اس لئے چھوڑ دیا کہ ان میں سود کا خطرہ تھا۔ حیرت کا مقام ہے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تو اِشکال کا نتیجہ یہ نکالیں کہ منصوص چیزوں کے علاوہ غیر منصوص چیزوں

میں بھی ایسے معاملات سے احتیاط پرہیز کریں اور یہ حضرات ان کے اِشکال کو مخصوص قسم سود سے ہٹا کر عام سود و رِبا کی طرف کھینچ لے گئے، پھر اس کا نتیجہ یہ نکالا کہ سرے سے رِبا کی حرمت ہی ایک مشتبہ مسئلہ ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

دُوسرا شبہ: شخصی سود اور تجارتی سود میں فرق

بہت سے لکھے پڑھے سنجیدہ لوگوں کو بھی ایک شبہ میں مبتلا پایا، وہ یہ ہے کہ قرآن میں رِبا اس خاص سود کے لئے آیا ہے جو قدیم زمانے میں رائج تھا کہ کوئی غریب مصیبت زدہ اپنی مصیبت میں کسی سے قرض لے اور وہ اس پر سود لگائے، جو بے شک ظلم اور سخت دِلی ہے کہ بھائی کی مصیبت سے فائدہ اُٹھایا جائے، آج کل کا مروّجہ سود بالکل اس سے مختلف ہے، آج سود دینے والے مصیبت زدہ غریب نہیں بلکہ متمول سرمایہ دار تجار ہیں، اور غریب ان کو دینے کے بجائے ان سے سود وصول کرتا ہے، اس میں تو غریبوں کا فائدہ ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں رِبا کی مخالفت کا ذکر ایک جگہ نہیں، مختلف سورتوں کی سات آٹھ آیتوں میں آیا، اور چالیس سے زیادہ احادیث میں مختلف عنوان سے اس کی حرمت بیان کی گئی، ان میں سے کسی ایک جگہ، کسی ایک لفظ میں بھی اس کا اشارہ موجود نہیں کہ یہ حرمت صرف اس رِبا کی ہے جو شخصی اغراض کے لئے لیا دیا جاتا تھا، تجارتی سود اس سے مستثنیٰ ہے، پھر کسی کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حکم میں سے کسی چیز کو محض اپنے خیال سے مستثنیٰ کردے؟ یا عام ارشاد کو خاص کردے؟ یا مطلق کو بلا کسی دلیلِ شرعی کے مقید و محدود کردے؟ یہ تو کھلی تحریفِ قرآن ہے، اگر خدانخواستہ اس کا دروازہ کھلے تو پھر شراب کو بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ شراب حرام تھی جو خراب قسم کے برتنوں میں سڑا کر بنائی جاتی تھی، اب تو صفائی ستھرائی کا اہتمام ہے، مشینوں سے سب کام ہوتے ہیں، یہ شراب اس حکم میں داخل ہی نہیں۔ قمار کی بھی جو صورت عرب میں رائج تھی جس کو قرآنِ کریم نے "مَیْسِر" اور "اَزْلَام" کے نام سے حرام قرار دیا ہے، آج وہ قمار موجود ہی نہیں، آج تو لاٹری کے ذریعے بڑے بڑے کاروبار اس پر چلتے ہیں، معمہ بازی کا کاروبار بڑے اخباروں، رسالوں کی رُوح بنا ہوا ہے، تو کہا جائے گا یہ اس قمارِ حرام میں داخل ہی نہیں۔ اور پھر تو زنا، فواحش، چوری، ڈاکا سبھی کی صورتیں پچھلی صورتوں سے بدلی ہوئی ملیں گی، سبھی کو جائز کہنا پڑے گا۔ اگر یہی مسلمانی ہے تو اسلام کا تو خاتمہ ہوجائے گا، اور جب محض چولہ بدلنے سے کسی شخص کی حقیقت نہیں بدلتی تو جو شراب نشہ لانے والی ہے وہ کسی پیرایہ اور کسی صورت میں ہو بہرحال حرام ہے۔ جوا اور قمار مروّجہ معمول کی نظر فریب شکل میں ہو یا لاٹری کی دُوسری صورتوں میں بہرحال حرام ہے۔ فحش و عریانی اور بدکاری قدیم طرز کے

چکلوں میں ہو یا جدید طرز کے کلبوں، ہوٹلوں، سینماؤں وغیرہ میں ہو، بہر حال حرام ہے۔ اسی طرح سود و ربا یعنی قرض پر نفع لینا خواہ قدیم طرز کا مہاجنی سود ہو یا نئی قسم کا تجارتی اور بینکوں کا، بہر حال حرام ہے۔

نزولِ قرآن کے وقت عرب میں تجارتی سود کا رواج تھا، وہ بھی حرام قرار دیا گیا

اس کے علاوہ تاریخی طور سے مسئلۂ ربا پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ یہ خیال بھی غلط ہے کہ نزولِ قرآن کے زمانے میں ربا کی صرف یہی صورت رائج تھی کہ کوئی غریب آدمی اپنی شخصی مشکلات کے حل کے لئے سود پر قرض کا معاملہ کرے، تجارت کے لئے سود پر روپیہ لینے دینے کا رواج نہ تھا، بلکہ آیاتِ ربا کا شانِ نزول دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمتِ ربا کا اصل نزول تجارتی سود ہی کے واقعے میں ہوا ہے کیونکہ عرب اور بالخصوص قریش تجارت پیشہ حضرات تھے، اور عام طور پر تجارتی اغراض ہی کے لئے سود کا لین دین کرتے تھے۔ شرح بخاری عمدۃ القاری میں زید بن ارقم، ابن جریج، مقاتل ابنِ حبان اور ہندی ائمہ تفسیر سے آیت "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا...... الخ" کے شانِ نزول کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

> قبیلہ بنوثقیف کے خاندان بنی عمرو بن عمیر اور قبیلہ بنومخزوم کے ایک خاندان بنومغیرہ کے آپس میں زمانۂ جاہلیت سے سود کا لین دین چلا آتا تھا، ان میں سے بنومغیرہ مسلمان ہو گئے اور سنہ ۹ ھ میں قبیلۂ ثقیف جو طائف کے رہنے والے ہیں ان کا ایک وفد عمرو بن مغیرہ وابن عمیر وغیرہ کی قیادت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں مدینہ طیبہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا (البدایہ والنہایہ لابن کثیر)، مسلمان ہونے کے بعد آئندہ کے لئے سودی کاروبار سے تو سب تائب ہو چکے تھے، لیکن پچھلے معاملات کے سلسلے میں بنوثقیف کے سود کی ایک بڑی رقم بنومغیرہ کے ذمے واجب الادا تھی، انہوں نے اپنی رقم سود کا مطالبہ کیا، بنومغیرہ نے جواب دیا کہ مسلمان ہونے کے بعد ہم سود ادا نہیں کریں گے، کیونکہ سود کا لینا جس طرح حرام ہے، اس کا دینا بھی حرام ہے۔ یہ جھگڑا مکہ میں پیش آیا تو مقدمہ عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا

جن کو رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مکہ کا امیر مقرر فرما دیا تھا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ تعلیمِ قرآن وسنت کے لئے مقرر کر دیا تھا، چونکہ سابقہ معاملے کی رقم سود کا مسئلہ قرآن میں صاف مذکور نہ تھا اس لئے حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ نے، اور رُوح المعانی کی روایت میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عریضہ لکھ کر اس معاملے کے متعلق دریافت کیا کہ فیصلہ کیا کیا جائے؟ رسولِ کریم ﷺ کے پاس خط پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ آسمان سے سورۂ بقرہ کی دو مستقل آیتوں میں نازل فرما دیا: "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰو...... الخ" جن کا حاصل یہ ہے کہ حرمتِ ربا نازل ہونے سے پہلے جو سود لیا جا چکا ہے اس کی معافی تو سورۂ بقرہ کی آیت: ۲۷۵ میں پہلے ہی نازل ہو چکی تھی لیکن جو سود کی رقم اب تک کسی کے ذمے واجب الادا باقی ہے اس کا لینا اور دینا اب جائز نہیں، اب صرف رأس المال لیا اور دیا جائے گا، اس کے مطابق رسولِ کریم ﷺ نے حضرت عتاب بن اُسید رضی اللہ عنہ کو یہ جواب لکھ بھیجا کہ اب سود کی رقم لینا اور دینا جائز نہیں۔ آیات، قرآن سن کر سب نے باتفاقِ رائے عرض کیا کہ ہم نے توبہ کی، اب سود کی رقم کا مطالبہ نہ کریں گے۔ (۱)

یہ واقعہ تفسیر بحرِ محیط اور رُوح المعانی میں بھی کسی قدر فرق کے ساتھ مذکور ہے، اور تفسیر ابنِ جریر میں بروایت عکرمہ بھی ذکر کیا گیا ہے، اور اس کے بعض تاریخی اجزاء ابنِ کثیرؒ کی کتاب البدایہ والنہایہ سے لیے گئے ہیں۔ اور امام بغویؒ نے ان آیات کے نزول کے سلسلے میں ایک دُوسرا واقعہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عباس اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کا شرکت میں کاروبار تھا، اور ان کا لین دین طائف کے بنوثقیف کے ساتھ تھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ایک بھاری رقم بحساب سود بنوثقیف کے ذمے واجب الادا تھی، انہوں نے اپنی سابقہ رقم کا بنوثقیف سے مطالبہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکمِ قرآنی کے ماتحت اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی اتنی بڑی رقم، سود چھوڑ دینے کا حکم دے دیا۔ (۲)

پھر اس فیصلے کا اعلان سنہ ۱۰ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ کے خطبے میں اس تفصیل کے ساتھ فرما دیا:

---

(۱) عمدۃ القاری، ج:۱۱، ص:۲۰۱۔

(۲) تفسیر مظہری بحوالہ بغوی و تفسیر درِّ منثور بحوالہ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم۔

اَلَا! كُلُّ شَيْءٍ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوْعٌ، وَدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ، وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِيْ بَنِيْ سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ، وَأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَإِنَّهُ مَوْضُوْعٌ كُلُّهُ.(۱)

ترجمہ: خوب سمجھ لو! کہ جاہلیت کی ساری رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی ہیں، اور زمانۂ جاہلیت کے باہمی قتل وخون کے انتقام آئندہ کے لئے ختم کر دیئے گئے ہیں، اور سب سے پہلا انتقام ہم اپنے رشتہ دار خاص ربیعہ بن حارث کا چھوڑتے ہیں جو قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کے لئے دیئے ہوئے تھے، ان کو ہذیل نے قتل کر دیا تھا، (اسی طرح) زمانۂ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا، اور سب سے پہلا سود جو چھوڑا گیا وہ ہمارے چچا عباس کا سود ہے کہ وہ سب کا سب ہم نے چھوڑ دیا۔

حجۃ الوداع کا یہ عظیم الشان مشہور ومعروف خطبہ، اسلام میں ایک دستور کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ زمانے کے قتل وخون کے انتقاموں کو بھی ختم کر دیا اور گزشتہ زمانے کے سودی معاملات کے سود کی رقموں کو بھی، اور حکیمانہ انداز میں اس کا اعلان فرما دیا کہ سب سے پہلے اپنے خاندان کے مطالبے چھوڑتے ہیں جو دُوسرے خاندانوں کے ذمے ہیں، تاکہ کسی کے دِل میں یہ وسوسہ نہ پیدا ہو کہ ہم پر یہ نقصان ڈال دیا گیا ہے۔ اور امام بغویؒ نے ہی ایک تیسرا واقعہ بروایت عطاءؒ وعکرمہؒ اور بیان کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سود کی رقم جو کسی اور سوداگر کے ذمے تھی، اس کا مطالبہ کیا گیا تو آیاتِ مذکورہ کے ماتحت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روک دیا اور سود کی رقم چھوڑ دینے کا فیصلہ فرمایا۔

مذکور الصدر تین واقعات جو اِن آیات کے شانِ نزول کے بارے میں مستند کتبِ تفسیر و حدیث سے نقل کیے گئے ہیں، ان میں پہلے واقعے میں بنوثقیف کا سود ایک قریشی خاندان بنومغیرہ کے ذمے تھا، اور دُوسرے واقعہ میں اس کے برعکس قریش کا سود بنوثقیف کے ذمے تھا، اور تیسرے واقعے میں کسی خاندان کے تعین کے بغیر کچھ تجارت پیشہ لوگوں کا سود دُوسرے تاجروں کے ذمے تھا، درحقیقت ان میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات پیش آئے ہوں اور سب سے متعلق یہ قرآنی فیصلہ نازل ہوا ہو۔ اور تفسیر درِمنثور کی ایک روایت سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے جس میں کسی واقعے کا حوالہ

(۱) صحیح مسلم بروایت جابر رضی اللہ عنہ فی حجۃ الوداع۔

دیئے بغیر یہ فرمایا ہے کہ بنوثقیف کے ایک خاندان بنوعمر اور قریش کے ایک خاندان بنومغیرہ کے آپس میں سود کا لین دین تھا۔[1] اس سے ظاہر یہی ہے کہ کبھی وہ اِن سے سودی قرض لیتے تھے، کبھی یہ اُن سے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ جن قبائل کے باہمی لین دین کا ذکر ہے وہ کسی حادثہ یا کسی ہنگامی ضرورت کے ماتحت قرض لینے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس انداز سے کہ ان لوگوں کے درمیان یہ معاملات تجارتی کاروبار کی حیثیت سے مسلسل جاری تھے، اس کے ثبوت کے لئے روایاتِ مذکورہ کے الفاظِ ذیل کو دیکھئے:

كان بنو المغيرة يُربون لثقيف.[2]

ترجمہ: بنومغیرہ، ثقیف کو سود دیا کرتے تھے۔

۲: كان ربًا يتبايعون به في الجاهلية.[3]

ترجمہ: یہ ایک رِبا تھا جس کے ساتھ جاہلیت کے لوگ تجارت کرتے تھے۔

۳: نزلت هذه الآية في العباس بن عبدالمطلب ورجل من بني المغيرة كانا شريكين في الجاهلية يسلفان في الربا الى ناس من ثقيف.[4]

ترجمہ: یہ آیت حضرت عباس اور بنی مغیرہ کے ایک آدمی کے بارے میں نازل ہوئی، ان دونوں کا شرکت میں کاروبار تھا اور یہ ثقیف کے کچھ لوگوں کو سود پر روپیہ اُدھار دیا کرتے تھے۔

اور تفسیرِ قرطبی میں آیت: "فَلَهٗ مَا سَلَفَ" کے تحت میں لکھا ہے:

هذا حكم من الله لمن اسلم من كفار قريش وثقيف ومن كان يتجر هنالك.[5]

یعنی یہ حکم اللہ تعالیٰ کا ان لوگوں کے متعلق ہے جو تجارت پیشہ کفار قریش وثقیف میں سے مسلمان ہو گئے تھے۔

یہ تمام الفاظ اس کی کھلی شہادت ہیں کہ ان لوگوں میں یہ سود کا لین دین کسی وقتی مصیبت یا حادثے کو رفع کرنے کے لئے یا شخصی اور صَرفی ضرورتوں کے لئے نہیں بلکہ اس انداز میں تھا جیسے ایک

---

(۱) درِّ منثور، بحوالہ ابی نعیم ج:۱ص:۳۶۶۔ (۲) درِّ منثور۔ (۳) درِّ منثور۔
(۴) درِّ منثور، ج:۱، ص:۳۶۶۔ (۵) قرطبی ج:۳، ص:۳۶۱۔

تاجر دُوسرے تاجر سے یا ایک کمپنی دُوسری کمپنی سے معاملہ کیا کرتی ہے، اور یہ لوگ رِبا کو بھی ایک قسم کی تجارت سمجھتے تھے، اسی لئے کہا تھا: "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" جس کو قرآنِ کریم نے رَدّ کر کے بیع و رِبا میں فرق کیا، پھر بیع کو حلال، رِبا کو حرام ٹھہرایا۔ آج بھی جو لوگ مہاجنی رِبا اور تجارتی رِبا میں فرق کر کے تجارتی رِبا کو بیع اور تجارت کی طرح جائز کہتے ہیں ان کا قول بھی انہیں کے مشابہ ہے جو "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کہا کرتے تھے اور جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا، نعوذ باللہ منہ۔

اس جگہ یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ طائف والوں کا قبیلہ بنوثقیف بڑا مال دار تجارت پیشہ تھا اور سودی کاروبار میں اُن کی خاص شہرت تھی، تفسیر بحرِ محیط میں ان کے متعلق نقل کیا ہے:

كَانَتْ ثَقِيْفُ اَكْثَرَ الْعَرَبِ رِبًوا.

یعنی بنوثقیف سودی معاملات میں سارے عرب میں ممتاز تھے۔

اب ان واقعات سے حاصل شدہ نتائج کو سامنے رکھئے:

۱: بنوثقیف بڑا مال دار تجارت پیشہ، سودی کاروبار میں معروف قبیلہ ہے، اس کا سود بنی مغیرہ کے ذمہ ہے اور وہ بھی تجارت پیشہ متمول لوگ ہیں۔

۲: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا کاروبار ہے اور بنوثقیف جیسے مال دار لوگ ان سے سود پر روپیہ لیتے ہیں۔

۳: حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک دُوسرے تاجر سے سود کا معاملہ کرتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ایک اور واقعہ کا اضافہ کیجئے جو کنز العمال میں بروایت جامع عبدالرزاق حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے:

قَالَا سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنَّا تَاجِرَيْنِ فَقَالَ: اِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ وَلَا يَصْلُحُ نَسِيْئَةً.

ترجمہ: یہ فرماتے ہیں کہ: ہم دونوں تاجر تھے، ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک معاملے کے متعلق مسئلہ دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دست بدست معاملہ ہو تو جائز ہے، اُدھار کا معاملہ اس طرح جائز نہیں (یعنی اُدھار پر زیادتی کے ساتھ)۔

۴: جتنے معاملات سودی لین دین کے آیاتِ رِبا کے شانِ نزول میں مذکور ہیں، ان میں اکثر کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص دُوسرے شخص سے نہیں بلکہ ایک قبیلہ دُوسرے قبیلے سے سود پر قرض لیتا ہے اور صحیح روایات سے ثابت ہے کہ ہر قبیلے کی تجارت میں اس کے بہت سے افراد کی شرکت ہوتی تھی،

گویا عرب تاجروں کا ہر قبیلہ ایک تجارتی کمپنی ہوتی تھی،(۱) اس کے ثبوت کے لئے دیکھئے وہ واقعات جو غزوۂ بدر کے تجارتی قافلے کے متعلق مستند روایات سے ثابت ہیں۔ تفسیرِ مظہری میں بروایت ابنِ عقبہ و ابنِ عامر اس تجارتی قافلے کے متعلق نقل کیا ہے:

فِيْهَا اَمْوَالٌ عِظَامٌ وَلَمْ يَبْقَ بِمَكَّةَ قُرَشِيٌّ وَلَا قُرَشِيَّةٌ لَهُ مِثْقَالٌ فَصَاعِدًا اِلَّا بعث بِهٖ فِى العير فَيُقَالُ اِنَّ فِيْهَا خَمْسِيْنَ اَلْفَ دِيْنَار.

ترجمہ: اس قافلے میں بڑے اموال تھے اور مکہ میں کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو، اگر کسی کے پاس ایک ہی مثقال سونا تھا تو وہ بھی شریک ہو گیا تھا، اس کا کل رأس المال پچاس ہزار دینار (یعنی چھبیس لاکھ روپے) بتلایا گیا ہے۔(۲)

ان حالات و واقعات پر نظر ڈالئے کہ کون لوگ کن لوگوں سے سود پر رقم لے رہے ہیں؟ ایک تاجر قبیلہ دُوسرے قبیلے سے یا یوں کہئے کہ ایک کمپنی دُوسری کمپنی سے سود پر قرض لے رہی ہے، تو کیا اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سودی لین دین کسی شخصی مصیبت کے ازالے کے لئے تھا؟ یا اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ سب لین دین تجارتی اغراض سے تھا؟ اور جو احادیث آگے آ رہی ہیں ان میں حدیث نمبر ۲۴ میں مذکور ہے کہ کسی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم کاروبار میں کسی یہودی یا عیسائی کے ساتھ شرکت کر سکتے ہیں؟ اس پر حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

لَا تُشَارِكْ يَهُوْدِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا لِاَنَّهُمْ يُرْبُوْنَ وَالرِّبَا لَا يَحِلُّ.

یعنی کسی یہودی یا نصرانی کے ساتھ تجارت میں شرکت نہ کرو کیونکہ یہ لوگ سودی کاروبار کرتے ہیں اور سود حرام ہے۔

اس روایت میں سوال خاص طور سے تجارتی سود ہی کا تھا، اس کے جواب میں سود کا حرام

(۱) اس کا ایک واضح ثبوت اس کتاب کے صفحہ: ۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) صحیح بخاری باب بدء الوحی میں ابوسفیان کی سرکردگی میں تجارِ عرب کے ایک قافلے کا ذکر ہے کہ وہ ہرقل قیصرِ رُوم کے دربار میں پیش ہوا، اس قافلے کے متعلق فتح الباری میں بروایت ابنِ اسحاق، ابوسفیان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہرقل کے دربار میں انہوں نے یہ بیان دیا کہ:

ہم ایک تجارت پیشہ قوم ہیں، مگر عرب کی قبائلی جنگوں کی وجہ سے راستہ مأمون نہیں تھا، جب حدیبیہ کی صلح کا معاہدہ ہوا تو ہم ملکِ شام کی طرف تجارت کے لئے نکلے، اور خدا کی قسم! میرے علم میں مکہ کا کوئی فرد مرد یا عورت ایسا نہیں جس نے اس تجارتی قافلے میں حصہ نہ لیا ہو۔ (فتح الباری ج:۱، ص:۲۷)

ہونا بیان فرمایا ہے۔

رہا یہ قضیہ کہ بینکوں کے سودی کاروبار سے غریب عوام کا نفع ہے کہ انہیں کچھ تو مل جاتا ہے، یہ وہ فریب ہے جس کی وجہ سے انگریز کی سرپرستی میں اس منحوس کاروبار نے ایک خوبصورت شکل اختیار کر لی ہے کہ سود کے چند ٹکوں کے لالچ میں غریب یا کم سرمایہ داروں نے اپنی اپنی پونجی سب بینکوں کے حوالے کر دی، اس طرح پوری ملت کا سرمایہ سمٹ کر بینکوں میں آ گیا۔

اور یہ ظاہر ہے کہ بینک کسی غریب کو تو پیسہ دینے سے رہے، غریب کا تو وہاں گزر بھی مشکل ہے، وہ تو بڑے سرمایہ اور بڑی ساکھ والوں کو قرض دے کر ان سے سود لیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ پوری ملت کا سرمایہ چند بڑے پیٹ والوں کا لقمہ بن گیا، جو آدمی دس ہزار کا مالک ہے وہ دس لاکھ کا کاروبار کرنے لگا، اس سے جو عظیم الشان نفع حاصل کیا، اس میں سے چند ٹکے بینکوں کو دے کر باقی سب اپنا مال ہو گیا، بینک والوں نے ان ٹکوں میں سے کچھ حصہ ساری ملت کے پیسے والوں کو بانٹ دیا۔

یہ جادو کا کھیل ہے کہ سرمایہ دار خوش کہ اپنا سرمایہ صرف دس ہزار تھا، نفع کمایا دس لاکھ کا، اور فریب خوردہ غریب اس پر مگن کہ چلو کچھ تو ملا، گھر میں پڑا رہتا تو یہ بھی نہ ملتا۔

لیکن اگر سود کے اس ملعون چکر پر کوئی سمجھ دار آدمی نظر ڈالے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے یہ بینک ''بلڈ بینک'' بنے ہوئے ہیں، جن میں ساری ملت کا خون جمع ہوتا ہے اور وہ چند سرمایہ داروں کی رگوں میں بھرا جاتا ہے، پوری ملت غربت و افلاس کا شکار ہو جاتی ہے اور چند مخصوص سرمایہ دار پوری ملت کے خزائن پر قابض ہوتے جاتے ہیں۔ جب ایک تاجر دس ہزار کا مالک ہوتے ہوئے دس لاکھ کا بیوپار کرتا ہے تو غور کیجئے کہ اگر اس کو نفع پہنچا تو بجز سود کے چند ٹکوں کے وہ سارا نفع اس کو ملا، اور اگر یہ ڈوب گیا اور تجارت میں گھاٹا ہو گیا تو اس کے تو صرف دس ہزار گئے، باقی نو لکھ نوے ہزار تو پوری قوم کے گئے، جس کی کوئی تلافی نہیں۔

اور مزید چالاکی یہ دیکھئے کہ ان ڈوبنے والے سرمایہ داروں نے تو اپنے لئے ڈوبنے کے بعد بھی خسارہ سے نکل جانے کے چور دروازے بنا رکھے ہیں کیونکہ تجارت کا خسارہ اگر کسی حادثہ کے سبب ہوا مثلاً مال میں یا جہاز میں آگ لگ گئی تو یہ تو اپنا نقصان انشورنس سے وصول کر لیتے ہیں، مگر کوئی دیکھے کہ انشورنس میں مال کہاں سے آیا؟ وہ بیشتر انہیں غریب عوام کا ہوتا ہے، نہ جن کا کوئی جہاز ڈوبتا ہے نہ دُکان میں آگ لگتی ہے، نہ موٹر کا ایکسیڈنٹ ہوتا ہے، کیونکہ یہ چیزیں ان غریبوں کے پاس ہیں ہی نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حوادث کا فائدہ تو یہ غریب اُٹھاتے نہیں، اُن کے پلے تو یہاں بھی دو فیصدی پیسے سود ہی کے پڑتے ہیں، حوادث کا عظیم الشان فائدہ بھی سارا انہیں قوم کے ٹھیکے داروں کی

جیب کی زینت بنتا ہے۔ اور دُوسری صورت تجارتی خسارے کی بازار کے بھاؤ گرنے سے ہوسکتی ہے، اس کا علاج ان لوگوں نے سٹے کے ذریعہ تلاش کرلیا ہے، جب بازار گرتا دیکھیں تو اپنی بلا دُوسرے پر پھینک دیں۔

اس کے علاوہ عوام کو ایک نقصان یہ پہنچا کہ چھوٹے سرمایہ والا کسی تجارت میں زندہ نہیں رہ سکتا، کیونکہ بڑے تاجر کمپٹیشن کے ذریعہ اس کا ایک دن میں دیوالیہ نکال دیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تجارت کا کاروبار جو پوری قوم کے لئے نافع ومفید اور ذریعۂ ترقی تھا، وہ چند مخصوص لوگوں میں محدود ہوکر رہ گیا۔

اور اس سودی معاملے کا ایک بڑا ضرر عوام کو یہ ہے کہ جب تجارت کے اَڈّوں پر مخصوص سرمایہ دار قابض ہوگئے تو اشیاء کے نرخ بھی ان کے رحم وکرم پر رہ جاتے ہیں، جس کا نتیجہ وہ ہے جو ہر جگہ سامنے آرہا ہے کہ سامانِ معیشت روز بروز گراں سے گراں ہوتا جاتا ہے، ہر جگہ کی حکومتیں ارزانی کی فکر میں لگی رہتی ہیں مگر قابو نہیں پاسکتیں۔ اب سوچئے کہ ان فریب خوردہ عوام کو جو چند ٹکے سود کے نام سے ملے تھے اور نتیجے میں سامانِ معیشت دُگنی تگنی قیمتوں تک پہنچا تو اُن غریبوں کی جیب سے وہ سود کے ٹکے کچھ اور سود لے کر نکل گئے اور پھر لوٹ پھر کر انہیں سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ گئے۔

قرآنِ کریم نے دولفظوں میں اس فریب کو کھول دیا ہے: "وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" یعنی اللہ تعالیٰ نے بیوپار کو حلال قرار دیا ہے اور ربا کو حرام۔

اس میں رِبا کی حرمت کے بیان سے پہلے بیوپار کی حلت کا ذکر فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اپنا مال اور محنت، تجارت میں لگا کر نفع حاصل کرنا کوئی جرم نہیں، جرم یہ ہے کہ دُوسرے شریکوں پر ظلم کیا جائے، ان کا حق ان کو نہ دیا جائے۔ جب روپیہ دُوسرے کا ہے اور محنت آپ کی ہے، اور تجارت کے یہی دو بازو ہیں جن کے ذریعے وہ چلتی اور بڑھتی ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں کہ مال والے کو گنتی کے چند ٹکے دے کر ٹرخا دیا جائے اور تجارت کے سارے نفع پر آپ قبضہ کرلیں۔ غور سے دیکھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بیوپار اور رِبا میں فرق صرف منافع کا ہے، اس کی منصفانہ تقسیم "بیوپار" کہلاتی ہے اور ظالمانہ تقسیم کا نام "رِبا" ہے۔ کل تجارت کے نفع کو مال اور محنت کے دو حصوں میں انصاف کے ساتھ اس طرح بانٹ دو کہ آدھا یا تہائی، چوتھائی مال والے کا ہے اور باقی محنت کرنے والے کا، یا اس کے برعکس یہ تجارت ہے، بیوپار ہے، اور اسلام میں یہ صورت نہ صرف جائز ہے بلکہ کسبِ معاش کی صورتوں میں سب سے زیادہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ ہاں! اگر آپ اس تجارت کے دُوسرے شریک یعنی مال والے پر ظلم کرنے لگیں کہ اس کی کچھ رقم معین کردیں اور باقی سب کچھ آپ کا تو یہ کھلی ناانصافی

ہے، یہ تجارت یا بیوپار نہیں بلکہ اُدھار کا معاوضہ ہے، اسی کا نام قرآن میں ''ربا'' ہے۔

اگر کہا جائے کہ مذکورہ صورت میں جبکہ مال والے کو کوئی رقم معین کر کے دے دی جاتی ہے اس میں اس کا ایک فائدہ بھی تو ہے کہ تجارت کے نفع نقصان سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا، تاجر کو خواہ تجارت میں سراسر خسارہ ہی ہو جائے اس کو اس کی رقم کا معینہ نفع مل جاتا ہے، اور اگر حصے کی شرکت رہے تو نقصان کا بھی خطرہ ہے۔ جواب صاف ہے کہ اس صورت میں دُوسری جانب یعنی محنت کرنے والے پر ظلم ہو جاتا ہے کہ اس کو اپنی تجارت میں خسارہ ہو گیا، گھر کا رأس المال بھی گیا اور دُوسرے حصے دار کو نہ صرف اصل رأس المال ملا بلکہ اس کا نفع دینا بھی اس مصیبت زدہ کی گردن پر رہا۔

قرآن تو دونوں ہی کے حق میں انصاف کرنا چاہتا ہے، نفع ہو تو دونوں کا ہو، نہ ہو تو کسی کا نہ ہو، البتہ جب نفع ہو تو اس کی تقسیم انصاف کے ساتھ حسبِ حصہ کی جائے۔ اس کے علاوہ دیوالیہ کا مروّجہ قانون ایسا ہے کہ اس کے ذریعے بالآخر سوداگر کا سارا خسارہ بھی عام ملت ہی کو بھگتنا پڑتا ہے۔ سود کے سارے کاروبار اور اس کی حقیقت پر ذرا بھی غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سودی کاروبار کا لازمی نتیجہ عام ملت کی غربت و افلاس اور چند سرمایہ داروں کے سرمایہ میں ناقابلِ قیاس اضافہ ہے اور یہی معاشی بے اعتدالی پورے ملک کی تباہی کا سبب بنتی ہے، اسی لئے اسلام نے اس پر قدغن لگایا ہے۔

پہلے حصے کا جزوِ اوّل یعنی ربا کی تعریف اور پوری حقیقت قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ کے سامنے آچکی ہے، اب اس کے متعلق قرآن و سنت کے اَحکام و تنبیہات بیان کرنا ہیں، پہلے قرآن مجید کی آٹھ آیتیں جو اس مسئلے کے متعلق آئی ہیں، مع تفسیر و تشریح لکھی جاتی ہیں۔

واللہ الموفق والمعین

آیاتِ قرآن متعلقہ اَحکامِ رِبا

پہلی آیت

اَلَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (۱)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں، کھڑے ہوں گے قیامت میں قبروں سے جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا آدمی جس کو شیطان خبطی بنا دے لپٹ کر (یعنی حیران و مدہوش)، یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان لوگوں نے کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے، پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت پہنچی اور وہ باز آ گیا تو جو کچھ پہلے لینا ہو چکا ہے وہ اسی کا رہا اور باطنی معاملہ اس کا خدا کے حوالے رہا، اور جو شخص پھر عود کرے تو یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اس آیت کے پہلے جملے میں سود خوروں کا انجامِ بد اور قیامت کے دن ان کا اس طرح کھڑا ہونا جیسے آسیب زدہ خبطی کھڑا ہوتا ہے، بیان فرمایا گیا ہے جس میں اس کا اعلان ہے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اپنی مجنونانہ حرکتوں سے پہچانے جائیں گے کہ یہ سود خور ہیں اور اس طرح پورے عالمی مجمع میں اس کی رُسوائی ہوگی، اور قرآنِ کریم نے ان کے لئے ''مجنون'' کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ''آسیب زدہ خبطی'' کا لفظ استعمال فرما کر شاید اس طرف اشارہ کر دیا کہ ''مجنون'' تو بعض اوقات ایسا بے حس ہو جاتا ہے کہ اس کو تکلیف و رواحت کا احساس ہی نہیں رہتا، یہ لوگ ایسے مجنون نہیں ہوں گے بلکہ عذاب و تکلیف کا احساس باقی رہے گا، نیز یہ کہ مجنون تو بعض اوقات چپ چاپ ایک جگہ پڑ جاتا

(۱) سورۂ بقرہ: ۲۷۵۔

ہے، یہ لوگ ایسے نہیں ہوں گے بلکہ ان کی لغو حرکات سب کے سامنے ان کو رُسوا کریں گی۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ہر عمل کی جزاء یا سزا اس کے مناسب ہوا کرتی ہے، عقل و حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے اور حق تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا دستور بھی تمام سزاؤں میں یہی ہے۔ یہاں سود خوری کی ایک سزا جواُن کو خبطی مجنون کی صورت میں کھڑا کر کے دی گئی، اس میں کیا مناسبت ہے؟

علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ سود کی ایک خاصیت ہے کہ عادۃً سود خور مال کی محبت میں ایسا بدمست اور مدہوش ہو جاتا ہے کہ اس کو مال کے جمع کرنے اور بڑھاتے رہنے میں اپنے تن بدن اور راحت و آرام کی بھی فکر نہیں رہتی، اہل و عیال، دوست احباب کا تو ذکر کیا، عوام کی مصیبت اور افلاس اس کے لئے فراخیٔ عیش کا ذریعہ بنتا ہے، جس چیز سے پوری قوم روتی ہے یہ اس سے خوش ہوتا ہے، یہ ایک قسم کی بے ہوشی ہے جس کو اس نے دُنیا میں اپنے لئے اختیار کر رکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے حشر میں اس کو اس کی اصلی صورت میں ظاہر کر کے کھڑا کر دیا۔

قرآنِ کریم کے الفاظ میں ''سود کھانے'' کا ذکر ہے اور اس سے مراد مطلقاً سود سے نفع اُٹھانا ہے، خواہ کھانے کی صورت میں ہو یا پینے اور استعمال کی صورت میں، کیونکہ عرفؔ و محاورے میں اس کو کھانا ہی بولا جاتا ہے۔ ایک اور بھی وجہ اس لفظ کو اختیار کرنے کی ہے کہ کھانے کے علاوہ جتنے اور استعمال ہیں ان میں یہ احتمال رہتا ہے کہ استعمال کرنے والا متنبہ ہو کر اپنی غلطی سے باز آجائے، اور جس چیز کو پہن کر یا برت کر ناجائز طور پر استعمال کر رہا تھا اس کو صاحبِ حق کی طرف واپس کر دے، لیکن کھانے پینے کا تصرف ایسا ہے کہ اس کے بعد اپنی غلطی پر متنبہ ہو کر بھی واپسی اور حرام سے سبکدوشی کا کوئی احتمال نہیں رہتا۔

آیتِ مذکورہ کے دُوسرے جملے میں سود خوروں کی مذکورہ سزا کا سبب یہ بتلایا گیا ہے کہ ان ناعاقبت اندیش لوگوں نے ایک تو یہ جرم کیا کہ سود جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا تھا اس میں مبتلا ہو گئے، پھر اس جرم کو دُہرا جرم اس طرح بنالیا کہ اپنی غلطی کا اعتراف کرنے کے بجائے اپنے فعلِ بد کو جائز اور سود کو حلال قرار دینے کے لئے لغو قسم کے حیلے تراشے، مثلاً یہ کہ ''بیوپار اور سود میں کیا فرق ہے؟ جیسے تجارت اور بیوپار میں ایک چیز دُوسری چیز کے معاوضے میں نفع لے کر دی جاتی ہے اسی طرح ربا میں اپنا روپیہ قرض دے کر اس کا نفع لیا جاتا ہے''، اگر کچھ بھی عقل و انصاف سے کام لیتے تو ان دونوں معاملوں میں زمین آسمان کا بون بعید نظر آجاتا، کیونکہ تجارت (بیع و شراء) میں دونوں طرف مال ہوتا ہے، ایک مال کے بدلے میں دُوسرا مال لیا جاتا ہے، اور قرض و اُدھار پر جو زیادتی بطور سود و ربا کے لی جاتی ہے، اس کے مقابلے میں مال نہیں بلکہ ایک ''میعاد'' ہے کہ اتنی میعاد تک اپنے پاس رکھو گے تو اتنا

روپیہ زائد دینا پڑے گا اور ''میعاد'' کوئی مال نہیں جس کا معاوضہ اس زیادتی کو قرار دیا جائے۔ بہر حال ان لوگوں نے اپنے ایک جرم کو اس طرح کے بہانے نکال کر دو جرم بنالیے۔ ایک قانونِ حق کی خلاف ورزی، دُوسرے اس قانون ہی کو غلط بتلانا۔ اس جگہ تقاضائے مقام یہ تھا کہ یہ لوگ یوں کہتے: "اِنَّمَا الرِّبٰوا مِثْلُ الْبَیْعِ" یعنی سود مثل بیع وشراء کے ہے، مگر ان لوگوں نے ترتیب کو برعکس کر کے "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کہا، جس میں ایک قسم کا استہزاء ہے کہ اگر سود کو حرام کہا جائے تو بیع کو بھی حرام کہنا پڑے گا۔

ابوحیان توحیدی کی تفسیر بحرِمحیط میں ہے کہ ایسا کہنے والے بنوثقیف تھے جو طائف کے مشہور سرمایہ دار تاجر تھے اور ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔

بیع اور رِبا میں بنیادی فرق

آیتِ مذکورہ کے تیسرے جملے میں اہلِ جاہلیت کے اس قول کی تردید کی گئی ہے کہ بیع اور رِبا دونوں یکساں چیزیں ہیں، ان کا مطلب یہ تھا کہ رِبا بھی ایک قسم کی تجارت ہے، جیسا کہ آج کل کی جاہلیتِ اُخریٰ والے بھی عموماً یہی کہتے ہیں کہ ''جیسے مکان، دُکان اور سامان کو کرایہ پر دے کر اس کا نفع لیا جاسکتا ہے تو سونے چاندی کو کرایہ پر دے کر اس کا نفع لینا کیوں جائز نہ ہو؟ یہ بھی ایک قسم کا کرایہ یا تجارت ہے'' اور یہ ایسا ہی ''پاکیزہ'' قیاس ہے جیسے کوئی زنا کو یہ کہہ کر جائز قرار دے کہ یہ بھی ایک قسم کی مزدوری ہے، آدمی اپنے ہاتھ پاؤں وغیرہ کی محنت کر کے مزدوری لیتا ہے اور وہ جائز ہے، تو ایک عورت اپنے جسم کی مزدوری لے لے تو یہ کیوں جرم ہے؟ اس بیہودہ قیاس کا جواب علم وحکمت سے دینا علم و حکمت کی توہین ہے، اس لئے قرآنِ کریم نے اس کا جواب حاکمانہ انداز میں بیان فرمایا کہ ان دونوں چیزوں کو ایک سمجھنا غلط ہے، اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور رِبا کو حرام قرار دیا ہے۔

فرق کی وجوہ قرآن نے بیان نہیں فرمائیں، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ بیع وتجارت کے اصل مقصد میں غور کرو تو روزِ روشن کی طرح بیع و رِبا کا فرق واضح ہو جائے گا۔ دیکھئے! انسان کی ضروریات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ دُنیا کا کوئی انسان کتنا ہی بڑا ہو اپنی تمام ضروریات خود پیدا یا جمع نہیں کرسکتا، اس لئے قدرت نے تبادلے کا قانون جاری فرمایا اور اسی کو انسانی فطرت کا جزو بنادیا۔ مال اور محنت کے باہمی تبادلے پر ساری دُنیا کا نظام قائم فرمادیا مگر اس تبادلے میں ظلم و جور اور بے انصافی بھی ہوسکتی تھی اور ایسے تبادلے بھی ہوسکتے تھے جو انسانی اخلاق وشرافت اور پورے انسانی معاشرے کے لئے تباہی کا باعث ہوسکتے ہیں، جیسے عورت کا اپنے جسم کی مزدوری کے نام پر زنا کا مرتکب ہونا،

اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے لئے شرعی اَحکام نازل فرما کر ہر ایسے معاملے کو ممنوع قرار دے دیا جو کسی ایک فریق کے لئے مضر ہو یا جس کا ضرر پورے انسانی معاشرے پر پہنچتا ہو۔ کتبِ فقہ میں بیع فاسد اور اجارۂ فاسدہ، شرکتِ فاسدہ کے ابواب میں سینکڑوں جزئیات جن کو ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ اسی اُصول پر مبنی ہیں کہ کسی صورت میں بائع و مشتری میں سے کسی ایک شخص کا ناجائز نفع اور دُوسرے کا نقصان ہے، اور کسی میں پوری ملت اور عوام کی مضرّت ہے، شخصی نفع نقصان کو تو کچھ نہ کچھ ہر انسان دیکھتا اور سوچتا بھی ہے، مگر ضررِ عامّہ کی طرف کسی کی نظر نہیں جاتی، رَبّ العالمین کا قانون سب سے پہلے عالم انسانیت کے نفع نقصان کو دیکھتا ہے اس کے بعد شخصی نفع وضرر کو۔ اس اُصول کو سمجھ لینے کے بعد بیع و رِبا کے فرق پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ صورت کے اعتبار سے تو بات وہی ہے جو جاہلیت والوں نے کہی کہ رِبا بھی ایک قسم کی تجارت ہے مگر عواقب و نتائج پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ بیع و تجارت میں بائع و مشتری دونوں کا نفع اعتدال کے ساتھ پایا جاتا ہے، اس کا مدار باہمی تعاون و تناصر پر ہے جو انسانی اخلاق و کردار کو بلند کرتا ہے بخلاف رِبا کے، اس کا مدار ہی غرض پرستی اور اپنے مفاد پر دُوسرے کے مفاد کو قربان کرنے پر ہے۔ آپ نے کسی سے ایک لاکھ روپے قرض لے کر تجارت کی، اگر اس میں عرف کے مطابق نفع ہوا تو سال بھر میں آپ کو تقریباً پچاس ہزار نفع کے ملے، آپ اس عظیم نفع میں سے مال والے کو دو تین فیصد شرحِ سود کے حساب سے چند سیکڑے دے کر ٹال دیں گے باقی اتنا عظیم نفع خالص آپ کا ہوگا، اس صورت میں مال والا خسارے میں رہا، اور اگر تجارت میں خسارہ آیا اور فرض کیجئے کہ رأس المال بھی جاتا رہا تو آپ پر ایک لاکھ قرض کی ادائیگی ہی کچھ کم مصیبت نہیں ہے، اب مال والا آپ کی مصیبت کو دیکھے بغیر آپ سے ایک لاکھ سے زائد سود بھی وصول کرے گا، اس میں آپ خسارے میں رہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دونوں جانب سے صرف اپنے شخصی نفع کے سامنے دُوسرے کے نقصان کی کوئی پروا نہ کرنے کا نام رِبا اور سودی کاروبار ہے جو اُصولِ تعاون اور تجارت کے خلاف ہے۔ حاصل یہ ہے کہ نفع کی منصفانہ تقسیم کا نام ''بیع و تجارت'' باہمی ہمدردی، تعاون، تناصر پر مبنی ہے، اور رِبا خود غرضی، بے رحمی، ہوس پرستی پر، پھر دونوں کو برابر کیسے کہا جاسکتا ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ رِبا کے ذریعہ ضرورت مند کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے اس لئے یہ بھی ایک قسم کی امداد ہے، سو ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی امداد ہے جس میں اُس ضرورت مند کی تباہی مضمر ہے، اسلام تو کسی کی ضرورت مفت پوری کرنے کے بعد احسان جتلانے کو بھی اِبطالِ صدقہ قرار دیتا ہے: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى'' وہ اس کو کیسے برداشت کرے کہ کسی کی مصیبت سے فائدہ اُٹھا کر اس کی وقتی امداد کے معاوضے میں اس کو دائمی مصیبت میں گرفتار کر دیا جائے؟

۲: اس کے علاوہ تجارت میں ایک شخص اپنا مال خرچ کر کے محنت اور ذہانت سے کام ۔لے کر دوسروں کے لئے ضرورت کی اشیاء مہیا کرتا ہے، خریدار اس کے بدلے میں اصل مال کی قیمت پر کچھ نفع دے کر اپنی ضرورت کی چیزوں کا مالک بن جاتا ہے اور اس لین دین کے بعد کوئی مطالبہ کسی کا نہیں رہتا۔

بخلاف ربا کے کہ اوّل تو اس کی زیادتی کسی مال کے معاوضے میں نہیں بلکہ قرض دے کر مہلت دینے کا معاوضہ ہے جو اسلامی اُصول پر انتہائی گراوٹ ہے، کیونکہ یہ مہلت بلامعاوضہ ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ ربا کی زیادتی ایک مرتبہ ادا کرنے کے بعد بھی مدیون فارغ نہیں ہو جاتا بلکہ ہر سال یا ہر ماہ نئی زیادتی اس کو دینا پڑتی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات یہ سلسلہ زیادتی کا اصل قرض سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

۳: بیع وتجارت دولت کی آزادانہ گردش کا ذریعہ ہے جس سے پوری ملت کو فائدہ پہنچتا ہے، بخلاف ربا کے کہ وہ گردش کو صرف چند سرمایہ داروں کے حلقے میں محدود کر دیتا ہے جس سے پوری ملت فقر وافلاس کا شکار ہوتی ہے۔ تفسیرِ قرطبی میں "إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کی تشریح میں فرمایا ہے:

وَذٰلِكَ أَنَّ الْعَرَبَ كَانَتْ لَا تَعْرِفُ رِبًا إِلَّا ذٰلِكَ (الٰى قَوْلِهٖ) فَحَرَّمَ سُبْحَانَهٗ ذٰلِكَ وَرَدَّ عَلَيْهِمْ بِقَوْلِهٖ: وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا.

یعنی عرب کے لوگ صرف اسی کو ربا سمجھتے تھے کہ قرض کی مہلت کے معاوضے میں کوئی رقم لی جائے اور اس کو مثلِ بیع کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام قرار دیا ہے اور ان کے خیال کی تردید اس طرح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام قرار دیا ہے۔

اسی تفسیر میں اس کے بعد فرمایا:

وَهٰذَا الرِّبَا هُوَ الَّذِيْ نَسَخَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ يَوْمَ عَرَفَةَ: اَلَا! إِنَّ كُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ.

یعنی یہی وہ ربا ہے جس کو آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبے میں یہ فرما کر منسوخ کیا کہ: ہر ربا متروک ہے۔

آیتِ متذکرہ کا چوتھا جملہ: "فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ط وَأَمْرُهٗٓ إِلَى اللّٰهِ" اس میں ایک اِشکال کا جواب ہے جو حرمتِ ربا نازل ہونے کے بعد لازمی طور پر مسلمانوں کو پیش آتا، وہ یہ کہ سود و ربا حرام قرار دے دیا گیا تو جن لوگوں نے حرمتِ ربا نازل ہونے سے پہلے یہ

کاروبار کر کے کھایا پیا، مکان جائیداد بنائی یا نقد روپیہ جمع کیا، وہ سب کا سب بھی اب حرام ہو گیا تو پچھلے زمانے میں سود سے حاصل کیا ہوا مال یا جائیداد کسی کے قبضے میں ہے، اب اس کو بھی واپس کرنا چاہئے۔ قرآنِ کریم کے اس فیصلے نے بتلا دیا کہ آیاتِ حرمت نازل ہونے سے پہلے جو اموال سود و رِبا کے ذریعے حاصل کر لیے گئے ہیں ان پر اس حرمت کا اطلاق نہیں ہوگا بلکہ وہ سب جائز طور پر اپنے اپنے مالکوں کی ملکیت میں رہیں گے، مگر شرط یہ ہے کہ آئندہ کے لئے وہ دِل سے توبہ کر چکا ہو، اور چونکہ دِلوں کا بھید اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے یہ معاملہ اسی کے سپرد رہے گا کہ توبہ اِخلاص اور سچی نیت کے ساتھ کر لی ہے یا نہیں، کسی انسان کو ایک دُوسرے پر یہ الزام لگانے کا حق نہیں ہوگا کہ فلاں آدمی نے دِل سے توبہ نہیں کی، محض ظاہری طور پر سود چھوڑ دیا ہے۔

آیت کے پانچویں جملے میں ارشاد ہے: "وَمَنْ عَادَ فَأُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ" یعنی جو لوگ اس حکم قرآنی کے نازل ہونے کے بعد بھی پھر سود کا لین دین کریں اور اپنی طبع زاد لغو تأویلوں کے ذریعے سود کو حلال کہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے کیونکہ حرامِ قطعی کو حلال قرار دینا کفر ہے اور کفر کی سزا دائمی جہنم ہے۔

دُوسری آیت

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيْمٍ (۱)

ترجمہ: مٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ سود کو اور بڑھا دیتا ہے صدقات کو، اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کسی کفر کرنے، گناہ کے کام کرنے والے کو۔

اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں اور صدقات کو بڑھاتے ہیں۔ یہاں ''سود'' کے ساتھ ''صدقات'' کا ذکر ایک خاص مناسبت سے لایا گیا ہے کہ سود اور صدقہ دونوں کی حقیقت میں بھی تضاد ہے اور ان کے نتائج بھی متضاد ہیں، اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض و نیت اور حالات و کیفیات بھی متضاد ہوتے ہیں۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقے میں تو بغیر کسی معاوضے کے اپنا مال دُوسرں کو دیا جاتا ہے، اور سود میں بغیر کسی مالی معاوضے کے دُوسرے کا مال لیا جاتا ہے۔ اور دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لئے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور ثوابِ آخرت کے لئے اپنے مال کو کم یا ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے، اور سود لینے والا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے

(۱) سورۂ بقرہ:۲۷۶۔

بے پروا ہو کر اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہش مند ہے۔ اور نتائج کا متضاد ہونا قرآنِ کریم کی اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال کو یا اس کی برکت کو مٹا دیتے ہیں، اور صدقہ کرنے والے کے مال کو یا اس کی برکت کو بڑھا دیتے ہیں، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مال کی ہوس کرنے والے کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا جو اپنے مال کی کمی پر راضی تھا اس کے مال میں برکت ہو کر اس کا مال یا اس کے ثمرات و فوائد بڑھ جاتے ہیں۔ اور کیفیات کا تضاد یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو دِین کے دُوسرے کاموں کی بھی توفیق ہوتی ہے اور سودخور ان سے عموماً محروم رہتا ہے۔

سود کے مٹانے اور صدقات کے بڑھانے کا مطلب

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ آیت میں سود کے مٹانے اور صدقات کو بڑھانے کا کیا مطلب ہے؟ ظاہری طور پر تو یہ بات مشاہدے کے خلاف ہے، ایک سودخور کے سو روپے میں جب سود کے پانچ روپے شامل ہوئے تو وہ ایک سو پانچ ہوگئے، اور صدقہ دینے والے نے جو سو روپے میں سے پانچ کا صدقہ کردیا تو اس کے پچانوے رہ گئے، کوئی حساب داں، اکاؤنٹینٹ پہلے کو کم اور دُوسرے کو زیادہ کہے تو لوگ اسے دیوانہ کہیں گے، لیکن قرآن کی یہ آیت سودخور کے ایک سو پانچ کو صدقہ دینے والے کے پچانوے سے کم قرار دیتی ہے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ارشاد ہے:

مَا نقصت صدقة من مال.[1]

ترجمہ: کوئی صدقہ کسی مال میں سے کچھ گھٹاتا نہیں۔

اس میں بھی یہی سوال ہے کہ یہ بات بظاہر مشاہدے کے خلاف ہے کیونکہ جو رقم صدقے میں دی جاتی ہے وہ اَز رُوئے حساب اصل میں سے کم ہوجاتی ہے، اس کا ایک سیدھا سادہ جواب تو یہ ہے کہ صدقے کا بڑھانا اور سود کا گھٹانا جس کا آیتِ مذکورہ میں ذکر ہے اس کا تعلق دُنیا سے نہیں بلکہ آخرت کا حکم ہے کہ آخرت میں جہاں حقائق کھل کر سامنے آدیں گے اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ سود کے ذریعہ بڑھائے ہوئے مال کی کوئی قیمت و حیثیت نہیں تھی بلکہ وہ اپنے کمانے والے کے لئے وبال و عذاب بنا ہے، اور صدقے میں دیا ہوا مال اگرچہ تھوڑا دیا گیا تھا، وہ بڑھ چڑھ کر اس کے حساب میں بہت زیادہ ہوگیا۔ عامۂ مفسرین نے آیتِ مذکورہ کی یہی توجیہ فرمائی ہے، لیکن ان میں سے اہلِ تحقیق

(۱) رواہ مسلم۔

حضرات کا ارشاد یہ ہے کہ یہ حکم دُنیا و آخرت دونوں میں ہے، اور دُنیا میں سود کا گھٹنا اور صدقے کا بڑھنا گو حساب وشمار کے اعتبار سے مشاہدے میں نہ آئے لیکن مال و دولت کے اصل مقصود کے اعتبار سے بالکل واضح اور مشاہدے و تجربے سے ثابت ہے، توضیح اس کی یہ ہے کہ سونا چاندی خود تو انسان کی کسی بھی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے، نہ ان سے انسان کی بھوک پیاس بجھتی ہے، نہ وہ اوڑھنے بچھانے اور پہننے برتنے کا کام دیتے ہیں، نہ دُھوپ اور بارش وغیرہ سے سر چھپانے کا کام ان سے لیا جاسکتا ہے، اس مال و دولت کا کام تو صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان اپنی ضروریات بازار سے خرید کر آرام حاصل کرسکتا ہے۔

اس میں یہ بات ناقابلِ تردید مشاہدوں اور تجربوں سے ثابت ہے کہ صدقات وزکوۃ میں خرچ کرنے والے کے مال میں اللہ تعالیٰ ایسی برکت عطا فرمادیتے ہیں کہ اس کے نوّے روپے میں اتنے کام نکل جاتے ہیں جو دُوسروں کے سو میں بھی نہ نکل سکیں، ایسے آدمی کے مال پر عادۃ اللہ کے مطابق آفتیں نہیں آتیں یا بہت کم آتی ہیں، اس کا پیسہ بیماریوں کے اخراجات، مقدمہ بازی، تھیٹر، سینما، ٹیلیویژن وغیرہ کی فضولیات میں نہیں ضائع ہوتا، فیشن پرستی کے اِسراف سے محفوظ ہوتا ہے، اور معنوی طور پر بھی اس کی ضروریات دُوسروں کی بہ نسبت کم قیمت سے مہیا ہوجاتی ہیں۔

اس لئے اس کے نوّے روپے نتیجہ اور مقصد کے اعتبار سے حرام آمدنی کے سو روپے سے زائد ہوگئے، صورتِ حساب کے اعتبار سے تو جب کسی نے سو روپے میں سے دس کا صدقہ کردیا تو اس کا عدد گھٹ کر نوّے رہ گیا، مگر حقیقت اور مقصد کے اعتبار سے اس کا ایک ذرّہ نہیں گھٹا۔ یہی مطلب ہے حدیثِ مذکور کا جس میں ارشاد ہے کہ صدقے سے مال گھٹتا نہیں بلکہ اس کے نوّے روپے، سو روپے سے بھی زیادہ کام دے جاتے ہیں۔ تو یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ اس کا مال بڑھ گیا کہ نوّے روپے نے اتنے کام پورے کردیئے جتنے ایک سو دس میں ہوتے ہیں۔ عام طور پر مفسرین نے فرمایا کہ یہ سود کا مٹانا اور صدقے کا بڑھانا آخرت کے متعلق ہے کہ سود خور کو اس کا مال آخرت میں کچھ کام نہ آئے گا بلکہ اس پر وبال بن جائے گا، اور صدقہ خیرات کرنے والوں کا مال آخرت میں ان کے لئے ابدی نعمتوں اور راحتوں کا ذریعہ بنے گا اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ جس میں شک وشبہ کی بالکل گنجائش نہیں۔ اور بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ سود کا مٹانا اور صدقے کا بڑھانا آخرت کے لئے تو ہے ہی، مگر اس کے کچھ آثار دُنیا میں بھی مشاہد ہوجاتے ہیں، سود جس مال میں شامل ہوجاتا ہے بعض اوقات تو وہ مال خود ہلاک و برباد ہوجاتا ہے اور پچھلے مال کو بھی ساتھ لے جاتا ہے، جیسا کہ رِبا اور سٹے کے بازاروں میں اس کا اکثر مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ بڑے بڑے کروڑپتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ اور فقیر بن جاتے

ہیں۔ بے سود کی تجارتوں میں بھی نفع ونقصان کے احتمالات ضرور ہیں اور بہت سے تاجروں کو نقصان بھی کسی تجارت میں ہو جاتا ہے لیکن ایسا نقصان کہ ایک تاجر جو کل کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسے کی بھیک کا محتاج ہے، یہ صرف سود اور سٹے کے بازاروں میں نظر آتا ہے، اور اہل تجربہ کے بے شمار بیانات اس بات میں مشہور ومعروف ہیں کہ سود کا مال فوری طور پر کتنا ہی بڑھ جائے لیکن وہ عموماً پائیدار اور دیر تک باقی نہیں رہتا جس کا فائدہ اولاد اور نسلوں میں چلے، اکثر کوئی نہ کوئی آفت پیش آ کر اس کو برباد کر دیتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ہم نے بزرگوں سے سنا ہے کہ سود خور پر چالیس سال گزرنے نہیں پاتے کہ اس کے مال پر محاق (گھاٹا) آ جاتا ہے۔

سود کے مال کی بے برکتی

اور اگر ظاہری طور پر مال برباد بھی نہ ہوا اس کے فوائد اور برکات وثمرات سے محرومی تو یقینی اور لازمی ہے کیونکہ یہ بات کچھ مخفی نہیں کہ سونا چاندی خود نہ تو مقصود ہے، نہ کارآمد، نہ اس سے کسی کی بھوک مٹ سکتی ہے نہ پیاس، نہ اس کو گرمی سردی سے بچنے کے لئے اوڑھا بچھایا جا سکتا ہے، نہ کپڑوں اور برتنوں کا کام دے سکتا ہے، پھر اس کو حاصل کرنے اور محفوظ رکھنے میں ہزاروں مشقتیں اُٹھانے کا منشاء ایک عقلمند انسان کے نزدیک اس کے سوا نہیں ہو سکتا کہ سونا چاندی ذریعہ ہیں ایسی چیزوں کے حاصل ہونے کا جن سے انسان کی زندگی خوشگوار بن سکے اور وہ راحت وعزت کی زندگی گزار سکے، اور انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ یہ راحت وعزت جس طرح اسے حاصل ہوئی اسی طرح اس کی اولاد اور متعلقین کو بھی حاصل ہو، یہی وہ چیزیں ہیں جو مال ودولت کے فوائد وثمرات کہلا سکتی ہیں، اس کے نتیجے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جس شخص کو یہ فوائد وثمرات حاصل ہوئے اس کا مال حقیقت کے اعتبار سے بڑھ گیا، اگرچہ دیکھنے میں کم نظر آئے، اور جس کو یہ فوائد وثمرات کم حاصل ہوئے، اس کا مال حقیقت کے اعتبار سے گھٹ گیا، اگرچہ دیکھنے میں زیادہ نظر آئے۔ اس بات کو سمجھ لینے کے بعد سود کے کاروبار اور صدقہ وخیرات کے اعمال کا جائزہ لیجئے تو یہ بات آنکھوں سے نظر آ جائے گی کہ سود خور کا مال اگرچہ بڑھتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہ بڑھنا ایسا ہے جیسے کسی انسان کا بدن ورم سے بڑھ جائے، ورم کی زیادتی بھی تو بدن ہی کی زیادتی ہے مگر کوئی سمجھ دار انسان اس زیادتی کو پسند نہیں کر سکتا، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ زیادتی موت کا پیغام ہے، اسی طرح سود خور کا مال کتنا ہی بڑھ جائے مگر مال کے فوائد وثمرات یعنی راحت وعزت سے ہمیشہ محروم رہتا ہے۔

سود خوروں کی ظاہری خوشحالی دھوکا ہے

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سود خوروں کو بڑی سے بڑی راحت حاصل ہے، وہ کوٹھیوں، بنگلوں کے مالک ہیں، عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہیں، کھانے پینے اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی سب ان کو حاصل ہیں، نوکر چاکر اور شان و شوکت کے تمام سامان موجود ہیں، لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامانِ راحت اور ''راحت'' میں بڑا فرق ہے، سامانِ راحت تو فیکٹریوں اور کارخانوں میں بنتا اور بازاروں میں بکتا ہے، وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہوسکتا ہے، لیکن جس کا نام ''راحت'' ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے، نہ کسی منڈی میں بکتی ہے، وہ ایک ایسی رحمت ہے جو براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے جو بعض اوقات بے سروسامان انسان بلکہ جانور کو بھی دے دی جاتی ہے، اور بعض اوقات ہزاروں اسباب و سامان کے باوجود حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایک نیند کی ''راحت'' کو دیکھ لیجئے! کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لئے مکان کو بہتر سے بہتر بنائیں، اس میں ہوا اور روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب اور دِل خوش کن ہو، چارپائی اور گدّے تکیے حسبِ منشا ہوں، لیکن کیا نیند آجانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں وہ انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضے سے نیند نہیں آتی، یہ سارے سامان دھرے رہ جاتے ہیں، خواب آور دوائیں بھی بعض اوقات جواب دے دیتی ہیں، نیند کے سامان تو آپ بازار سے خرید لائے لیکن نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لاسکتے، اسی طرح دُوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے، ان کے سامان تو روپے پیسے کے ذریعے حاصل ہوسکتے ہیں مگر راحت و لذت کا حاصل ہوجانا ضروری نہیں۔

یہ بات سمجھ لینے کے بعد سود خوروں کے حالات کا جائزہ لیجئے تو ان کے پاس آپ کو سب کچھ ملے گا مگر ''راحت'' کا نام نہ پائیں گے، وہ اپنے کروڑ کو ڈیڑھ کروڑ اور ڈیڑھ کروڑ کو دو کروڑ بنانے میں ایسے مست نظر آتے ہیں کہ اُن کو اپنے کھانے پینے کا ہوش ہے نہ اپنی بیوی بچوں کا، کئی کئی مِل چل رہی ہیں، دُوسرے ملکوں سے جہاز آرہے ہیں، ان کی اُدھیڑ بن ہی میں صبح سے شام اور شام سے صبح ہوجاتی ہے، افسوس ہے کہ ان دیوانوں نے سامانِ راحت کا نام ''راحت'' سمجھ لیا ہے اور درحقیقت ''راحت'' سے کوسوں دُور ہوگئے، اگر یہ مسکین ''راحت'' کی حقیقت پر غور کرتے تو یہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ مفلس محسوس کرتے، ہمارے محترم مجذوبؔ صاحب نے خوب فرمایا ہے ۔

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے
تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

یہ حال تو ان کی ''راحت'' کا ہے، اب ''عزت'' کو دیکھ لیجئے۔ یہ لوگ چونکہ سخت دِل، بے رحم ہو جاتے ہیں، ان کا پیشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ مفلسوں کی مفلسی سے یا کم مایہ لوگوں کی کم مائیگی سے فائدہ اُٹھائیں، ان کا خون چوس کر اپنے بدن کو پالیں، اس لئے ممکن نہیں کہ لوگوں کے دِلوں میں ان کی کوئی عزت و وقار ہو۔ اپنے ملک کے بنیوں اور یورپ و افریقہ، مصر و شام کے یہودیوں کی تاریخ پڑھ جایئے، ان کے حالات کو دیکھ لیجئے، ان کی تجوریاں کتنے ہی سونے چاندی اور جواہرات سے بھری ہوں لیکن دُنیا کے کسی گوشے میں انسانوں کے کسی طبقے میں ان کی کوئی عزت نہیں بلکہ ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کے دِلوں میں ان کی طرف سے بغض و نفرت پیدا ہوتی ہے، اور آج کل تو دُنیا کی ساری جنگیں اسی بغض و نفرت کے مظاہرے ہیں، محنت و سرمایہ کی جنگ نے ہی دُنیا میں اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظریئے پیدا کیے، کمیونزم کی تخریبی سرگرمیاں اسی بغض و نفرت کا نتیجہ ہیں، جن سے پوری دُنیا قتل و قتال و جنگ و جدال کا جہنم بن کر رہ گئی ہے۔ یہ حال تو ان کی راحت و عزت کا ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ سود کا مال سود خور کی آنے والی نسلوں کی زندگی بھی خوشگوار نہیں بننے دیتا، یا ضائع ہو جاتا ہے یا اس کی نحوست سے وہ بھی مال و دولت کے حقیقی ثمرات سے محروم و ذلیل رہتے ہیں۔

یورپین اقوام کی سود خوری سے دھوکا نہ کھائیں

لوگ شاید یورپ کے سود خوروں کی مثال سے فریب میں آئیں کہ وہ لوگ تو سب کے سب خوش حال ہیں اور ان کی نسلیں بھی پھولتی پھلتی ہیں، لیکن اوّل تو ان کی خوش حالی کی حقیقت اور اس میں جو سامانِ راحت کو ''راحت'' سمجھ بیٹھنے کا فریب ہے اس کا اجمالی خاکہ عرض کر چکا ہوں، دُوسرے اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی مردم خور دُوسرے انسانوں کا خون چوس کر اپنا بدن پالتا ہو اور ایسے کچھ انسانوں کی ایک جماعت ایک محلے میں آباد ہو جائے، آپ کسی کو اس محلے میں لے جا کر خون چوسنے کی برکات کا مشاہدہ کرائیں کہ یہ سب کے سب بڑے صحت مند اور سرسبز و شاداب ہیں لیکن ایک عقلمند آدمی جو پوری انسانیت کی فلاح کا خواہش مند ہے صرف اس محلے کو نہیں دیکھتا بلکہ اس کے مقابل ان بستیوں کو بھی دیکھتا ہے جن کا خون چوس کر ان کو اَدھ موا کر دیا گیا ہے، اس محلے اور ان بستیوں کے مجموعے پر نظر ڈالنے والا کبھی اس محلّہ والوں کے فربہ ہونے پر خوش نہیں ہو سکتا اور مجموعی حیثیت سے ان کے عمل کو

انسانی ترقی کا ذریعہ نہیں بتا سکتا، کیونکہ اس کے سامنے جہاں یہ مردم خور درندے فربہ نظر آ رہے ہیں ہیں دُوسری بستیوں میں ان کی ماری ہوئی زندہ لاشیں بھی نظر آ رہی ہیں، پوری انسانیت پر نظر رکھنے الا انسان اس کو انسان کی ہلاکت و بربادی ہی کہنے پر مجبور ہوگا۔

اس کے بالمقابل صدقہ خیرات کرنے والوں کو دیکھئے کہ اُن کو کبھی اس طرح مال کے پیچھے حیران و سرگرداں نہ پائیں گے، اُن کو راحت کے سامان اگرچہ کم حاصل ہوں مگر اصل راحت سامان والوں سے بھی زیادہ حاصل ہے، اطمینان اور سکونِ قلب جو اصلی راحت ہے ان کو بہ نسبت دُوسروں کے زیادہ حاصل ہوگا، اور دُنیا میں ہر انسان ان کو عزت کی نظر سے دیکھے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقے کو بڑھاتا ہے، یہ مضمون آخرت کے اعتبار سے تو بالکل صاف ہے ہی، دُنیا کے اعتبار سے بھی اگر حقیقت ذرا سمجھنے کی کوشش کی جائے تو بالکل کھلا ہوا ہے، یہی ہے مطلب اس حدیث کا جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے: "اِنَّ الرِّبٰوا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ" یعنی سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجامِ کار اس کا نتیجہ قلت ہے، یہ روایت مسندِ احمد اور ابن ماجہ میں مذکور ہے۔

آیت کے اخیر میں ارشاد ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ" یعنی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے کسی کفر کرنے والے کو، کسی گناہ کا کام کرنے والے کو۔ اس میں اشارہ فرمادیا کہ جو لوگ سود کو حرام ہی نہ سمجھیں وہ کفر میں مبتلا ہیں اور جو حرام سمجھنے کے باوجود عملاً اس میں مبتلا ہیں وہ گناہگار فاسق ہیں۔

تیسری اور چوتھی آیتیں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو۔ پھر اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو اعلانِ جنگ سن لو اللہ اور اس کے رسول کا، اور اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے اموال مل جائیں گے، نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی دُوسرا تم پر ظلم کرنے پائے گا۔

(۱) سورۂ بقرہ: ۲۷۸، ۲۷۹۔

ان دونوں آیتوں کا شانِ نزول "رفعِ شبہات" کے ذیل میں ابھی آپ دیکھ چکے ہیں کہ قبیلہ بنوثقیف جو سودی کاروبار میں سب سے زیادہ معروف تھے اور جنھوں نے بحالتِ کفر کہا تھا کہ: "اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" جب سنہ ۹ ھ میں یہ مسلمان ہو گئے اور ایک دُوسرا قبیلہ بنومغیرہ ان کا حریف وہ بھی مسلمان ہو چکا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد سودی کاروبار تو سبھی نے چھوڑ دیا تھا لیکن پچھلے معاملات میں بنوثقیف کے سود کی رقم بنومغیرہ کے ذمہ لازم تھی، انہوں نے اپنے بقایا سود کا مطالبہ بنومغیرہ سے کیا، انہوں نے انکار کیا تو معاملہ امیرِ مکہ کی معرفت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ (۱)

اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا شرکت میں کاروبار تھا، ان کی بھی پچھلے سود کے حساب میں بہت بڑی رقم بنوثقیف کے ذمے واجب الادا تھی۔ (۲)

اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کچھ سابقہ مطالبہ ایک دُوسرے تاجر کے ذمے تھا، سابقہ سود کے مطالبات آپس میں ہوئے، اس پر یہ دو آیتیں نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ سود کی حرمت نازل ہونے کے بعد سود کی بقایا رقم کا لین دین بھی جائز نہیں، صرف اتنا جائز ہے کہ حکمِ حرمت سے پہلے جو سود لیا دیا جا چکا ہے اور اس سے حاصل شدہ جائیداد، سامان یا نقد جن لوگوں کے پاس تھا وہ حسبِ تصریح آیتِ سابقہ ان کے لئے جائز رکھا گیا ہے اور جو ابھی تک وصول نہیں ہوا، اس کا وصول کرنا جائز نہیں۔

سب حضرات نے یہ حکمِ قرآنی سن کر اس کے مطابق اپنے مطالبات چھوڑ دیئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاملۂ سود کی اہمیت اور اس میں پیش آنے والے نزاعات کے پیشِ نظر اس مسئلے کا اعلان حجۃ الوداع کے اس خطبے میں فرمایا جو اسلام میں ایک دستور اور منشور کی حیثیت رکھتا ہے جو تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آخری مجمع کے سامنے کہا گیا، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے دِلوں کے شبہات مٹانے اور سابقہ قتل و خون کے مطالبات چھوڑ دینے اور سود کی سابقہ رقوم سے دست برداری کو آسان کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

> خوب سمجھ لو کہ جاہلیت کی ساری رسمیں میرے قدموں کے نیچے مسل دی گئی ہیں، اور زمانۂ جاہلیت کے باہمی قتل و خون کے انتقام آئندہ کے لئے ختم کر دیئے گئے (کہ مجھ سے پہلے زمانے کے کسی قتل کا کوئی آئندہ کسی سے انتقام نہ لے) اور سب سے پہلا انتقام اپنے رشتہ دار خاص ربیعہ بن حارث کا چھوڑتے ہیں جو قبیلہ بنی سعد میں رضاعت کے لئے دیئے ہوئے تھے، ہذیل

(۱) درمنثور، عن ابن عباسؓ۔ (۲) درمنثور ابن جریر۔

نے اُن کو قتل کر دیا تھا، اسی طرح زمانۂ جاہلیت کا سود چھوڑ دیا گیا اور سب سے پہلا سود جو چھوڑا گیا وہ (ہمارے چچا) حضرت عباس کا ہے کہ وہ (بڑی رقم ہونے کے باوجود) سب کا سب معاف کر دیا گیا۔

ان دونوں آیتوں میں پہلی آیت کو "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ" سے شروع کیا گیا ہے جس میں خوفِ خدا کا حوالہ دے کر آنے والے حکم یعنی سود کو آسان کرنے کی تدبیر کی گئی ہے کیونکہ خوفِ خدا و آخرت ہی ایسی چیز ہے جس سے انسان کے لئے ہر مشکل چیز آسان اور سب تلخیاں شیریں ہو جاتی ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: "وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا" یعنی چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود۔ اس کے آخر میں تاکیدِ شدید کے لئے ارشاد فرمایا: "اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" یعنی اگر تم مسلمان ہو، جس میں اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ سود کی پچھلی رقم وصول کرنا بھی مسلمان کا کام نہیں۔

اس کے بعد دُوسری آیت میں اس حکم کی مخالفت کرنے والوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ یہ وعیدِ شدید ایسی ہے کہ کفر کے سوا کسی بڑے سے بڑے جرم و گناہ پر ایسی وعید کہیں قرآن و حدیث میں نہیں، جس سے سود خوری کے گناہ کا انتہائی شدید اور سخت ہونا ثابت ہوا۔

اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا: "وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ" یعنی اگر تم سود سے توبہ کرلو اور آئندہ کے لئے سود کی بقایا رقم چھوڑنے کا بھی عزم کرلو تو تمہیں تمہارے رأس المال مل جائیں گے، نہ تم اصل رأس المال سے زائد حاصل کر کے کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے اور نہ کوئی اصل رأس المال میں کمی یا دیر کر کے تم پر ظلم کرنے پائے گا۔

اس میں رأس المال سے زائد رقم یعنی سود لینے کو ظلم فرما کر حرمتِ سود کی علت کی طرف اشارہ فرما دیا کہ قرض دے کر اس پر نفع لینا ظلم ہے، اگر شخصی سود ہے تو خاص ایک غریب پر ظلم ہوا، اور تجارتی سود ہے تو پوری خلقِ خدا اور پوری ملت پر ظلم ہے، جیسا کہ دُوسری آیت کی تفسیر میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

یہاں ایک بات یہ غور طلب ہے کہ اس آیت میں رأس المال ملنے کے لئے بھی یہ شرط لگائی گئی ہے کہ سود سے توبہ کرلو، جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اگر سود سے توبہ نہ کی تو اصل رأس المال بھی ضبط ہو جائے گا۔

اس کی تشریح علمائے تفسیر اور فقہاء رحمہم اللہ نے یہ کی ہے کہ سود سے توبہ نہ کرنے کی بہت سی صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں اصل رأس المال بھی ضبط ہو سکتا ہے، مثلاً سود کو حرام ہی نہ سمجھے تو یہ قرآن

کے قطعی حکم کی خلاف ورزی، قانون شکنی کے انداز میں مخالف جتھ بنا کر کی جائے تو ایسا کرنے والے باغی ہیں اور باغیوں کا مال بھی ضبط کر کے بیت المال میں امانت رکھ دیا جاتا ہے کہ جب وہ توبہ کرلیں اور بغاوت چھوڑ دیں اس وقت ان کو دیا جائے۔

غالبًا اسی قسم کی صورتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے "وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ" فرمایا گیا ہے، یعنی اگر تم توبہ نہ کروگے تو اصل راُس المال بھی ضبط ہوسکتا ہے۔

پانچویں آیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۱)

یعنی اے ایمان والو! سود مت کھاؤ کئی حصے زائد اور اللہ سے ڈرو، اُمید ہے کہ تم کامیاب ہو۔

اس آیت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے کہ جاہلیتِ عرب میں سود خوری کا عام طور پر یہ طریقہ تھا کہ ایک خاص میعادِ معین کے لئے اُدھار پر سود دیا جاتا تھا اور جب وہ میعاد آگئی اور قرض دار اس کی ادائیگی پر قادر نہ ہوا تو اس کو مزید مہلت اس شرط پر دی جاتی تھی کہ سود کی مقدار بڑھادی جائے، اس طرح دُوسری میعاد پر بھی ادائیگی نہ ہوئی تو سود کی مقدار اور بڑھادی، یہ واقعہ عام کتبِ تفسیر میں بالخصوص لبابُ النقول میں بروایت مجاہدؒ مذکور ہے۔

جاہلیتِ عرب کی اس ملت کش رسم کو مٹانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی، اس لئے اس میں "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" یعنی کئی حصے زائد فرما کر اُن کے مروجہ طریقے کی مذمت اور ملت کشی و خودغرضی پر متنبہ فرما کر اس کو ممنوع قرار دیا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اضعاف و مضاعف نہ ہو تو حرام نہیں کیونکہ سورۂ بقرہ اور نساء میں مطلقاً ربا کی حرمت صاف صاف مذکور ہے، اضعاف و مضاعف ہو یا نہ ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرآنِ کریم میں جابجا فرمایا ہے: "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا" یعنی میری آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت مت لو، اس میں "تھوڑی سی قیمت" اس لئے فرمایا کہ آیاتِ الٰہیہ کے بدلے اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی لے لے تو وہ بھی "تھوڑی ہی قیمت" ہوگی، اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کی آیت کے بدلے میں تھوڑی قیمت لینا حرام ہے اور زیادہ لینا جائز، اسی طرح اس آیت میں "اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً" کا لفظ ان کے شرمناک طریقے پر نکیر کرنے کے لئے لایا گیا ہے، حرمت کی شرط یا

(۱) آلِ عمران: ۱۳۰۔

قید نہیں۔

اگر سود کے مروّجہ طریقوں پر غور کیا جائے تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب سود خوری کی عادت پڑ جائے تو پھر سود تنہا سود نہیں رہتا بلکہ لازماً اضعاف ومضاعف ہو جاتا ہے، کیونکہ جو رقم سود سے حاصل ہو کر سود خور کے مال میں شامل ہوئی، اب سود کی اس زائد قم کو بھی سود پر چلایا جائے گا تو سود مضاعف ہو جائے گا، اس طرح ہر سود اضعاف مضاعف بن کر رہے گا۔ علاوہ ازیں جب سودی کاروبار میں اصل قرض بدستور باقی ہے اور میعاد کا سود لیا جا رہا ہے تو ایک زمانے کے بعد ہر سود اصل رأس المال کا اضعاف ومضاعف ہو جائے گا۔

چھٹی اور ساتویں آیتیں

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًاۙ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (۱)

ترجمہ: سو یہود کے انہیں بڑے بڑے جرائم کے سبب ہم نے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو پہلے ان کے لئے حلال تھیں بطورِ سزا حرام کر دیں، اور اس سبب سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے، اور اس سبب سے کہ وہ سود لیا کرتے تھے حالانکہ اُن کو سود لینے سے ممانعت کر دی گئی تھی، اور اس سبب سے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھا جاتے تھے، اور ہم نے ان میں سے ان لوگوں کے لئے جو کافر ہیں، دردناک سزا کا سامان مقرر کر رکھا ہے۔

ان آیات میں بتلایا گیا ہے کہ یہود پر بہت سی ایسی چیزیں بھی بطورِ سزا کے حرام کر دی گئی تھیں جو درحقیقت حرام نہ تھیں کیونکہ حقیقی اور ذاتی طور پر تو ہر شریعت میں صرف وہ چیزیں حرام کی گئی ہیں جو خبیث ہیں، یعنی انسان کی صحتِ جسمانی یا صحتِ رُوحانی کے لئے مضر یا مہلک ہیں، باقی سب طیبات اور پاک ستھری چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے حلال قرار دی ہیں، لیکن یہود کے مسلسل گناہوں اور جرائم کی سزا یہ بھی دی گئی کہ بہت سے طیبات کو بھی حرام کر کے ان کو محروم کر دیا گیا جس کی تفصیل سورۂ انعام میں آئی: "وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ" الآیۃ۔ اس کے بعد وہ جرائم اور گناہ بتلائے گئے ہیں جو اس سزا کا باعث بنے، اوّل یہ کہ یہ بدنصیب خود تو اللہ کے صراطِ مستقیم

(۱) سورۂ نساء: ۱۶۰، ۱۶۱۔

سے بھٹکے ہی تھے اس کے ساتھ یہ جرم بھی کرنے لگے کہ دُوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کی۔

دُوسرا جرم یہ بتلایا کہ یہ لوگ سود کھاتے تھے حالانکہ ان پر سود حرام تھا۔ قرآنِ کریم کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ سود کا لین دین بنی اسرائیل پر بھی حرام کیا گیا تھا، آج جو نسخہ توراۃ کا ان لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اگرچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ نسخہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے مفقود ہے، اور یہ بھی مشاہدہ ہے کہ موجودہ توراۃ میں سود کی حرمت کا ذکر کسی نہ کسی درجے میں موجود ہے۔

بعض علمائے تفسیر نے فرمایا ہے کہ سود و ربا ہر شریعت و ملت میں حرام رہا ہے، بہر حال اس آیت نے بتلایا کہ یہود کو جو عذاب اور سزائیں دی گئیں، اس کا ایک سبب سود خوری تھا، اسی لئے حدیث میں رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے قہر میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ ان میں سود کا رواج ہو جاتا ہے۔

آٹھویں آیت

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (1)

ترجمہ: اور جو چیز تم اس لئے دو گے کہ وہ لوگوں کے مال میں پہنچ کر زیادہ ہو جائے تو یہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، اور جو زکوٰۃ دو گے جس سے اللہ کی رضا مطلوب ہو تو ایسے لوگ خدا کے پاس بڑھاتے رہیں گے۔

بعض حضراتِ مفسرین نے لفظِ "ربا" اور "زیادتی" پر نظر کر کے اس آیت کو بھی سود و بیاج پر محمول فرمایا ہے اور یہ تفسیر فرمائی ہے کہ سود و بیاج کے لینے میں اگرچہ بظاہر مال کی زیادتی نظر آتی ہے مگر درحقیقت وہ زیادتی نہیں، جیسے کسی شخص کے بدن پر ورم ہو جائے تو بظاہر وہ اس کے جسم میں زیادتی ہے لیکن کوئی عقلمند اس کو زیادہ سمجھ کر خوش نہیں ہوتا بلکہ اس کو ہلاکت کا مقدمہ سمجھتا ہے، اس کے بالمقابل زکوٰۃ و صدقات دینے میں اگرچہ بظاہر مال میں کمی آتی ہے مگر درحقیقت وہ کمی نہیں بلکہ ہزاروں زیادتیوں کا موجب ہے، جیسے کوئی شخص مادّۂ فاسد کے اخراج کے لئے مسہل لیتا ہے یا فصد کھلوا کر خون نکلواتا ہے تو بظاہر وہ کمزور نظر آتا ہے اور اس کے بدن میں کمی محسوس ہوتی ہے مگر جاننے والوں کی نظر میں یہ کمی اس کی زیادتی اور قوت کا پیش خیمہ ہے۔

اور بعض علمائے تفسیر نے اس آیت کو سود و بیاج کی ممانعت پر محمول نہیں فرمایا بلکہ اس کا یہ

(۱) سورۂ روم: ۳۹۔

مطلب قرار دیا ہے کہ جو شخص کسی کو اپنا مال اِخلاص اور نیک نیتی سے نہیں بلکہ اس نیت سے دے کہ میں اس کو یہ چیز دُوں گا تو وہ مجھے اس کے بدلے میں اس سے زیادہ دے گا جیسے بہت سی برادریوں میں ''نوتہ'' کی رسم ہے کہ وہ ہدیہ کے طور پر نہیں بلکہ بدلہ لینے کی غرض سے دی جاتی ہے، یہ دینا چونکہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے نہیں، اپنی فاسد غرض کے لئے ہے اس لئے آپ نے فرمایا کہ اس طرح اگرچہ ظاہر میں مال بڑھ جائے مگر وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا، ہاں! جو زکوٰۃ، صدقات اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دیئے جائیں ان میں اگرچہ بظاہر مال گھٹتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دُگنا چوگنا ہو جاتا ہے۔

اس تفسیر پر آیتِ مذکورہ کا وہ مضمون ہو جائے گا جو دُوسری ایک آیت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا: ''وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ'' یعنی آپ کسی پر احسان اس نیت سے نہ کریں کہ اس کے بدلے میں مجھے کچھ مال کی زیادتی حاصل ہو جائے گی۔

اس موقع پر بظاہر یہ دُوسری تفسیر ہی راجح معلوم ہوتی ہے، اوّل اس لئے کہ سورۂ رُوم مکی ہے جس کے لئے اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ اس کی ہر آیت مکی ہو، مگر غالب گمان مکی ہونے کا ضرور ہے جب تک اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ ملے، اور آیت کے مکی ہونے کی صورت میں اس کو حرمتِ سود کے مفہوم پر اس لئے محمول نہیں کیا جاسکتا کہ حرمتِ سود مدینہ میں نازل ہوئی ہے، اس کے علاوہ اس آیت سے پہلے جو مضمون آیا ہے اس سے بھی دُوسری تفسیر ہی کا رُجحان معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہے:

> فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ، ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ.
>
> ترجمہ: قرابت دار کو اس کا حق دیا کرو اور مسکین اور مسافر کو بھی، یہ اُن لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں۔

اس آیت میں رشتہ داروں اور مساکین اور مسافروں پر خرچ کرنے کے ثواب کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ اس میں نیت اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی ہو، تو اس کے بعد والی آیتِ مذکورہ میں اس کی توضیح اس طرح کی گئی کہ اگر کوئی مال کسی کو اس غرض سے دیا جائے کہ اس کا بدلہ اس کی طرف سے زیادہ ملے گا تو یہ حق تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے خرچ نہیں ہوا، اس لئے اس کا ثواب نہ ملے گا۔

بہرحال سود کے مسئلے میں اس آیت کو چھوڑ کر بھی سات آیتیں اُوپر آچکی ہیں جن میں سے سورۂ آل عمران کی ایک میں اضعاف و مضاعف سود کی حرمت بیان فرمائی گئی ہے، اور باقی چھ آیتوں

میں مطلق سود کی حرمت کا بیان ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ سود خواہ اضعاف ومضاعف اور سود دَر سود ہو یا اکہرا سود، بہر حال حرام ہے اور حرام بھی ایسا شدید کہ اس کی مخالفت کرنے پر اللہ اور اس کے رسولِ اکرم ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ فرمایا گیا ہے۔ رِبا کے متعلق سات آیاتِ قرآن کی مفصل تفسیر سامنے آ چکی ہے۔

اس کے بعد اس مسئلے کے متعلق احادیثِ رسول اللہ ﷺ کو دیکھئے، نفسِ مسئلہ اور اس کا حکم واضح کرنے کے لئے تو چند احادیث کافی تھیں، لیکن مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس مسئلے سے متعلق جتنی روایاتِ حدیث مختصر تحقیقات کے ذریعہ جمع ہو سکیں وہ پیش کر دی جائیں۔ اس کے پیشِ نظر اپنے پاس موجود کتبِ حدیث سے ان روایاتِ حدیث کو جمع کیا تو تقریباً ایک چہل حدیث (1) اس مسئلے کی بن گئی جس کو ترجمہ اور مختصر تشریح کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والمعین

(۱) بعد میں کچھ اور اضافہ ہو کر احادیث کا عدد چالیس سے بھی بڑھ گیا۔ ۱۲ منہ

چہل حدیث

متعلقہ حرمتِ رِبا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

١ : عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ. قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَمَا هُنَّ؟ قَالَ: اَلشِّرْكُ بِاللّٰهِ، والسِّحْرُ، وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَاَكْلُ الرِّبَا، وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَالتَّوَلِّیْ يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ. رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَمُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوٗدُ وَالنِّسَائِیُّ. (۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ایسی چیزوں سے بچو جو ہلاک کرنے والی ہیں ۔صحابہ (کرام رضی اللہ عنہم) نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! وہ سات چیزیں کون سی ہیں؟ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو کرنا، ایسی جان کو ناحق مار ڈالنا جس کا مارنا اللہ تعالیٰ نے حرام فرما دیا، سود کھانا، اور یتیم کا مال کھانا، اور جنگ کے روز پیٹھ دکھا کر بھاگنا، اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں پر تہمت لگانا۔ (۲)

تشریح: شرک کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں غیرِ خدا کو خدا کا شریک ٹھہرانے کو، مثلاً خدا تعالیٰ کی طرح اس کو قابلِ عبادت سمجھے یا اس کے نام کی نذریں مانے یا کسی کے علم یا قدرت کو خدا تعالیٰ کے علم وقدرت کے برابر سمجھے، یا ایسے اعمال وافعال جو عبادت کے لئے مخصوص ہیں

☆ از حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱) الترغیب والترھیب۔ (۲) اس حدیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

جیسے رُکوع، سجدہ سجود، طواف وغیرہ یہ افعال سوائے خدا تعالیٰ کے کسی اور کے لئے کرے، یہ سب شرک ہیں ۔ قرآنِ کریم نے اعلان کردیا ہے کہ جو شخص بحالتِ شرک بغیر توبہ کے مرگیا اس کی بخشش ہرگز نہ ہوگی ۔

۲: وَعَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ اَتَيَانِيْ فَاَخْرَجَانِيْ اِلٰى اَرْضٍ مُّقَدَّسَةٍ فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى نَهْرٍ مِّنْ دَمٍ فِيْهِ رَجُلٌ قَائِمٌ وَّعَلٰى شَطِّ النَّهْرِ رَجُلٌ بَيْنَ يَدَيْهِ حِجَارَةٌ فَاَقْبَلَ الرَّجُلُ الَّذِيْ فِي النَّهْرِ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ يَّخْرُجَ رَمَى الرَّجُلُ بِحَجَرٍ فِيْ فِيْهِ فَرَدَّهٗ حَيْثُ كَانَ، فَجَعَلَ كُلَّمَا جَاءَ لِيَخْرُجَ رَمٰى فِيْ فِيْهِ بِحَجَرٍ فَيَرْجِعُ كَمَا كَانَ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا الَّذِيْ رَاَيْتُهٗ فِي النَّهْرِ؟ قَالَ: اٰكِلُ الرِّبَا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ هٰكَذَا فِي الْبُيُوْعِ مُخْتَصَرًا وَتَقَدَّمَ فِيْ تَرْكِ الصَّلٰوةِ مُطَوَّلًا۔

ترجمہ: حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے آج رات خواب میں دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور مجھ کو ایک مقدس سرزمین کی طرف لے چلے، یہاں تک کہ ہم ایک خون کی نہر پر پہنچے، اس کے درمیان ایک شخص کھڑا تھا اور نہر کے کنارے پر ایک شخص ہے، اس کے سامنے بہت سے پتھر پڑے ہیں، نہر کے اندر والا شخص نہر کے کنارے کی طرف آتا ہے، جس وقت نکلنا چاہتا ہے کنارے والا شخص اس کے منہ پر ایک پتھر اس زور سے مارتا ہے کہ وہ پھر کر اپنی جگہ جا پہنچتا ہے، پھر جب کبھی نکلنا چاہتا ہے اسی طرح اس کے منہ پر پتھر مار مار کر اس کو اپنی پہلی جگہ لوٹا دیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: وہ کون شخص تھا جس کو میں نے نہر میں دیکھا؟ فرمایا: سود خور۔ (۱)

۳: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالنِّسَائِيُّ، وَرَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ، وَابْنُ مَاجَةَ وَابْنُ حَبَّانٍ فِيْ صَحِيْحِهٖ كُلُّهُمْ مِّنْ رِوَايَةِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ اَبِيْهِ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ،

(۱) اس حدیث کو امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے

وَزَادُوْا فِيْهِ: وَشَاهِدَيْهِ وَكَاتِبَهٗ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے (یعنی سود لینے والے اور سود دینے والے پر)۔ اس کو مسلم اور نسائی، ابوداؤد اور ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور ایک روایت میں اس کے ساتھ سود کی شہادت دینے والوں اور کتابت کرنے والوں پر بھی لعنت فرمائی ہے۔

٤: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَّغَيْرُهٗ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود دینے والے اور سودی تحریر یا حساب لکھنے والے اور سودی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب لوگ (گناہ میں) برابر ہیں۔

٥: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْكَبَائِرُ سَبْعٌ اَوَّلُهُنَّ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَقَتْلُ النَّفْسِ بِغَيْرِ حَقِّهَا، وَاَكْلُ الرِّبَا، وَاَكْلُ مَالِ الْيَتِيْمِ، وَفِرَارُ يَوْمِ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ وَالْاِنْتِقَالُ اِلَى الْاَعْرَابِ بَعْدَ هِجْرَتِهٖ. رَوَاهُ الْبَزَّارُ مِنْ رِوَايَةِ عَمْرِو بْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ وَلَا بَأْسَ بِهٖ فِي الْمُتَابِعَاتِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبیرہ گناہ سات ہیں، ان میں پہلا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور (دوسرا گناہ) ناحق کسی شخص کو مار ڈالنا، اور (تیسرا گناہ) سود کھانا، اور (چوتھا گناہ) یتیم کا مال ناجائز طور پر کھا لینا، اور (پانچواں گناہ) جہاد سے بھاگنا، اور (چھٹا گناہ) پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا، اور (ساتواں گناہ) ہجرت کرنے کے بعد اعراب (دیہات) کی طرف لوٹ جانا۔ (اس کو بزار نے عمرو بن ابی شیبہ کی سند سے روایت کیا ہے)۔

٦: وَعَنْ عَوْنِ بْنِ اَبِىْ جُحَيْفَةَ عَنْ اَبِيْهِ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَاٰكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهٗ وَنَهٰى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِيِّ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرِيْنَ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ (قَالَ الْحَافِظُ) اَبِىْ جُحَيْفَةَ وَهْبُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ السَّوَائِى.

ترجمہ: حضرت عون بن ابی جحیفہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گودنے والی عورت اور گدوانے والی عورت پر، اور سود لینے والے اور سود دینے والے پر لعنت بھیجی ہے، اور کتے کی قیمت اور رنڈی کی کمائی سے ممانعت فرمائی ہے، اور تصویر کھینچنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔ (اس کو بخاری اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے)۔

٧: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اٰكِلُ الرِّبَا وَمُوْكِلُهٗ وَشَاهِدَاهُ وَكَاتِبَاهُ اِذَا عَلِمُوْا بِهٖ وَالْوَاشِمَةُ وَالْمُسْتَوْشِمَةُ لِلْحُسْنِ وَلَاوِى الصَّدَقَةِ وَالْمُرْتَدُّ اَعْرَابِيَّةً بَعْدَ الْهِجْرَةِ، مَلْعُوْنُوْنَ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْيَعْلٰى وَابْنُ خُزَيْمَةَ وَابْنُ حِبَّانٍ فِىْ صَحِيْحِهِمَا وَزَادَا فِىْ اٰخِرِهٖ. يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (قَالَ الْحَافِظُ) رَوَاهُ كُلُّهُمْ عَنِ الْحَارِثِ وَهُوَ الْاَعْوَرُ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اِلَّا ابْنُ خُزَيْمَةَ فَاِنَّهٗ رَوَاهُ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: سود کھانے اور کھلانے والا اور اس کے دونوں گواہ اور دونوں کے کاتب جبکہ اس کو جانتے ہوں کہ یہ معاملہ سود کا ہے، اور خوبصورتی کے لئے گودنے والی اور گدوانے والی عورت اور صدقہ کو ٹالنے والا اور ہجرت کے بعد اپنے وطن کی طرف واپس ہو جانے والا، یہ سب بزبانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (بروزِ قیامت) ملعون ہوں گے۔ (۱)

٨: وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَرْبَعٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ اَنْ لَّا يُدْخِلَهُمُ الْجَنَّةَ وَلَا يُذِيْقَهُمْ نَعِيْمَهَا،

(۱) اس حدیث کو احمد اور ابویعلیٰ نے اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے۔

مُدْمِنُ الْخَمْرِ، وَاٰكِلُ الرِّبَا، وَاٰكِلُ مَالِ الْيَتِيْمِ بِغَيْرِ حَقٍّ، وَالْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ خَثِيْمِ بْنِ عِرَاكٍ وَهُوَ رَوَاهُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَقَالَ: صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: چار شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پر لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہ کریں گے اور نہ ان کو جنت کی نعمتوں کا ذائقہ چکھائیں گے۔ (ایک تو) عادی شرابی، (دوسرے) سود کھانے والا، (تیسرے) ناحق یتیم کا مال اُڑانے والا، (چوتھے) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا۔ (۱)

۹: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ يَعْنِي ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلرِّبَا ثَلَاثٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا، اَيْسَرُهَا مِثْلُ اَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الْبُخَارِيِّ وَمُسْلِمٍ، وَرَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ مِنْ طَرِيْقِ الْحَاكِمِ ثُمَّ قَالَ: هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ وَالْمَتْنُ مُنْكَرٌ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ وَلَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا وَهْمًا وَكَاَنَّهٗ دَخَلَ لِبَعْضِ رُوَاتِهٖ اَسْنَادٌ فِيْ اِسْنَادٍ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے وبال تہتر قسم کے ہیں، سب سے ادنیٰ قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔ (۲)

۱۰: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلرِّبَا بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ بَابًا وَالشِّرْكُ مِثْلُ ذٰلِكَ. رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَرُوَاتُهٗ رُوَاةُ الصَّحِيْحِ وَهُوَ عِنْدَ ابْنَ مَاجَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِيْحٍ بِاخْتِصَارٍ: وَالشِّرْكُ مِثْلُ ذٰلِكَ.

ترجمہ: انہیں (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سود کے مفاسد کچھ اُوپر ستر ہیں اور شرک اس کے برابر ہے۔ (۳)

۱۱: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

(۱) اس حدیث کو حاکم نے ابراہیم بن خثیم بن عراک ...... الخ سے روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے۔
(۲) اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔
(۳) اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے، اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ بَابًا، اَدْنَاهَا كَالَّذِیْ يَقَعُ عَلٰى اُمِّهٖ. رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ بِإِسْنَادٍ لَّا بَأْسَ بِهٖ، ثُمَّ قَالَ: غَرِيْبٌ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ، وَاِنَّمَا يُعْرَفُ بِعَبْدِاللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ عَنْ عِكْرِمَةَ يَعْنِی ابْنَ عَمَّارٍ وَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ زِيَادٍ هٰذَا مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے مفاسد کی ستر قسمیں ہیں، ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی اپنی ماں سے زنا کرے۔

۱۲: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلدِّرْهَمُ يُصِيْبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ ثَلٰثَةٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً يَّزْنِيْهَا فِی الْاِسْلَامِ. رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْكَبِيْرِ مِنْ طَرِيْقِ عَطَاءِ الْخُرَاسَانِیِّ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ، وَرَوَاهُ ابْنُ اَبِی الدُّنْيَا وَالْبَغَوِیُّ وَغَيْرُهُمَا مَوْقُوْفًا عَلٰى عَبْدِاللّٰهِ وَهُوَ الصَّحِيْحُ وَلَفْظُ الْمَوْقُوْفِ فِیْ اَحَدِ طُرُقِهٖ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ: اَلرِّبَا اِثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ حُوْبًا، اَصْغَرُهَا حُوْبًا كَمَنْ اَتٰى اُمَّهٗ فِی الْاِسْلَامِ، وَدِرْهَمٌ مِّنَ الرِّبَا اَشَدُّ مِنْ بِضْعٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً. قَالَ: وَيَأْذَنُ اللّٰهُ بِالْقِيَامِ لِلْبِرِّ وَالْفَاجِرِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا اٰكِلُ الرِّبَا فَاِنَّهٗ لَا يَقُوْمُ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِیْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ایک درہم کوئی سود سے حاصل کرے، اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان ہونے کے باوجود تینتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔(۱)
دوسری ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سود کے بہتر گناہ ہیں، ان میں سب سے چھوٹا گناہ اس شخص کے گناہ کے برابر ہے جو مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرے، اور ایک درہم سود کا گناہ کچھ اُوپر تیس زنا سے زیادہ بدتر ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر نیک و بد کو کھڑے ہونے کی اجازت دیں گے مگر سود خور کو تندرستوں کی طرح کھڑا ہونے کا موقع نہیں دیا جائے گا، بلکہ وہ اس طرح کھڑا ہوگا جیسے کسی کو شیطان، جن وغیرہ نے لپٹ کر

(۱) اس حدیث کو طبرانی نے کبیر میں عطاء خراسانی کی سند سے عبداللہؓ کے واسطہ سے روایت کیا ہے...... الخ۔

خبطی بنادیا ہو۔

۱۳: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ حَنْظَلَةَ غَسِيْلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: دِرْهَمُ رِبًا يَّأْكُلُهُ الرَّجُلُ وَهُوَ يَعْلَمُ اَشَدُّ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً. رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ وَرِجَالُ اَحْمَدَ رِجَالُ الصَّحِيْحِ (قَالَ الْحَافِظُ) حَنْظَلَةُ وَالِدُ عَبْدِاللّٰهِ لُقِبَ بِغَسِيْلِ الْمَلٰئِكَةِ لِاَنَّهُ كَانَ يَوْمَ اُحُدٍ جُنُبًا وَّقَدْ غَسَلَ اَحَدَ شِقَّيْ رَأْسِهٖ فَلَمَّا سَمِعَ الصَّيْحَةَ خَرَجَ فَاسْتُشْهِدَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ رَأَيْتُ الْمَلٰئِكَةَ تَغْسِلُهٗ.

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ نے فرمایا کہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کا ایک درہم کھانا چھتیس زنا سے زیادہ شدید ہے بشرطیکہ اس کو معلوم ہو کہ یہ درہم سود کا ہے۔[1] اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو غسیل ملائکہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ جس وقت غزوۂ اُحد کا اعلان ہوا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد کے لئے نکلنے لگے اس وقت یہ جنابت کی حالت میں تھے، غسل کرنا شروع کیا تھا کہ یہ آواز کان میں پڑ گئی، انہوں نے دعوتِ جہاد میں اتنی دیر کرنا بھی پسند نہ کیا کہ غسل پورا کر کے فارغ ہو جاتے، بلکہ اسی حالت میں فوراً باہر آئے اور مجاہدین کے ساتھ شریک ہو گئے، اور اتفاقاً اسی حالت میں یہ شہید ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: میں نے دیکھا ہے کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں)۔

۱۴: وَرُوِيَ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ اَمْرَ الرِّبَا وَعَظَّمَ شَأْنَهٗ وَقَالَ: اِنَّ الدِّرْهَمَ يُصِيْبُهُ الرَّجُلُ مِنَ الرِّبَا اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ فِي الْخَطِيْئَةِ مِنْ سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةً يَّزْنِيْهَا الرَّجُلُ، وَاِنَّ اَرْبَى الرِّبَا عِرْضُ الرَّجُلِ الْمُسْلِمِ. رَوَاهُ ابْنُ اَبِي الدُّنْيَا فِيْ كِتَابِ ذَمِّ الْغِيْبَةِ وَالْبَيْهَقِيُّ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور سود کا بہت اہتمام سے ذکر فرماتے ہوئے یہ فرمایا

(۱) اس حدیث کو امام احمد و طبرانی نے روایت کیا ہے اور سند امام احمد مثل سند صحیح بخاری کے ہے۔

کہ: کسی شخص کا ایک سودی درہم کھانا اللہ کے نزدیک چھتیس زنا سے زیادہ سخت گناہ ہے۔ (اور پھر فرمایا کہ) سب سے بڑا یہ سود ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو پر حملہ کیا جائے۔ (۱)

۱۵: وَرُوِیَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ اَعَانَ ظَالِمًا بِبَاطِلٍ لِیُدْحِضَ بِهٖ حَقًّا فَقَدْ بَرِئَ مِنْ ذِمَّةِ اللّٰهِ وَذِمَّةِ رَسُوْلِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ اَكَلَ دِرْهَمًا مِنْ رِبًا فَهُوَ مِثْلُ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِیْنَ زَنْیَةً وَّمَنْ نَبَتَ لَحْمُهٗ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰی بِهٖ. رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الصَّغِیْرِ وَالْاَوْسَطِ وَالْبَیْهَقِیُّ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے کسی ظالم کی خلاف حق حمایت کی تاکہ حق والے کا حق ضائع کردے تو اللہ اور اس کے رسول اس سے بری الذمہ ہیں، اور جو شخص سود کا ایک درہم کھائے تو یہ تینتیس زنا کے برابر ہے، اور جس شخص کا گوشت مالِ حرام سے پیدا ہو وہ دوزخ کے قابل ہے۔

۱۶: وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلرِّبَا اثْنَانِ وَسَبْعُوْنَ بَابًا، اَدْنَاهَا مِثْلُ اِتْیَانِ الرَّجُلِ اُمَّهٗ، وَاِنَّ اَرْبَی الرِّبَا اسْتِطَالَةُ الرَّجُلِ فِیْ عِرْضِ اَخِیْهِ. رَوَاهُ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْاَوْسَطِ مِنْ رِوَایَةِ عَمْرِو بْنِ رَاشِدٍ وَقَدْ وُثِّقَ.

ترجمہ: براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے بہتر دروازے ہیں، ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے، اور سب سے بدترین سود یہ ہے کہ انسان اپنے بھائی کی عزت پر دست درازی کرے۔

۱۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا اَیْسَرُهَا اَنْ یَّنْكِحَ الرَّجُلُ اُمَّهٗ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ كِلَاهُمَا عَنْ اَبِیْ مَعْشَرٍ وَقَدْ وُثِّقَ عَنْ سَعِیْدِ الْمَقْبَرِیِّ عَنْهُ.

(۱) اس حدیث کو بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سود کے ستر گناہ ہیں، ان میں سے ادنیٰ ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔

۱۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُشْتَرَى الثَّمَرَةُ حَتّٰى تُطْعَمَ، وَقَالَ: اِذَا ظَهَرَ الزِّنَا وَالرِّبَا فِيْ قَرْيَةٍ فَقَدْ اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ. رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے جانے کے قابل ہونے سے پہلے پھلوں کی خرید و فروخت سے منع فرمایا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کسی بستی میں سود اور زنا پھیل جائے تو گویا بستی والوں نے اللہ کے عذاب کو اپنے اُوپر اُتار لیا۔(۱)

۱۹: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ذَكَرَ حَدِيْثًا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ فِيْهِ: مَا ظَهَرَ فِيْ قَوْمٍ نِ الزِّنَا وَالرِّبَا اِلَّا اَحَلُّوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَذَابَ اللّٰهِ. رَوَاهُ اَبُوْيَعْلٰى بِاِسْنَادٍ جَيِّدٍ.

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل فرمائی جس میں یہ ہے کہ: جس قوم میں زنا اور سود پھیل گیا، انہوں نے یقیناً اللہ کے عذاب کو اپنے اُوپر اُتار لیا۔

۲۰: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ قَوْمٍ يَّظْهَرُ فِيْهِمُ الرِّبَا، اِلَّا اُخِذُوْا بِالسَّنَةِ، وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيْهِمُ الرِّشَا اِلَّا اُخِذُوْا بِالرُّعْبِ. رَوَاهُ اَحْمَدُ بِاِسْنَادٍ فِيْهِ نَظَرٌ.

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس قوم میں سود پھیل جائے وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ مرعوبیت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔

(۱) اس حدیث کو حاکمؒ نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

۲۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: رَأَیْتُ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ لَمَّا انْتَهَیْنَا اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَنَظَرْتُ فَوْقِیْ فَاِذَا اَنَا بِرَعْدٍ وَّبُرُوْقٍ وَّصَوَاعِقَ. قَالَ: فَاَتَیْتُ عَلٰی قَوْمٍ بُطُوْنُهُمْ کَالْبُیُوْتِ فِیْهَا الْحَیَّاتُ تُرٰی مِنْ خَارِجِ بُطُوْنِهِمْ، قُلْتُ: یَاجِبْرِیْلُ! مَنْ هٰؤُلَآءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَآءِ اَکَلَةُ الرِّبَا. رَوَاهُ اَحْمَدُ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ وَابْنُ مَاجَةَ مُخْتَصَرًا وَالْاِصْبَهَانِیُّ اَیْضًا مِنْ طَرِیْقِ اَبِیْ هَارُوْنَ الْعَبْدِیِّ وَاسْمُهٗ عُمَارَةُ بْنُ جُوَیْنٍ وَهُوَ رَوَاهُ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَمَّا عُرِجَ بِیْ اِلَی السَّمَآءِ نَظَرَ فِی السَّمَآءِ الدُّنْیَا فَاِذَا رِجَالٌ بُطُوْنُهُمْ کَاَمْثَالِ الْبُیُوْتِ الْعِظَامِ قَدْ مَالَتْ بُطُوْنُهُمْ وَهُمْ مُنَضَّدُوْنَ عَلٰی سَابِلَةِ اٰلِ فِرْعَوْنَ یُوْقَفُوْنَ عَلَی النَّارِ کُلَّ غَدَاةٍ وَّعَشِیٍّ یَقُوْلُوْنَ: رَبَّنَا لَا تُقِمِ السَّاعَةَ اَبَدًا، قُلْتُ: یَا جِبْرِیْلُ! مَنْ هٰؤُلَآءِ؟ قَالَ: هٰؤُلَآءِ اَکَلَةُ الرِّبَا مِنْ اُمَّتِكَ (لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ). قَالَ الْاَصْبَهَانِیُّ قَوْلُهٗ "مُنَضَّدُوْنَ" اَیْ طُرِحَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ، وَالسَّابِلَةُ الْمَارَّةُ اَیْ یَتَوَطَّؤُهُمْ اٰلُ فِرْعَوْنَ الَّذِیْنَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی غَدَاةٍ وَّعَشِیٍّ، انتهٰی.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معراج کی رات جب ساتویں آسمان پر پہنچ کر میں نے اُوپر نظر اُٹھائی تو میں نے چمک، کڑک اور گرج دیکھی۔ پھر فرمایا کہ: میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے پیٹ مکانوں کی طرح (بڑے بڑے) تھے، ان میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آ رہے تھے، میں نے جبرئیل سے دریافت کیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جبرائیل نے جواب دیا کہ: یہ سود خور ہیں۔ اصبہانی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات آسمانِ دُنیا پر ایسے آدمیوں کو دیکھا جن کے پیٹ کوٹھریوں کی طرح پھولے ہوئے تھے اور جھکے ہوئے تھے، اور انہیں آلِ فرعون کے راستے میں تہ بر تہ ایک دوسرے کے اُوپر ڈالا ہوا تھا، آلِ فرعون جب صبح و شام جہنم کے سامنے کھڑے کیے جاتے ہیں تو ان لوگوں کے اُوپر سے روندتے ہوئے گزرتے ہیں، یہ لوگ

دُعا کرتے رہتے ہیں کہ یا اللہ! قیامت کبھی قائم نہ فرمانا (کیونکہ یہ جانتے ہیں کہ قیامت کے روز جہنم کے اندر جانا ہوگا)۔ (رسولِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ:) میں نے کہا: جبرئیلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ کہا: یہ آپ کی اُمت کے سود خور ہیں جو اسی طرح کھڑے ہوں گے جس طرح ایسا شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو شیطان نے خبطی بنادیا ہو۔

۲۲: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ يَظْهَرُ الرِّبَا وَالزِّنَا وَالْخَمْرُ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَرُوَاتُهُ رُوَاةُ الصَّحِيْحِ.

ترجمہ: حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قیامت کے قریب سود، زنا اور شراب کی کثرت(۱) ہو جائے گی۔

۲۳: وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَبْدِالْوَاحِدِ الْوَرَّاقِ قَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ اَبِيْ اَوْفٰى رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فِي السُّوْقِ فِي الصَّيَارِفَةِ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ الصَّيَارِفَةِ اَبْشِرُوْا! قَالُوْا: بَشَّرَكَ اللّٰهُ بِالْجَنَّةِ، بِمَ تُبَشِّرُنَا يَا اَبَا مُحَمَّدٍ؟ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَبْشِرُوْا بِالنَّارِ! رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ بِاِسْنَادٍ لَا بَأْسَ بِهٖ.

ترجمہ: حضرت قاسم بن عبدالواحد ورّاق فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کو صرافوں کے بازار میں دیکھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے صرافو خوشخبری سنو! صرافوں نے کہا کہ: اے ابومحمد! اللہ آپ کو جنت سے سرفراز فرمائے، آپ ہمیں کس چیز کی خوشخبری دے رہے ہیں؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: تمہیں دوزخ کی خوشخبری ہو! (تم دوزخ کے لئے تیار ہو جاؤ)۔ (کیونکہ سونے چاندی کی خرید و فروخت میں اُدھار جائز نہیں اور صرافہ والے عموماً حساب کھاتہ پر اُدھار کے معاملات کرتے رہتے ہیں، وہ سود ہے)۔

(۱) اس میں یہ بات غور طلب ہے کہ حدیث کی پیش گوئی کے مطابق آج ربا کی کثرت کا مشاہدہ ہو رہا ہے، لیکن جس ربا کی کثرت ہو رہی ہے وہ تجارتی ربا ہے، مہاجنی ربا کو تو اب مہاجن بھی بُرا کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جس ربا کو قرآن میں حرام کہا ہے وہ تجارتی، مہاجنی ہر قسم کے ربا پر حاوی ہے۔ ۱۲ منہ

۲۴ : وَرُوِیَ عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِيَّاكَ وَالذُّنُوْبَ الَّتِيْ لَا تُغْفَرُ، اَلْغُلُوْلُ فَمَنْ غَلَّ شَيْئًا اَتٰى بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاَكْلُ الرِّبَا فَمَنْ اَكَلَ الرِّبَا بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَجْنُوْنًا يَتَخَبَّطُ ثُمَّ قَرَأَ: اَلَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ. رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ وَالْاِصْبَهَانِيُّ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسٍ وَلَفْظُهٗ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَأْتِيْ اٰكِلُ الرِّبَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُخَبَّلًا يَجُرُّ شَفَتَهٗ ثُمَّ قَرَأَ: لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ. قَالَ الْاِصْبَهَانِيُّ: اَلْمُخَبَّلُ الْمَجْنُوْنُ.

ترجمہ: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان گناہوں سے بچو جن کی مغفرت نہیں ہوتی، ایک ان میں سے مالِ غنیمت میں چوری کرنا ہے، جس شخص نے کوئی چیز بطور خیانت مالِ غنیمت میں سے لے لی تو قیامت کے دن اس سے وہ چیز منگوائی جائے گی، سود کھانے سے بچو، اس لئے کہ سود خور قیامت میں مجنون اور مخبوط الحواس ہو کر اُٹھایا جائے گا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جو شیطان سے متأثر ہو کر مخبوط الحواس ہو گیا ہو۔ طبرانی اور اصبہانی نے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بایں الفاظ روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن سود خور اپنا ہونٹ گھسیٹتا ہوا تباہ حالت میں آئے گا۔ اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورۂ بالا آیت تلاوت فرمائی۔

۲۵ : وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا اَحَدٌ اَكْثَرَ مِنَ الرِّبَا اِلَّا كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهٖ اِلٰى قِلَّةٍ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْحَاكِمُ وَقَالَ: صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ، وَفِيْ لَفْظٍ لَهٗ قَالَ: اَلرِّبَا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَهٗ اِلٰى قُلٍّ. وَقَالَ فِيْهِ اَيْضًا صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سود کے ذریعے سے زیادہ مال کمایا، انجامِ کار اس میں کمی ہوگی۔

فائدہ: امام حدیث عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ معمر نے فرمایا کہ: ہم نے سنا ہے کہ سودی کام پر چالیس سال گزرنے نہیں پاتے کہ اس پر گھاٹا (محاق) آجاتا ہے، یعنی کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے جو اس کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔

۲۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: لَیَأْتِیَنَّ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَّا یَبْقٰی مِنْهُمْ اَحَدٌ اِلَّا اٰکِلَ الرِّبَا، فَمَنْ لَّمْ یَأْکُلْهُ اَصَابَهٗ مِنْ غُبَارِهٖ. رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ کِلَاهُمَا مِنْ رِوَایَةِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاخْتُلِفَ فِیْ سِمَاعِهٖ وَالْجُمْهُوْرُ عَلٰی اَنَّهٗ لَمْ یَسْمَعْ مِنْهُ.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی شخص سودخوری سے بچ بھی گیا تو اس کا غبار ضرور پہنچ کر رہے گا۔

فائدہ: یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ حدیث کی پیش گوئی کے مطابق سود کا رواج اتنا بڑھا کہ بڑے سے بڑا متقی آدمی بھی سود کے شائبہ یا کسی نہ کسی درجے میں استعمال سے نہیں بچ سکتا، مگر جو سود اس درجے میں عام ہو وہ تجارتی سود ہے، مہاجنی اور عرفی سود نہیں، اس سے معلوم اور ثابت ہوا کہ تجاتی سود بھی حرام ہے۔ ۱۲ منہ

۲۷: "وَرُوِیَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ صَامِتٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَیَبِیْتَنَّ اُنَاسٌ مِّنْ اُمَّتِیْ عَلٰی اَشَرٍ وَّبَطَرٍ وَّلَعِبٍ وَّلَهْوٍ فَیُصْبِحُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِیْرَ بِارْتِکَابِهِمُ الْمَحَارِمَ وَاتِّخَاذِهِمُ الْقَیْنَاتِ وَشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ وَاَکْلِهِمُ الرِّبَا وَلُبْسِهِمُ الْحَرِیْرَ. رَوَاهُ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ الْاِمَامِ اَحْمَدَ فِیْ زَوَائِدِهٖ."

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میری اُمت کے کچھ لوگ غرور وتکبر، لہو ولعب کی حالت میں رات گزاریں گے، وہ صبح کے وقت بندر اور خنزیر بن جائیں گے، کیونکہ انہوں نے حرام کو حلال ٹھہرایا اور گانے والی عورتیں رکھیں اور شراب پی اور سود کھایا اور ریشم کا لباس پہنا تھا۔

۲۸: وَرُوِیَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ

وَسَلَّمَ قَالَ: يَبِيْتُ قَوْمٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى طُعْمٍ وَّشُرْبٍ وَّلَهْوٍ وَّلَعِبٍ فَيُصْبِحُوْا قَدْ مُسِخُوْا قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ وَلَيُصِيْبَنَّهُمْ خَسْفٌ وَقَذْفٌ حَتّٰى يُصْبِحَ النَّاسُ فَيَقُوْلُوْنَ: خُسِفَ اللَّيْلَةَ بِبَنِيْ فُلَانٍ وَخُسِفَ اللَّيْلَةَ بِدَارِ فُلَانٍ، وَلَتُرْسَلَنَّ عَلَيْهِمْ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ كَمَا اُرْسِلَتْ عَلٰى قَوْمِ لُوْطٍ عَلٰى قَبَائِلَ فِيْهَا وَعَلٰى دُوْرٍ وَّلَتُرْسَلَنَّ عَلَيْهِمُ الرِّيْحُ الْعَقِيْمُ الَّتِيْ هَلَكَتْ عَادًا عَلٰى قَبَائِلَ فِيْهَا وَعَلٰى دُوْرٍ بِشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ وَلُبْسِهِمُ الْحَرِيْرَ وَاتِّخَاذِهِمُ الْقَيْنَاتِ وَاَكْلِهِمُ الرِّبَا وَقَطِيْعَةِ الرَّحِمِ. وَخَصْلَةٍ نَسِيَهَا جَعْفَرٌ. رَوَاهُ اَحْمَدُ مُخْتَصَرًا وَالْبَيْهَقِيُّ وَاللَّفْظُ لَهٗ.

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس اُمت کی ایک جماعت کھانے پینے اور لہو ولعب (کھیل کود) کی حالت میں رات گزارے گی، تو وہ ایسی حالت میں صبح کرے گی کہ بندر اور سور کی صورت میں مسخ ہو گئی ہو، اور اس اُمت کے بعض افراد کو خسف (زمین میں دھنس جانے) اور قذف (آسمان سے پتھر برسنے کا) ضرر پہنچے گا، یہاں تک کہ جب لوگ صبح اُٹھیں گے تو آپس میں یوں کہیں گے کہ: آج رات فلاں خاندان زمین میں دھنس گیا اور فلاں کا گھر بار زمین میں دھنس گیا۔ اور ان پر آسمان سے پتھر برسائے جائیں گے، جس طرح قومِ لوط پر برسائے گئے تھے اس کے قبائل پر اور گھروں پر، اور ان پر نہایت تیز تند آندھی بھیجی جائے گی جس نے قومِ عاد کو تباہ کر دیا تھا اس کے قبائل اور گھروں پر، یہ دھنسانے اور پتھر برسانے کا عذاب ان کے شراب پینے اور ریشم پہننے اور سود کھانے اور قطع رحمی کرنے کی وجہ سے ہوگا اور ایک اور خصلت کی وجہ سے ہوگا جس کو جعفر (اس حدیث کے راوی) بھول گئے ہیں۔ (۱)

۲۹: عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اٰكِلَ الرِّبٰوا وَمُوْكِلَهٗ وَكَاتِبَهٗ وَمَانِعَ الصَّدَقَةِ وَكَانَ يَنْهٰى عَنِ النَّوْحِ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سود:

(۱) اس حدیث کو امام احمدؒ نے مختصراً روایت کیا ہے، یہ الفاظ بیہقی کے ہیں۔

لینے والے اور سود دینے والے پر، اور سود (کی تحریر یا حساب) لکھنے والے اور صدقہ (واجبہ) نہ دینے والے پر لعنت فرماتے ہوئے سنا، اور آپ ﷺ نوحہ (بلند آواز سے رونے) کو منع فرماتے تھے۔

۳۰: عَنْ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ اٰخِرَ مَا نَزَلَتْ اٰيَةُ الرِّبٰوا وَاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَلَمْ يُفَسِّرْهَا لَنَا، فَدَعُوا الرِّبٰوا وَالرِّيْبَةَ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارَمِيُّ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضور ﷺ پر جو آخری آیت نازل ہوئی وہ سود کے متعلق ہے، اور حضور ﷺ نے اس کی پوری تشریح بیان نہیں فرمائی تھی کہ آپ کا وصال ہوگیا، لہٰذا سود بھی چھوڑ دو اور ان چیزوں کو بھی چھوڑ دو جن میں سود کا شائبہ ہو۔

فائدہ: حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول کی پوری تفصیل وتشریح شروع رسالے میں گزر چکی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد سود و رِبا کی اس خاص صورت سے متعلق ہے جو رِبا کے معنی میں آنحضرت ﷺ کے بیان سے اضافہ ہوئی ہے، یعنی چھ چیزوں کی باہمی بیع وشراء میں کمی بیشی یا اُدھار کرنے کو سود قرار دیا ہے، جیسا کہ بعد کی حدیث نمبر ۳۱، ۳۲، ۳۳ میں یہ مضمون آرہا ہے۔

اس میں یہ اشتباہ رہا کہ ان چھ چیزوں کے حکم میں دوسری اشیاء داخل ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہیں تو کس علت اور کس ضابطے سے؟

باقی رِبا کا وہ متعارف مفہوم جو نزولِ قرآن سے پہلے بھی نہ صرف سمجھا جاتا تھا، بلکہ عرب میں اس کے معاملات کا عام رواج تھا، نہ اس میں کوئی ابہام واشتباہ تھا، نہ اس میں فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے صحابی کو کبھی کوئی تردّد پیش آیا۔

۳۱: عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَبِيْعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تَشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيْعُوا الْوَرِقَ بِالْوَرِقِ اِلَّا مِثْلًا بِمِثْلٍ، وَلَا تَشِفُّوْا بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ، وَلَا تَبِيْعُوْا مِنْهَا غَائِبًا بِنَاجِزٍ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں صرف اس صورت میں بیچو جب برابر ہو، اور

اس میں بعض کو بعض پر زیادہ نہ کرو، اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں صرف اس صورت میں بیچو جب برابر ہو، اور اس میں بعض کو بعض پر زیادہ نہ کرو، اور ان میں سے کسی غیر موجود چیز کو موجود کے بدلے میں نہ بیچو، یعنی اُدھار فروخت نہ کرو۔

۳۲: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ یَدًا بِیَدٍ، فَمَنْ زَادَ اَوِ اسْتَزَادَ فَقَدْ اَرْبٰی اَلْاٰخِذُ وَالْمُعْطِیْ فِیْہِ سَوَآءٌ. رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا مبادلہ چاندی سے، گیہوں کا گیہوں سے، جو کا جو سے، چھوارے کا چھوارے سے، نمک کا نمک سے، برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونا چاہئے، جس شخص نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا، تو اس نے سودی معاملہ کیا، لینے والا اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔

۳۳: عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلذَّھَبُ بِالذَّھَبِ وَالْفِضَّۃُ بِالْفِضَّۃِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِیْرُ بِالشَّعِیْرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَآءً بِسَوَآءٍ یَدًا بِیَدٍ، فَاِذَا اخْتَلَفَ ھٰذِہِ الْاَصْنَافُ فَبِیْعُوْا کَیْفَ شِئْتُمْ اِذَا کَانَ یَدًا بِیَدٍ. رَوَاہُ مُسْلِمٌ.

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گیہوں گا گیہوں سے، جو کا جو سے، چھوارے کا چھوارے سے، نمک کا نمک سے، برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونا چاہئے، اور جب یہ اصناف بدل جائیں (یعنی گیہوں کا جو سے اور سونے کا چاندی سے مبادلہ کیا جائے) تو جس طرح چاہو خرید وفروخت کرو، لیکن یہ خرید وفروخت بھی ہاتھ در ہاتھ (نقد) ہونی چاہئے۔

۳۴: عَنِ الشَّعْبِیِّ قَالَ: کَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی

اَهْلِ نَجْرَانَ وَهُمْ نَصَارٰى: اَنَّ مَنْ بَاعَ مِنْكُمْ بِالرِّبَا فَلَا ذِمَّةَ لَهٗ. (۱)

ترجمہ: امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے نصاریٰ اہلِ نجران کو ایک فرمان بھیجا جس میں تحریر تھا کہ: تم میں سے جو شخص رِبا کا کاروبار کرے گا وہ ہمارا ذمی ہو کر نہیں رہ سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کا قانونِ رِبا پوری مملکت کے سب لوگوں پر حاوی تھا۔

۳۵: عَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ وَزَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَا: سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كُنَّا تَاجِرَيْنِ فَقَالَ: اِنْ كَانَ يَدًا بِيَدٍ فَلَا بَأْسَ وَلَا يَصْلَحُ نَسِيَةً. (۲)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ہم تاجر تھے، ہم نے رسول اللہ ﷺ سے (اپنے کاروبار کے متعلق) سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اگر معاملہ دست بدست ہو تو مضائقہ نہیں، مگر اُدھار پر یہ معاملہ جائز نہیں۔

یہ سوال بظاہر دو مختلف جنسوں کو باہم کم و بیش فروخت کرنے کے متعلق تھا، جیسا کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

۳٦: عَنِ امْرَاَةِ اَبِىْ سُفْيَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَتْ: سَاَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقُلْتُ: بِعْتُ زَيْدَ بْنِ اَرْقَمَ جَارِيَةً اِلَى الْعَطَآءِ بِثَمَانِمِائَةٍ وَابْتَعْتُهَا مِنْهُ بِسِتِّمِائَةٍ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا: بِئْسَ وَاللّٰهِ مَا اشْتَرَيْتِ اَبْلِغِىْ زَيْدَ بْنَ اَرْقَمَ اَنَّهٗ قَدْ اَبْطَلَ جِهَادَهٗ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا اَنْ يَّتُوْبَ. قَالَتْ: اَفَرَاَيْتِ اِنْ اَخَذْتُ رَأْسَ مَالِىْ؟ قَالَتْ: لَا بَأْسَ، مَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ، وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ. (۳)

ترجمہ: حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ فرماتی ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ: میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اپنی ایک

---

(۱) کنز العمال برمز ابن ابی شیبة، ج: ۲، ص: ۲۳٤.

(۲) کنز برمز عبدالرزاق فی الجامع، ج: ۲، ص: ۲۳۲.

(۳) کنز العمال برمز عبدالرزاق فی الجامع وابن ابی حاتم، ج: ۲، ص: ۲۳۳.

کنیز (سرکاری عطا ملنے کے وقت تک) اُدھار پر آٹھ سو روپے میں فروخت کی اور پھر یہی کنیز اُن سے چھ سو روپے میں خرید لی (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گویا چھ سو روپے قرض دے کر میعادِ مقررہ پر آٹھ سو روپے کی مستحق ہوگئی، دو سو روپے نفع کے مل گئے)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: خدا کی قسم! تم نے نہایت بُرا معاملہ کیا ہے، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ تم نے یہ (سودی معاملہ کر کے) اپنا جہاد ضائع کر دیا جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا، زوجۂ ابوسفیان رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: تو یہ بتلایئے کہ اگر میں ان سے صرف اپنا رأس المال یعنی چھ سو روپے لے لوں، باقی چھوڑ دوں تو کیا گناہ سے بَری ہو جائیں گے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ہاں! جس شخص کو اس کے رَبّ کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ اپنے گناہ سے باز آ جائے تو پچھلا گناہ معاف ہو جاتا ہے، اور قرآن میں اس کا فیصلہ خود موجود ہے کہ جس نے سودی معاملہ کرلیا ہو اس کو اصل رأس المال ملے گا زیادتی نہ ملے گی۔

۳۷: عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَجُلًا قَالَ لَهُ: اِنِّيْ اَقْرَضْتُ رَجُلًا قَرْضًا فَاَهْدٰى لِيْ هَدِيَّةً. قَالَ: ثِبْهُ مَكَانَهٗ هَدِيَّةً اَوْ اِحْسَبْهَا لَهٗ مِمَّا عَلَيْهِ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ: میں نے ایک شخص کو قرض دیا تھا، اس نے مجھے ایک ہدیہ پیش کیا، تو یہ میرے لئے حلال ہے؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: یا تو اس کے ہدیہ کے بدلے میں تم بھی کوئی ہدیہ اس کو دے دو یا پھر اس ہدیہ کی قیمت ان کے قرض میں مجرا کر دو یا ہدیہ واپس کر دو، (وجہ یہ ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے کہ اس نے قرض کے بدلے میں یہ ہدیہ دیا ہو)۔ (۲)

۳۸: عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: اِذَا اَقْرَضَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ قَرْضًا فَاَهْدٰى اِلَيْهِ طَبَقًا فَلَا يَقْبَلْهُ اَوْ حَمَلَهٗ عَلٰى دَآبَّتِهٖ فَلَا يَرْكَبْهَا اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ جَرٰى

(۱) کنز العمال برمز عبدالرزاق فی الجامع، ج: ۲، ص: ۲۳۴.

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر سود دینے والا اس پر راضی بھی ہو تب بھی سود جائز نہیں ہوتا، اس میں تراضیٔ طرفین کافی نہیں۔ ۱۲ منہ

بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ مِثْلُ ذٰلِكَ. (۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: تم کسی بھائی کو قرض دو پھر وہ تمہیں کوئی طبق کھانے وغیرہ کا بطور، ہدیہ پیش کرے تو اس کا ہدیہ قبول نہ کرو، یا وہ اپنی سواری پر تمہیں سوار کرے تو تم سوار نہ ہو، بجز اس صورت کے کہ قرض دینے سے پہلے بھی ان دونوں میں اس طرح کے معاملات ہدیہ لینے دینے کے جاری ہوں تو ہدیہ لینا جائز ہے، (کیونکہ اس صورت میں یہ واضح ہے کہ یہ ہدیہ قرض کی وجہ سے نہیں دیا گیا)۔

۳۹: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ اَنَّ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَهْدٰى اِلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مِنْ ثَمَرَةِ اَرْضِهٖ فَرَدَّهَا فَقَالَ اُبَيٌّ: لِمَ رَدَدْتَّ هَدِيَّتِيْ وَقَدْ عَلِمْتَ اَنِّيْ مِنْ اَطْيَبِ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ثَمَرَةً، خُذْ عَنِّيْ مَا تَرُدُّ عَلَيَّ هَدِيَّتِيْ، وَكَانَ عُمَرُ اَسْلَفَهٗ عَشَرَةَ اٰلَافِ دِرْهَمٍ. (۲)

ترجمہ: محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنے باغ کا پھل بطورِ ہدیہ بھیجا، حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے واپس کر دیا، اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ نے شکایت کی اور عرض کیا کہ: آپ جانتے ہیں کہ میرے باغ کا پھل سارے مدینہ میں لطیف و افضل ہے (یعنی ظاہری عمدگی کے اعتبار سے یا حلال طیب ہونے کے اعتبار سے)، پھر آپ نے اس کو کیوں رَد کر دیا؟ اس کو واپس لیجئے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کو دس ہزار درہم قرض دیئے تھے، خطرہ یہ ہوا کہ کہیں یہ ہدیہ اس قرض کے عوض میں نہ ہو، بعد میں اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کی یقین دہانی اور ان کے سابقہ معاملات پر نظرِ ثانی فرما کر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے قبول فرمالیا، جیسا کہ اُوپر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایسی صورت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جس میں قرض لینے اور دینے والے کے درمیان پہلے سے ہدیہ دینے کا رواج تھا، اور یہی وجہ ہے کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پر قبولِ ہدیہ کا اصرار کرنے کے باوجود حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ کا

(۱) ابنِ ماجه باب القرض و سنن البيهقي.

(۲) كنز برمز البخاري و مسلم و عبدالرزاق في الجامع، ج: ۳، ص: ۲۳۸.

خود بھی فتویٰ یہی ہے کہ جس شخص کے ذمہ اپنا قرض ہو، اس سے ہدیہ قبول کرنا دُرست نہیں، جیسا کہ روایت نمبر ۴۰ سے واضح ہے۔ (۱)

٤٠: وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: اِذَا اَقْرَضْتَ رَجُلًا قَرْضًا فَاَهْدٰى لَكَ هَدِيَّةً فَخُذْ قَرْضَكَ وَارْدُدْ اِلَيْهِ هَدِيَّتَهٗ. (۲)

ترجمہ: اور حضرت اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جب تم کسی کو قرض دو، پھر وہ تم کو کچھ ہدیہ دے، پس اپنا قرض لے لیا کرو، اور ہدیہ لوٹا دیا کرو۔

٤١: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: اِذَا اَسْلَفْتَ رَجُلًا سَلَفًا فَلَا تَقْبَلْ مِنْهُ هَدِيَّةً كُرَاعٍ اَوْ عَارِيَةً رُكُوْبِ دَآبَّةٍ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: جب تم کسی شخص کو قرض دو تو اس کا ہدیہ گوشت کا یا عاریۃً اس کی سواری کو قبول نہ کرو۔

٤٢: عَنْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا. (۴)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو قرض کوئی نفع پیدا کرے وہ ربا ہے۔

٤٣: اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ هَلَاكًا فَشٰى فِيْهِمُ الرِّبَا، فَرُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ. (۵)

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ان میں ربا یعنی سودی کاروبار پھیل جاتا ہے۔

٤٤: عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ خَطَبَ فَقَالَ: اِنَّكُمْ تَزْعُمُوْنَ اَنَّا لَا

(۱) ظاہر یہ ہے کہ اس زمانے میں دس ہزار کی رقم کوئی معمولی رقم نہ تھی، جس کو کسی مصیبت کے رفع کرنے کے لئے لیا گیا ہو، بلکہ تجارتی قسم کا قرض ہی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) كنز برمز عبدالرزاق في الجامع، ج: ۳، ص: ۲۳۸.

(۳) ذكره في الكنز برمز عبدالرزاق في الجامع، ج: ۲، ص: ۲۳۸.

(۴) ذكره في الكنز برمز حارث بن ابي اسامة في مسند مثله في الجامع الصغير وتكلم على اسناده في فيض القدير ولكن شارحه العزيزي قال في السراج المنير قال الشيخ حديث حسن لغيره.

(۵) كنز برمز مسند الفردوس الديلمي، ج: ۲، ص: ۲۱۳.

نَعْلَمُ اَبْوَابَ الرِّبَا وَلَاَنْ اَكُوْنَ اَعْلَمَهَا اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لِيْ مِصْرُ وَكُوْرُهَا وَاِنَّ مِنْهُ اَبْوَابٌ لَا تَخْفٰى عَلٰى اَحَدٍ(۱) مِنْهَا السَّلَمُ فِي السِّنِّ وَاَنْ تُبَاعَ الثَّمْرَةُ وَهِيَ مُعْصَفَةٌ لِمَا تَطِبْ وَاَنْ يُبَاعَ الذَّهَبُ بِالْوَرِقِ نَسَآءً.(۲)

ترجمہ: حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک روز خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ: تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ ہم ابوابِ رِبا کی قسمیں نہیں جانتے، اور بلاشبہ اگر مجھے اقسامِ رِبا کی پوری حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ اس سے زیادہ محبوب ہے کہ پوری سلطنت مصر اور متعلقاتِ مصر کی مجھے حاصل ہو (لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ رِبا کی حقیقت بھی مبہم ہے، کیونکہ) رِبا کی بہت سی اقسام ہیں جو کسی پر مخفی نہیں، من جملہ ان کے ایک قسم رِبا کی یہ ہے کہ جانوروں میں بیع سلم (بدھنی) کی جائے اور ایک یہ ہے کہ پھلوں کی بیع اُن کے کچا ہونے کی حالت میں پکنے سے پہلے کر دی جائے اور یہ کہ سونے کو چاندی کے بدلے میں اُدھار پر فروخت کیا جائے۔

۴۵: عَنِ الشَّعْبِي قَالَ: قَالَ عُمَرُ: تَرَكْنَا تِسْعَةَ اَعْشَارِ الْحَلَالِ مَخَافَةَ الرِّبٰوا.(۳)

ترجمہ: حضرت شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ہم نے نوّے فی صدی حلال کو رِبا کے خوف سے چھوڑ رکھا ہے۔

اس روایت اور اس سے پہلے روایت سے یہ واضح ہو گیا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے جو اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ آیاتِ حرمتِ سود نازل ہونے کے بعد ہمیں اتنی مہلت نہ ملی کہ رِبا کی پوری تشریحات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر کے معلوم کر لیتے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رِبا کا مفہوم عرب کے نزدیک مبہم یا مجمل تھا، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی ان اقسام کی تشریحات میں کچھ ابہام رہ گیا، جن کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مفہومِ رِبا میں داخل فرمایا ہے، قرض پر نفع لینے کا رِبا جو قرآن میں مذکور ہے اس میں کوئی ابہام و اجمال نہیں۔

---

(۱) اس سے واضح ہو گیا کہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا تردّد مطلق مفہومِ رِبا میں نہیں بلکہ اس خاص رِبا میں ہے جو عرب میں پہلے معروف نہ تھا۔ ۱۲ منہ

(۲) ذكره في الكنز برمز عبدالرزاق في الجامع وعن ابي عبيد، ج:۲، ص: ۲۳۲.

(۳) ذكره في الكنز برمز عبدالرزاق في الجامع، ج:۲، ص: ۲۳۱.

٤٦ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الرَّجُلِ يَكُوْنُ لَهُ الْحَقُّ عَلٰی رَجُلٍ اِلٰی اَجَلٍ فَيَقُوْلُ: عَجِّلْ لِیْ وَاَنَا اَضَعُ عَنْكَ، لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ وَاِنَّمَا الرِّبَا: اَخِّرْ لِیْ وَاَنَا اَزِيْدُكَ، وَلَيْسَ عَجِّلْ لِیْ وَاَنَا اَضَعُ لَكَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ: ان سے کسی شخص نے سوال کیا کہ کسی شخص کے ذمہ کسی کا کوئی قرض ہو اور وہ میعادِ مقررہ سے پہلے یہ کہے کہ میرا روپیہ آپ نقد دے دیں تو میں اپنے قرض کا کوئی حصہ چھوڑ دوں گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: اس میں کوئی مضائقہ نہیں، ربا تو اس میں ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ: مجھے میعادِ مقرر سے مزید مہلت قرض میں دے دو، تو میں تمہیں اتنی رقم زیادہ دوں گا، اس میں ربا نہیں کہ میعاد سے پہلے دے دو تو اتنی رقم کم کردوں گا۔

٤٧ : عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَا تُشَارِكْ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلَا مَجُوْسِيًّا. قِيْلَ: وَلِمَ؟ قَالَ: لِاَنَّهُمْ يُرْبُوْنَ وَالرِّبَا لَا يَحِلُّ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: کسی یہودی یا نصرانی یا مجوسی کے ساتھ شرکت کا کاروبار نہ کرو۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ: یہ لوگ ربا کے معاملات کرتے ہیں اور ربا حلال نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ سودخوروں کے ساتھ کاروبار میں شرکت کرنا بھی حرام ہے۔

ارادہ کیا تھا کہ سود کی حرمت سے متعلق ایک چہل حدیث جمع کر دی جائے، جمع کرنے کے وقت چالیس سے بھی زیادہ احادیث جمع ہوگئیں۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قرآنِ کریم کی تفسیر ہوتے ہیں، ان ارشادات کے مجموعے پر جو شخص دیانت داری کے ساتھ نظر ڈالے گا اس کے سامنے سے وہ سب شبہات دُور ہوجائیں گے جو آج کل عام طور پر مسئلۂ سود کے متعلق پیش کیے جاتے ہیں (اور شروع رسالہ میں ان کے جوابات بھی لکھے گئے ہیں، یہاں پر مسئلۂ سود کے پہلے حصے کو ختم کرتا ہوں، دوسرے حصے، اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی تو بعد میں لکھے جاویں گے)، وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ۔

---

(۱) کنز برمز ابن ابی شیبة. (۲) کنز برمز عبدالرزاق فی الجامع، ج: ۲، ص: ۲۳۳.

تجارتی سود

عقل اور شرع کی روشنی میں

مندرجہ بالا رسالہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی کا تحریر فرمودہ ہے جس میں حضرت شیخ الاسلام دامت برکاتہم نے مسئلہ سود سے متعلق جناب یعقوب شاہ صاحب کے سوالات اور جناب محمد جعفر شاہ صاحب پھلواری کی تالیف کردہ کتاب کا مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا ہے جس میں سوال و جواب کے دوران بعض اضافی علمی تحقیقات مندرج ہیں، اگرچہ موضوع سے متعلقہ ابحاث آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں لیکن موضوع کی جامعیت کے پیشِ نظر مختلف سوالات اور ان کے تحقیقی جوابات مزید علمی نکات اور اضافات سے خالی نہیں، لہٰذا اس رسالہ کو بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے۔ ۱۲ محمود احمد

حرفِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

کافی عرصہ ہوا جناب یعقوب شاہ صاحب آڈیٹر جنرل پاکستان نے ''سود سے متعلق چند سوالات'' کے نام سے ایک سوال نامہ مرتب کیا تھا، جس میں انہوں نے مختلف علمائے کرام کے سامنے اپنے وہ اِشکالات پیش کئے تھے جو انہیں تجارتی سود کی حرمت پر پیش آئے، انہوں نے بلیغ جستجو اور تحقیق و تفتیش کرنے کے بعد اپنے وہ تمام نکات اس سوال نامے میں لکھ دیئے تھے جن کے تحت وہ یہ سمجھتے تھے کہ تجارتی سود حلال ہونا چاہئے۔

اس سوال نامے کی ایک کاپی میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی کے پاس بھی آئی، یہ سوال نامہ عرصہ تک والد صاحب مدظلہم کے پاس رکھا رہا اور آپ اس پر ہجومِ مشاغل کے سبب کچھ تحریر نہ فرما سکے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جناب ماہرالقادری (مدیر ''فاران'' کراچی) نے اسی مسئلے پر ایک اور کتاب والد صاحب مدظلہم کو تبصرے کے لئے دی، جو ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کے رفیق جناب محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی کی تألیف کردہ تھی، اس کا ایک جزء جناب یعقوب شاہ صاحب کا سوال نامہ بھی تھا اور پھر جناب جعفر شاہ صاحب نے اسی کے جواب میں تجارتی سود کی فقہی حیثیت سے بحث کی تھی اور یہ ثابت کرنا چاہا تھا کہ تجارتی سود حرام نہیں۔

یہ کتاب بھی کافی دنوں تک والد صاحب قبلہ کے پاس رکھی رہی اور بے شمار مصروفیات کے سبب والد صاحب اس پر بھی کچھ تحریر نہ فرما سکے، بالآخر یہ دونوں چیزیں احقر کو عنایت فرمائیں اور حکم دیا کہ اس پر میں کچھ لکھوں، علمی بے مائیگی کے باوجود تعمیلِ حکم کے لئے احقر نے اپنی بساط کے مطابق غور و فکر اور تحقیق کر کے کچھ لکھ دیا، اب یہ موصوف کی نظرِ ثانی اور اصلاح و ترمیم کے بعد آپ کے سامنے ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ آج کل دُنیا میں سود کی دو صورتیں متعارف ہیں:

ا: مہاجنی سود، جو کسی وقتی اور شخصی ضرورت کے واسطے لیے ہوئے قرض (Usury) پر لیا جائے۔

۲: تجارتی سود، جو کسی نفع آور (Productive) کام کے واسطے لیے ہوئے قرض پر لیا جائے۔

قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماعِ اُمت سود کی ہر قسم اور ہر شعبے کو سخت ترین حرام قرار دیتے ہیں، اور پہلی قسم کو تو سود کو حلال قرار دینے والے حضرات بھی حرام ہی کہتے ہیں۔ محترم یعقوب شاہ صاحب اور محمد جعفر شاہ صاحب پھلواروی کو سود کی جس صورت کے حرام ہونے میں شبہ ہے وہ سود کی دُوسری صورت یعنی تجارتی سود ہے، اس لئے ہم بھی اپنے اس مقالے میں تجارتی سود ہی سے بحث کریں گے، مہاجنی سود ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے۔

ان صفحات میں اُن دلائل کا جائزہ لینا مقصود ہے جو تجارتی سود کے جواز پر پیش کیے گئے ہیں، واللہ المستعان۔

۲۶/اگست ۱۹۶۱ء

محمد تقی عثمانی

(۱۷۸- گارڈن ایسٹ، کراچی)

فقہی دلائل

پہلے ان دلائل کو لیجئے جو تجارتی سود کو جائز قرار دینے والے حضرات فقہی زاویۂ نگاہ سے پیش کرتے ہیں، ان حضرات کے دو گروہ ہو گئے ہیں، بعض تو وہ ہیں جو اپنے استدلال کی بنیاد اس بات پر رکھتے ہیں کہ تجارتی سود عہدِ رسالت میں رائج تھا یا نہیں؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں حرام سود کے لئے "اَلرِّبٰوا" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس سے مراد سود کی وہ مخصوص شکل ہے جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یا آپ ﷺ سے پہلے عہدِ جاہلیت میں رائج تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآنِ کریم کے بلاواسطہ مخاطب اہلِ عرب ہیں، ان کے سامنے جب "اَلرِّبٰا" کا ذکر کیا جائے گا تو مراد وہی ''رِبا'' ہوگا جو ان کی نگاہ میں جانا پہچانا و معروف ہو، اور جب ہم اس زمانے میں سود کی مروّجہ صورتوں میں جستجو کرتے ہیں تو ہمیں کہیں تجارتی سود کی شکل نہیں دِکھائی دیتی، تجارتی سود اہلِ یورپ کی ایجاد ہے اور صنعتی انقلاب کے بعد جب صنعت و تجارت کو فروغ نصیب ہوا ہے اس وقت تجارتی سود (Commercial Interest) کا لین دین شروع ہوا ہے، لہٰذا جن آیات سے سود کی حرمت معلوم ہوتی ہے ان سے تجارتی سود کے حرام ہونے پر استدلال صحیح نہیں۔

ہم پہلے اسی گروہ کے اس استدلال کا جائزہ لیتے ہیں۔

ہماری نظر میں ان حضرات کا یہ استدلال بہت سطحی ہے، اس لئے کہ ان حضرات نے اپنی اس دلیل کی اس عمارت کو دو ہی ستونوں پر کھڑا کیا ہے، ایک تو یہ کہ "اَلرِّبٰوا" سے مراد ''رِبا'' کی وہی شکل و صورت ہے جو زمانۂ رسالت میں رائج تھی، اور دُوسرے یہ کہ تجارتی سود اس زمانے میں رائج نہیں تھا، اور ان ستونوں کو ذرا سی توجہ سے ٹھونک بجا کر دیکھئے تو فوراً معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں کھوکھلے ہیں۔

اوّل تو یہ بات ہی بے وزن ہے کہ ''رِبا'' کی جو شکل و صورت عہدِ جاہلیت میں رائج نہ ہو وہ حرام نہیں، اس لئے کہ اسلام کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دیتا ہے تو اس کی ایک حقیقت سامنے ہوتی ہے، اسی پر اَحکام کا دار و مدار ہوتا ہے، شکل و صورت کے بدلنے سے اَحکام میں کوئی فرق نہیں آتا۔ قرآن نے "اَلْخَمْرُ" (شراب) کو حرام قرار دیا ہے، زمانۂ نبوت میں وہ جس شکل و صورت کے ساتھ معروف

تھی اور اس کے بنانے کے جو طریقے رائج تھے وہ سب بدل گئے مگر چونکہ حقیقت نہیں بدلی اس لئے حکم بھی نہیں بدلا، وہ بدستور حرام رہی۔ "اَلْفَحْشَآءُ" (بدکاری) کی صورتیں اس زمانے میں کچھ اور تھیں، آج کچھ اور ہیں، زمین و آسمان کا تفاوت ہے، مگر بدکاری، بدکاری ہی ہے، اور قرآن کے وہی اَحکام اس پر نافذ ہیں۔ سود اور قمار کا بھی یہی حال ہے، اس زمانے میں اس کی جو شکل و صورت معروف تھی، آج اس سے بہت مختلف صورتیں رائج ہیں، مگر جس طرح مشینوں اور سائنٹفک طریقوں سے کشید کی ہوئی شراب، شراب ہے، اور سینماؤں اور کلبوں کے ذریعے پیدا کی ہوئی آشنائیاں اور ان کے نتیجے میں بدکاریاں، بدکاریاں ہی ہیں تو اگر سود اور قمار کو نئی شکل دے کر بینکنگ یا لاٹری کا نام دے دیا جائے تو اس سے اس کے اَحکام کیوں بدلیں؟ یہ تو ایسا ہی ہوگیا جیسے کسی ہندوستانی ماہرِ موسیقی نے عرب کے بدوؤں کا گانا سن کر کہا تھا کہ قربان جایئے اپنے نبی ﷺ کے! انہوں نے ان لوگوں کا گانا سنا اس لئے حرام قرار دے دیا، یہ بے شک حرام ہی ہونا چاہئے، اگر ہمارا گانا سنتے تو کبھی حرام نہ کہتے۔

قرآن نے جو سود کی حرمت کا حکم دیا ہے اُسے احتیاجی اور صَرفی سود کے ساتھ مخصوص کرنے کی حیثیت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

کیا تجارتی سود عہدِ رسالت میں رائج نہ تھا؟

پھر اس دلیل کا دُوسرا مقدمہ بھی دُرست نہیں کہ "کمرشل انٹرسٹ" عہدِ جاہلیت میں رائج نہ تھا، یہ کہنا دراصل تاریخ اور روایات سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ جاہلیتِ عرب اور پھر اسلامی دور کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس زمانے میں سود کا لین دین صرف احتیاجی اور صَرفی قرضوں پر نہیں تھا بلکہ تجارتی اغراض اور نفع بخش مقاصد کے لئے بھی قرض لیے اور دیئے جاتے تھے، ذرا ان روایتوں کو خوب غور سے دیکھئے:

۱: كانت بنو عمرو بن عامر يأخذون الرّبٰوا من بنی المغيرة و كانت بنو المغيرة يُربون لهم فی الجاهلية فجاء الاسلام و لهم عليهم مالٌ كثير. (۱)

ترجمہ: جاہلیت کے زمانے میں بنوعمرو بن عامر، بنومغیرہ سے سود لیتے تھے، اور بنومغیرہ انہیں سود دیتے تھے، چنانچہ جب اسلام آیا تو ان پر ایک بھاری مال واجب تھا۔

(۱) درمنثور بحوالہ اُبن جریر عن ابن جریج، ج:۱، ص:۳۶۶۔

اس روایت(۱) میں عرب کے دو قبیلوں کے درمیان سودی لین دین کا ذکر کیا گیا ہے، یہ بات ذہن میں رکھئے کہ ان قبیلوں کی حیثیت تجارتی کمپنیوں جیسی تھی، ایک قبیلے(۲) کے افراد اپنا مال ایک جگہ جمع کر کے اجتماعی انداز میں اس سے تجارت کیا کرتے تھے، پھر یہ قبیلے اچھے خاصے مال دار بھی تھے، اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ کیا دو مال دار قبیلوں کے درمیان سود کا مسلسل کاروبار کسی ہنگامی ضرورت کے لئے ہوسکتا ہے؟ یقیناً یہ لین دین تجارتی بنیادوں پر تھا۔

اس دلیل پر جناب یعقوب شاہ صاحب نے دسمبر ۱۹۶۱ء کے ماہنامہ ''ثقافت'' میں یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ قرض تجارتی نہیں زراعتی ہوتے تھے، اس پر انہوں نے ایک روایتی تائید بھی پیش کی ہے، مگر ہماری نظر میں اوّل تو ابوسفیان کے قافلۂ تجارت سے اس کی صاف تردید ہو جاتی ہے اور اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ قرض، خواہ تجارتی ہو یا زراعتی ہو، بہرحال نفع آور تھا اور اگر نفع بخش اغراض کے لئے زراعتی سود ناجائز ہوسکتا ہے تو تجارتی سود کی وجۂ جواز اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ یورپ کی منڈیوں میں اب زیادہ ضرورت تجارتی سود ہی کی ہے، اُسے حلال کرنا پیش نظر ہے۔

رہا یہ کہنا کہ ''یہ طرزِ فکر آج کل کے ترقی یافتہ طریقۂ زراعت کا آئینہ دار ہے جس میں مشینوں اور مصنوعی کھاد پر زور دیا جاتا ہے، ورنہ پرانے زمانے میں کاشت کار جو قرض لیتے تھے وہ احتیاجی اور صَرفی ہوتے تھے'' تو یہ بہت بعید سی بات ہے، اس لئے کہ قدیم زمانے میں بھی زراعت پیشہ لوگ بڑے مال دار ہوتے تھے اور بڑے اُونچے پیمانے پر بھی زراعت کی جاتی تھی، پھر اس روایت میں تو قبیلوں کے اجتماعی قرض کا ذکر ہے، انفرادی قرض نہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پورے کے پورے قبیلے کے قرض کو ''صَرفی اور احتیاجی'' کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے؟

---

(۱) خلیفۂ وقت نے مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے ہوئے کہا کہ: ''بنی ثقیف پر جو میری سود کی رقم ہے اسے بھی بغیر لیے نہ چھوڑنا'' (ترجمہ سیرت ابن ہشام ج:۱ص:۴۲۰) اس میں مقروض ایک قبیلہ ہے جو شخصی یا وقتی غرض سے ہرگز قرض نہیں لے سکتا، یقیناً اس کی حیثیت ملکی قرضوں کی سی ہے۔۱۲ (محمد تقی عثمانی)

(۲) اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوسکتا ہے جو جنگ بدر کا محرک بنا، ابوسفیان رضی اللہ عنہ (حالتِ کفر میں) ایک تجارتی قافلہ شام سے لے کر آرہے تھے اور اس کے بارے میں تاریخ کہتی ہے کہ اس میں مکہ کے ہر فرد کا حصہ تھا۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''شرح المواهب اللدنية'' میں لکھتے ہیں:

لم يبق قرشيّ ولا قرشية لهٗ مثقال الا بعث به في العير۔ (ج:۱،ص:۴۱۱)

ترجمہ: کوئی قریشی مرد ہو یا عورت ایسا نہ تھا جس کے پاس ایک درہم ہو اور وہ اس نے قافلے میں نہ بھیجا ہو۔

ایک بہت واضح دلیل

۲: درمنثور ہی میں علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے:

من لم يترك المخابرة فليؤذن بحرب من الله ورسوله. (۱)

ترجمہ: جو شخص ''مخابرۃ'' نہ چھوڑے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لے۔

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''مخابرۃ'' کو سود ہی کی ایک صورت قرار دے کر ناجائز قرار دیا، اور جس طرح سود خور کے خلاف خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ جنگ کیا ہے، اسی طرح ''مخابرۃ'' کرنے والے کے خلاف بھی کیا۔

''مخابرۃ'' بٹائی کی ایک صورت ہے، اور وہ یہ کہ زمین دار کسی کاشت کار کو اپنی زمین اس معاہدے پر دے کہ کاشت کار اس کو غلہ کی ایک معین مقدار دیا کرے۔ فرض کیجئے کہ آپ کی ایک زمین ہے اور آپ وہ زید کو اس معاہدے پر کاشت کے لئے دیں کہ وہ غلے کی ایک معین مقدار مثلاً پانچ من ہر فصل پر آپ کو دیتا رہے گا، خواہ اس کی پیداوار کم ہو یا زیادہ یا بالکل نہ ہو۔ یا مثلاً یہ معاہدہ طے ہو کہ جتنی پیداوار پانی کی نالیوں کے قریبی حصوں پر ہوگی وہ آپ کو دے دے اور باقی کاشت کار کا ہے، یہ معاملہ ''مخابرۃ'' کہلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے کو ''رِبا'' کی ایک شکل قرار دے کر حرام فرمایا ہے، اب آپ ہی غور فرمائیں کہ یہ معاملہ رِبا کی کون سی صورت سے متعلق ہے؟ صَرفی اور احتیاجی سود سے یا تجارتی سود سے؟ ظاہر ہے کہ یہ صورت تجارتی سود سے مشابہ ہے، جس طرح تجارتی سود میں قرض دینے والا قرض کی رقم کسی نفع آور کام میں لگاتا ہے، اسی طرح مخابرہ میں کاشت کار زمین کو نفع آور کام میں لگا دیتا ہے، صَرفی اور احتیاجی سود میں ایسا نہیں ہوتا۔

پھر جو علتِ تحریم ''مخابرۃ'' کو ناجائز قرار دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کاشت کے بعد کُل پیداوار پانچ من ہی ہو اور بے چارے کاشت کار کو کچھ بھی نہ ملے، یہی علت تجارتی سود میں بھی پائی جاتی ہے کہ ممکن ہے جو رقم قرض لے کر تجارت میں لگائی گئی ہے اس سے صرف اتنا ہی نفع ہو جتنا کہ اسے سود میں دے دینا ہے یا اتنا بھی نہ ہو (جس کی پوری تفصیل آگے آ رہی ہے)، اور یہ علت صَرفی اور احتیاجی سود میں نہیں پائی جاتی ہے، کیونکہ مقروض قرض کی رقم کسی تجارت میں نہیں لگاتا، اس کے

(۱) ابوداؤد و حاکم۔

حرام ہونے کی علت کچھ اور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ''مخابرہ'' کو ''ربا'' میں داخل فرمایا اور مخابرہ، صَرفی سود کے مشابہ نہیں ہوسکتا، وہ تجارتی سود کے مشابہ ہے، اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ عہدِ رسالت میں نفع بخش کاموں میں لگانے کے لئے سودی لین دین کا رواج تھا اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ سود حرام ہے۔

ایک اور دلیل

اب آپ ایک اور روایت پر غور فرمایئے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليأتين على الناس زمان لا يبقى أحد الا اكل الرّبٰوا فمن لم يأكلهٗ أصابه من غباره.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ ضرور آئے گا جس میں کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے گا جس نے سود نہ کھایا ہو، اور اگر کسی نے نہ کھایا ہوگا تو اس کا غبار اس تک ضرور پہنچا ہوگا۔

اس روایت میں آنحضرت ﷺ نے ایک ایسے زمانے کی خبر دی ہے جس میں سود خوری بہت عام ہو جائے گی، اگر اس سے مراد موجودہ زمانہ ہے (جیسا کہ ظاہر بھی ہے) تو آپ غور فرمایئے کہ اس زمانے میں کون سے سود کو اس قدر عموم حاصل ہوا ہے جس سے بچنا مشکل ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ اس زمانے میں تجارتی سود عام ہو رہا ہے اور مہاجنی سود گھٹتا جا رہا ہے۔

اور اگر حدیث میں جس زمانے کی پیش گوئی کی گئی ہے اس سے مراد کوئی آئندہ زمانہ ہے تو اوّل تو بظاہر تجارتی سود ہی بڑھے گا اور مہاجنی سود گھٹتا رہے گا، اور دُوسرے عقلاً بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مہاجنی سود کے رواجِ عام سے ہر شخص تک اس کا اثر ضرور پہنچے، یہ بات بہت بعید ہے کہ دُنیا میں بسنے والوں کی اکثریت مہاجن بن جائے اور سود لے لے کر کھاتی رہے، اور پھر اگر ایسا ہو بھی تو جو لوگ سود پر قرض لیں گے کم از کم وہ تو سود کا غبار کھانے سے بھی بچے رہیں گے، حالانکہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا غبار تو ضرور ہی پہنچے گا۔

سود کا ایسا رواجِ عام جس سے کہ ہر کس و ناکس کو اس کا کچھ نہ کچھ غبار ضرور پہنچے، تجارتی سود

---

(۱) درمنثور بحوالہ اُبوداؤد وابن ماجہ۔

ہی میں ممکن ہے، جیسا کہ بینکنگ کے موجودہ نظام میں ہو رہا ہے۔ تقریباً آدھی دُنیا کا روپیہ بینکوں میں جمع رہتا ہے جس پر انہیں سود دیا جاتا ہے، بڑے سرمایہ داران بینکوں سے سود کا لین دین کرتے ہیں اور چھوٹے تاجر بینک میں روپیہ جمع رکھتے ہیں، پھر بینکنگ کچھ اتنے بڑے پیمانے پر ہونے لگی ہے کہ ہر ایک بینک میں سینکڑوں کی تعداد میں لوگ نوکری کرتے ہیں، اس طرح کسی نہ کسی درجے میں سود کی نجاست میں ملوّث ہو جاتے ہیں، اور جو لوگ براہِ راست ملوث نہیں ہوتے تو وہ مال جو بذریعہ سود حاصل کیا جاتا ہے جب اس کی گردش ملک میں ہوتی ہے تو بالواسطہ ہی سہی مگر سود کے پیسے سے ہر شخص ملوّث ہو جاتا ہے، جس کو حدیث میں ''سود کا غبار'' کہا گیا ہے، اور جس سے بچنے کا دعویٰ کوئی بڑے سے بڑا متقی بھی نہیں کر سکتا۔

اس لئے رسولِ کریم ﷺ کا مذکورہ بالا ارشاد تجارتی سود ہی کے بارے میں ہو سکتا ہے۔

حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ

اس کے علاوہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا جو طرزِ عمل اس سلسلے میں روایات سے ثابت ہوتا ہے وہ بڑی حد تک اس طریقے سے مشابہ ہے جو آج بینکنگ کے نظام میں رائج ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنی امانت و دیانت کے اعتبار سے مشہور تھے، اس لئے بڑے بڑے لوگ ان کے پاس اپنی امانتیں جمع کرایا کرتے تھے اور اپنی مختلف ضروریات کی بنا پر وہ اپنی پوری یا تھوڑی رقمیں واپس بھی لیتے رہتے تھے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں بخاری کی کتابُ الجهاد، باب بركة الغازى فى ماله، اور طبقاتِ ابنِ سعدؒ میں بہ ضمن طبقات البدريين من المهاجرين یہ تصریح موجود ہے کہ یہ لوگوں کی رقموں کو بطورِ امانت رکھنا منظور نہیں کرتے تھے بلکہ یہ کہہ دیا کرتے تھے:

"لَا وَلٰكِنْ هُوَ سَلَفٌ."

''یہ امانت نہیں قرض ہے۔''

اس کا مقصد کیا تھا؟ شارحِ بخاری حافظ ابنِ حجرؒ کی زبانی سنئے:

> وكان غرضهٗ بذٰلك انهٗ كان يخشى على المال أن يضيع فيظنّ به التقصير فى حفظه فراى أن يجعلهٗ مضمونًا فيكون أوثق لصاحب المال أبقى لمروته، وزاد ابن بطال ليطيب لهٗ ربح ذٰلك المال.(۱)

ترجمہ: اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ انہیں خطرہ تھا کہ کہیں مال ضائع نہ ہو

(۱) فتح الباری، ج:۶، ص:۱۷۵۔

ہند بنت عتبہ کا واقعہ

۶: علامہ طبریؒ نے سنہ ۲۳ھ کے واقعات میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

ان هندًا بنت عتبةَ قامت الى عمرو بن الخطاب فاستقرضتهٗ من بيت المال أربع الافٍ تتجر فيها وتضمنها فأقرضها فخرجت الى بلاد كلب فاشترت وباعت......الخ۔

ترجمہ: ہند بنت عتبہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور بیت المال سے چار ہزار قرض مانگے تاکہ ان سے تجارت کرے اور ان کی ضامن ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دے دیئے، چنانچہ وہ بلادِ کلب میں گئی اور مال خرید کر فروخت کیا۔

اس میں خاص تجارت کے نام سے روپیہ قرض لینے اور دینے کا ذکر ہے، کیا اس کے بعد بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرونِ اُولیٰ میں تجارت کے لئے قرض لینے دینے کا رواج نہ تھا؟ ہاں! یہ صحیح ہے کہ اس قرض پر سود لینے دینے کا رواج اَحکامِ قرآنی نازل ہونے کے بعد نہ رہا تھا، جیسا کہ اس واقعے میں چار ہزار قرض بلاسود دینا مذکور ہے۔

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما رضی اللہ عنہما کا واقعہ

مؤطا امام مالکؒ میں ایک لمبی روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ اور حضرت عبید اللہ رضی اللہ عنہما ایک لشکر کے ساتھ عراق گئے، لوٹتے وقت حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ملنے گئے، انہوں نے فرمایا کہ: اگر میرے لئے آپ کو کوئی نفع پہنچانا ممکن ہوا تو ضرور پہنچاؤں گا، پھر فرمایا کہ: میرے پاس بیت المال کی ایک رقم ہے، میں وہ امیر المؤمنین کو بھیجنا چاہتا ہوں، وہ میں آپ کو قرض دیتا ہوں، آپ اس سے مالِ تجارت لے کر جائیں اور مدینہ جاکر فروخت کریں اور اصل رقم امیر المؤمنین کو پہنچا کر منافع خود رکھ لیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (۱)

اس واقعے میں بھی تجارت ہی کے لئے قرض لیا گیا ہے۔

عہدِ سلف کے یہ چند واقعات سرسری نظر میں سامنے آئے، اگر باقاعدہ جستجو کی جائے تو اور بھی بہت مل سکتے ہیں، لیکن ان سب کو جمع کر کے مضمون کو طول دینا بے حاصل ہی ہوگا، مذکورہ سات

(۱) مؤطا مالک، ص: ۴۸۵، کتاب القراض۔

جائے اور یہ سمجھا جائے کہ انہوں نے اس کی حفاظت میں کوتاہی کی ہوگی، اس لئے انہوں نے یہ مناسب سمجھا کہ اسے (قرض بنا کر) بہر صورت واجب الادا قرار دے لیں تاکہ مال والے کو بھروسا زیادہ رہے اور ان کی ساکھ بھی قائم رہے۔ ابن بطالؒ نے یہ بھی فرمایا کہ: وہ ایسا اس لئے بھی کرتے تھے تاکہ اس مال سے تجارت کرنا اور فائدہ کمانا ان کے لئے جائز ہو جائے۔

اس طریقے سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کتنی بڑی رقمیں ہو جاتی تھیں؟ اس کا اندازہ طبقاتِ ابنِ سعدؒ کی اس روایت سے کیجئے:

قال عبداللّٰه بن الزبير: فَحَسَبْتُ مَا عليه من الديون فوجدتهٗ ألفى ألفى ومائتى ألف.(۱)

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے ان کے ذمے واجب الادا قرضوں کا حساب لگایا تو وہ بائیس لاکھ نکلے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جیسے متمول صحابی پر یہ بائیس لاکھ روپے کا قرض ظاہر ہے کہ کسی صَرفی اور وقتی ضرورت کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ امانتوں کا سرمایہ تھا اور یہ تمام سرمایہ کاروبار ہی میں مشغول تھا، کیونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے وفات سے قبل اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہماری تمام املاک کو فروخت کر کے یہ رقم ادا کی جائے، اس کی تصریح بھی طبقاتِ ابنِ سعدؒ ہی میں موجود ہے: "یا بُنَیّ! بع مالنا واقض دَینی" (بیٹے! ہمارا مال فروخت کر کے قرضہ ادا کرنا)۔(۲)

پانچویں شہادت

امام بغویؒ نے بروایتِ عطاءؒ وعکرمہؒ ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی ایک سودی رقم کسی تاجر کے ذمے واجب تھی، اس کا مطالبہ کیا گیا تو حرمتِ ربا کی آیات کے تحت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے روک دیا اور سود کی رقم چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

اس روایت میں تصریح ہے کہ حضرت عباس اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے یہ رقم ایک تاجر کو قرض دی تھی۔

---

(۱) طبقات، ج:۳، ص:۱۰۹۔ (۲) حوالہ بالا۔

پختہ شہادتیں ایک منصف مزاج انسان کو یہ رائے قائم کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ تجارتی قرضے اس نئے دورِ تہذیب ہی کی ایجاد نہیں بلکہ ان کا رواج اہلِ عرب میں قدیم زمانے سے تھا۔ ہم نے جو روایات اُوپر پیش کی ہیں ان سے قدرِ مشترک کے طور پر یہ بات بوضاحت سامنے آ جاتی ہے کہ تجارتی قرض اور ان پر سود کا لین دین اہلِ عرب کے معاشرے میں کوئی نامانوس اور اچنبھے کی بات نہ تھی بلکہ اس کا بھی اسی طرح عام رواج تھا جس طرح حاجت مندانہ اور صَرفی قرضوں کا۔

دوسرا گروہ

تجارتی سود کو جائز کہنے والوں کا دُوسرا گروہ وہ ہے جو اپنے استدلال کی بنیاد سود کے عہدِ جاہلیت میں رائج ہونے یا نہ ہونے پر نہیں رکھتا، بلکہ وہ اس کے جواز پر کچھ اور ایجابی دلائل پیش کرتا ہے، اس گروہ نے کئی دلائل پیش کیے ہیں، ہم ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ لیتے ہیں۔

کیا تجارتی سود میں ظلم نہیں؟

ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اس بات کا نفسِ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کہ تجارتی سود کا رواج عہدِ رسالت میں تھا یا نہیں، لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ سود کی رُوح تجارتی سود میں پائی جاتی ہے یا نہیں؟

ان کا یہ کہنا کہ سود کے حرام ہونے کی علت یہ ہے کہ اس میں قرض لینے والے کا نقصان ہوتا ہے، اس بے چارے کو محض اپنی تنگ دستی کے ''جرم'' میں ایک چیز کی قیمت اس کی اصل قیمت سے زائد دینی پڑتی ہے، اور دُوسری طرف قرض دینے والا اپنے فاضل سرمایہ سے بغیر کسی محنت کے مزید مال وصول کرتا ہے جو سراسر ظلم ہے، لیکن یہ علت تجارتی سود میں نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں قرض دار اور قرض خواہ دونوں کا فائدہ ہے، قرض دار قرض کی رقم کو تجارت میں لگا کر نفع حاصل کر لیتا ہے اور قرض خواہ قرض کی رقم پر سود لے کر، اس لئے اس میں کسی کے ساتھ ناانصافی اور ظلم نہیں ہوتا۔

یہ دلیل آج کل لوگوں کو بہت اپیل کرتی ہے اور بظاہر بڑی خوشنما ہے لیکن آپ تھوڑا سا غور و فکر کیجئے تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ یہ بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی، اس دلیل کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ تجارتی سود میں کسی کا نقصان نہیں، کیونکہ حرمتِ سود کی حکمت صرف وہ نہیں جو حامیانِ تجارتی سود نے پیش کی ہے، اس کے بہت سے اسباب ہیں، من جملہ ان کے ایک حکمت وہ بھی ہے کہ کسی فریق کا نقصان اس میں ضرور ہوتا ہے اور نقصان والا معاملہ ناجائز ہوتا ہے، مگر تھوڑے سے

تغیر کے ساتھ ان حضرات نے تو بات یہیں تک ختم کر دی ہے کہ ایک فریق کا نقصان اور دُوسرے کا فائدہ ہو تو معاملہ ناجائز ہوتا ہے اور دونوں کا فائدہ ہو تو جائز، حالانکہ بات یہیں تک محدود نہیں بلکہ اگر دونوں کا فائدہ ہو سکتا ہو مگر ایک کا فائدہ یقینی ہو اور دُوسرے کا یقینی نہ ہو، مشتبہ ہو، تب بھی معاملہ ناجائز ہوتا ہے، جیسا کہ ''مخابرہ'' کی صورت میں آپ معلوم کر چکے۔

جناب یعقوب شاہ صاحب دسمبر ۱۹۶۱ء کے ماہنامہ ''ثقافت'' میں اس پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

> کیا قرآن مجید میں کوئی ایسا حکم موجود ہے جو اس منافع کی رقم کو مشتبہ رکھ لینے کی جگہ معین کر لینے کو ممنوع قرار دیتا ہے؟

ہم اس کے جواب میں ان سے بصد ادب یہ پوچھیں گے کہ ''مخابرہ'' کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اعلانِ جنگ کیوں قرار دیا ہے؟ صرف اور صرف اس لئے کہ اس میں ایک فریق کا معین نفع ہے اور ایک کا مشتبہ۔

اب دیکھ لیجئے کہ یہ علت تجارتی سود میں بھی پائی جاتی ہے یا نہیں؟

ظاہر ہے کہ قرض لینے والا جو مال تجارت میں لگاتا ہے اس میں یہ کوئی ضروری نہیں کہ اُسے نفع ہی ہو، یا نفع ہو تو اتنی مقدار میں کہ وہ سود ادا کرنے کے بعد بھی بچ رہے، ہو سکتا ہے کہ اسے تجارت میں خسارہ آجائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نفع اتنا کم ہو کہ سود ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے، یا نفع تو زیادہ ہو مگر اس کے حاصل کرنے میں اتنی مدت صَرف ہو جائے کہ اس کی وجہ سے سود کی رقم اصل مال سے بھی بڑھ گئی ہو۔ فرض کیجئے کہ آپ نے کسی شخص سے ایک ہزار روپے، تین روپے فیصد سالانہ کی شرحِ سود سے قرض لیا اور کسی تجارت میں لگا دیا، اب اس میں مندرجہ ذیل عقلی احتمالات ہیں:

۱: آپ کو ایک ہی سال میں پانچ سو روپے کا فائدہ ہو گیا تو آپ فائدے میں رہے کہ تیس روپے قرض خواہ کو دے کر باقی سب آپ نے لے لیا۔

۲: آپ کو ایک سال میں کُل ساٹھ روپے کا نفع ہوا، اس میں سے تیس آپ قرض خواہ کو دیں گے اور تیس اپنے پاس رکھیں گے۔

۳: آپ کو پانچ سال میں دو سو روپے کا فائدہ ہوا، اس میں سے ڈیڑھ سو قرض خواہ کو دے دیں گے اور پچاس آپ کے پاس رہیں گے۔

۴: آپ کو پانچ سال میں ڈیڑھ سو ہی کا فائدہ ہوا تو آپ سارا نفع سود ہی میں دے دیں گے، آپ کے پاس کچھ نہ بچے گا۔

۵: آپ کو ایک سال میں کُل تیس روپے کا فائدہ ہوا تب بھی آپ وہ سارا سود میں دے دیں گے، آپ کے پاس ایک پیسہ بھی نہ رہے گا۔

۶: آپ کو ایک سال ہی میں کُل دس روپیہ کا فائدہ ہوا تو آپ وہ تو ساہوکار کو دیں گے ہی، آپ کو اپنی جیب سے بیس روپے مزید دینے پڑیں گے۔

۷: آپ نے ایک سال تک تجارت کی مگر ایک پیسے کا نفع بھی نہ ہوا تو محنت بھی بے کار گئی اور تیس روپے اپنی جیب سے دینے پڑے۔

۸: اور اگر آپ نے دس سال تک تجارت کی اور پھر بھی کوئی نفع نہ ہوا تو آپ کو تین سو روپے بھگتنے پڑیں گے۔

۹: آپ نے ایک سال تک تجارت کی مگر اس میں سو روپے کا نقصان ہو گیا تو آپ کو یہ نقصان بھی بھگتنا ہوگا اور تیس روپے علیحدہ دینے ہوں گے۔

۱۰: آپ نے دس سال تک تجارت کی اور اس میں سو روپے کا نقصان ہو گیا تو نقصان بھی آپ کی گردن پر رہا اور تین سو روپے سود کے اس کے علاوہ ہیں۔

ان دس صورتوں میں سے صرف پہلی اور دُوسری صورت تو ایسی ہے جس میں دونوں کا فائدہ ہے، کسی کا نقصان نہیں، باقی تمام صورتوں میں آپ کا نقصان ہے کہ کہیں آپ کو ساہوکار سے کم نفع ہوا، کہیں کچھ بھی نہ ہوا اور کہیں اُلٹا نقصان ہوا، کہیں اس وجہ سے کہ تجارت بارآور نہ ہوئی، کہیں اس وجہ سے کہ نفع تو ہوا مگر سود میں چلا گیا، لیکن ان تمام صورتوں میں ساہوکار کا فائدہ کہیں نہیں گیا، اُسے ہر جگہ نفع ملتا رہا ہے۔

اب آپ بنظرِ انصاف غور فرمایئے کہ یہ بھی کوئی معقول معاملہ ہے جس میں دو ایک ہی جیسے افراد میں سے ایک کا کبھی نقصان ہوتا ہے کبھی نفع، اور دُوسرا نفع ہی بٹورتا رہتا ہے؟ اس معاملے کو کون سی شریعت اور کون سی عقل گوارا کر سکتی ہے؟

اس پر جناب یعقوب شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ:

> تجارت کے لئے روپیہ سود پر اس واسطے لیا جاتا ہے کہ قرض لینے والے کو شرحِ سود سے کئی گنا زائد نفع کی اُمید ہوتی ہے اور اکثر یہ اُمید بَر آتی ہے، ورنہ پیداواری سود کو اس قدر فروغ حاصل نہ ہوتا۔ ایسے قرض دینے والے کو ایک چھوٹی رقم مقررہ وقت پر ملتی رہتی ہے اور اس کے برخلاف قرض لینے والا اکثر اس رقم سے کئی گنا فائدہ کما لیتا ہے اور کبھی اس کو نقصان بھی ہوتا ہے مگر اس

خطرے کو قبول کرنا تجارت کا عام مسلک ہے، اور یہ ایسی چیز نہیں اور اس سے ایسی خرابیاں پیدا نہیں ہوتیں کہ فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کی سزا کی مستحق ہوں۔ (۱)

اس کے جواب میں ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ نفع کی اُمید ہونا اس بات کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتا کہ وہ معاملہ جائز ہے، اس لئے کہ نفع کی اُمید تو کاشت کار کو "مخابرہ" کی صورت میں بھی ہوتی ہے اسی لئے تو وہ یہ معاملہ کر لیتا ہے، مگر اس کے باوجود بصراحتِ حدیث "مخابرہ" ناجائز ہے اور اس کے بارے میں "فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ...... الخ" کی وعید آپ رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں پڑھ چکے ہیں کہ:

من لم يترك المخابرة فليؤذن بحربٍ من الله ورسوله. (۲)

ترجمہ: جو مخابرہ نہ چھوڑے وہ اللہ اور رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لے۔

سرمایہ اور محنت کے اشتراک کا اسلامی تصور

اسلامی شریعت نے سرمایہ اور محنت کے اشتراک کی ایک سیدھی سادی، آسان اور مفید شکل "مضاربت" تجویز کر دی ہے کہ ایک کا سرمایہ ہو، دُوسرے کی محنت ہو اور نفع میں دونوں کی شرکت یقینی طور پر ایک ہی نوعیت کی ہو، نہ اس سے کسی کی حق تلفی ہوتی ہے، نہ کسی پر ظلم ہے، دونوں ہر حیثیت سے برابر ہیں، نفع ہے تو دونوں کا برابر ہے، نقصان ہے تو دونوں کو ہے، مگر نہ جانے اسلامی شریعت سے خدا واسطے کا بیر ہے یا سرمایہ دارانہ نظام نے عقلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ لوگ اس سیدھی سادی صورتِ اشتراک کو چھوڑ کر اس پُر پیچ اور مضر صورت کو اختیار کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

جناب محمد جعفر شاہ صاحب نے "کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" میں مضاربت کی شکل پر یہ اِشکال پیش کیا ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص غلے کی تجارت کرتا ہے اور اس کے پاس خاصی رقم بھی موجود ہے، ایک دُوسرا شخص اس سے یہ کہتا ہے کہ میں "بس سروس" کا تجربہ رکھتا ہوں مگر میرے پاس سرمایہ نہیں، اگر تم رقم لگاؤ تو اس میں خاصا منافع ہو سکتا ہے جس میں ہم دونوں شریک ہوں گے، اب ظاہر ہے کہ غلے کی تجارت کرنے والا اپنی تجارت میں روپیہ لگا سکتا ہے لیکن وہ ساتھ ہی اس شخص کا نفع بھی چاہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ میں موٹر سروس کا کام بھی شرکت میں کروں لیکن اسے یہ بھی خیال

(۱) ماہنامہ ثقافت، دسمبر ۱۹۶۱ء۔ (۲) ابوداؤد و حاکم۔

ہے کہ میں خود موٹر کے کام سے نابلد ہوں اور یہ میری ناواقفیت سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے کہ مضاربت میں میرے اصل حصے میں بڑے بازی سے کام لے اور مجھے پورا حصہ نہ مل سکے، نیز میں اس کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال کے لئے وقت نہیں نکال سکتا، اس صورت میں اس کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ اسے سود پر قرض دے دے اور ایک قلیل مگر معین نفع پر قناعت کرے۔

مگر ہمیں افسوس ہے کہ ان حضرات نے بہت تلاش و جستجو کے بعد ایک لمبی چوڑی شکل نکالی مگر اس میں مضاربت کے طریقے کو چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ کوئی بے وقوف سے بے وقوف انسان بھی ایسی حماقت نہیں کر سکتا کہ صرف فریب میں آ جانے کے موہوم خطرے سے اپنے زیادہ نفع کو چھوڑ دے اور کم پر راضی ہو جائے، ظاہر ہے کہ اگر بالفرض اس کا شریک دھوکا دے کر اس حصے میں سے مال کم بھی کر لے تو اس کے لئے سود کی قلیل شرح لینا اور حصہ کم لینا دونوں برابر ہیں، پھر اسے خواہ مخواہ ہاتھ گھما کر ناک پکڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر اسے اپنے شریک کی دریافت کے بارے میں اس قدر بدگمانی ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ دھوکا دے کر تجارت میں نقصان ظاہر کرے گا حالانکہ درحقیقت اس میں نفع ہوگا تو پھر ایسے شخص کے ساتھ معاملہ کر کے اس کی ہمت افزائی کرنے کا اسے کس ڈاکٹر نے مشورہ دیا ہے؟

ہاں! البتہ یہ خیال اس شخص کے دِل میں ضرور پیدا ہوگا جو نفع کی صورت میں تو مسلسل شریک رہنا چاہتا ہو لیکن ساتھ ہی نقصان کی زد سے دامن بچا لینے کا بھی خواہش مند ہو، اس کے دِل میں یہ کھوٹ ہو کہ میرے لئے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو اور نقصان ہو تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے بلکہ میرا نفع کہیں نہ جائے۔

اسلام کا انصاف پسند مزاج اسے اس عیاری اور خودغرضی کی ہرگز اجازت نہیں دے گا، اس تشریح سے حامیانِ سود کا ایک وہ استدلال بھی ختم ہو جاتا ہے جس میں انہوں نے تجارتی سود کو مضاربت کے مشابہ قرار دے کر جائز کہا ہے۔ گزشتہ صفحات کی بحث سے تجارتی سود اور مضاربت کا عظیم فرق آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہوگا کہ مضاربت میں دونوں شریک نفع اور نقصان دونوں میں شریک رہتے ہیں، اور تجارتی سود ایک کا نفع معین رکھتا ہے اور دُوسرے کا مشتبہ اور موہوم، اس لئے دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تجارتی سود رضامندی کا سودا ہے!

۲: اس گروہ کی دُوسری دلیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے اکل بالباطل سے منع کیا ہے: "یٰاَیُّھَا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ......الخ" لہٰذا تجارت کے جن جن طریقوں میں اکل بالباطل ہے وہ حرام ہیں اور ظاہر ہے کہ جہاں اکلِ باطل ہوگا وہاں ایک فریق کی عدم رضا ضرور ہوگی، اکلِ باطل میں کھانے والا تو راضی ہوتا ہے لیکن جسے کھایا جاتا ہے وہ کبھی راضی نہیں ہوتا، وہ اسے صرف اپنی مجبوری سے برداشت کرتا ہے، اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کوئی ایسی تجارت ہو جس میں دونوں فریقوں کی رضامندی اور خوشدلی ہو تو وہ یقیناً اکل بالباطل نہ ہوگا۔ اب اسی عینک سے کمرشل انٹرسٹ (تجارتی سود) کو دیکھئے کہ اس میں قرض لینے والا مجبور اور مظلوم نہیں ہوتا اور اسی طرح وہ دائن کے نفع سے ناخوش بھی نہیں ہوتا، لہٰذا جو ربا حرام ہے وہ وہی ہے جس میں ایک فریق کا خودغرضانہ نفع اور دُوسرے کا نقصان ہے، کمرشل انٹرسٹ پر جو تجارت کی جاتی ہے اس میں دونوں کی باہمی رضامندی اور خوش دلی ہوتی ہے۔[1]

ہم نے ان حضرات کا یہ استدلال من وعن نقل کر دیا ہے، آپ خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ کیا آج تک کسی عقلمند نے فریقین کی رضامندی کو ایک حرام چیز کے حلال ہونے کے لئے سبب قرار دیا ہے؟ کیا فریقین رضامند ہوں تو زنا کو جائز کہا جا سکتا ہے؟ اور دُور جانے کی بھی ضرورت نہیں خود تجارت ہی میں بہت سی انواع آپ کو ایسی ملیں گی جن میں دونوں فریق رضامند اور خوش ہوتے ہیں مگر وہ ناجائز ہیں، کتبِ حدیث "أبواب البيوع الباطلة" کھول کر دیکھئے، محاقلہ، تلقی الجلب، بیع کی ان تمام صورتوں میں فریقین کی رضامندی اور خوش دِلی ہوتی ہے مگر ہر ایک کو رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔

دراصل اسلام کی حکیمانہ نظر سطحی چیزوں پر نہیں ہوتی وہ عام قوم کی خوش حالی اور اس کا فائدہ چاہتا ہے، اسی لئے اس نے فریقین کی رضامندی اور خوش دِلی کو جائز یا حرام ہونے کا معیار نہیں ٹھہرایا، اس لئے کہ ان کی رضامندی اپنے حق میں تو مفید ثابت ہو سکتی ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ وہ عام قوم کے لئے زہر ہو، مذکورہ بیوع کی بعض صورتوں میں کسی کا نقصان نہیں دونوں کا فائدہ ہے اور دونوں رضامند بھی ہیں، مگر اس کی وجہ سے پوری قوم افلاس، اقتصادی بدحالی اور اخلاقی بیماریوں کا شکار ہوتی ہے اس لئے اس نے انہیں ممنوع قرار دیا ہے، وہ ہر معاملے کا اسی وسیع نظر سے تجزیہ کرتا ہے اور جہاں خرابی دیکھتا ہے وہاں بند باندھ دیتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"لَا يَبِعْ حَاضِرٌ لِبَادٍ."

---

(۱) "کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت" از جعفر شاہ صاحب۔

''کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔''

اس حدیث کے ذریعہ اسلام نے آڑھتی (Middle Man) کا تمام کاروبار ممنوع قرار دیا ہے، جو لوگ ہر معاملے کو سطحی انداز میں اور تنگ نظری سے دیکھنے کے عادی ہیں وہ اس حکم کی حکمت سمجھنے سے ضرور محروم رہیں گے، ان کو یہ حکم ظلم نظر آئے گا، اس لئے کہ ان کے نزدیک معاملات کے جائز یا ناجائز ہونے کا مدار رضامندی اور خوش دِلی پر ہے، وہ سوچیں گے کہ ایک دیہاتی گاؤں سے مال لے کر آتا ہے اور وہ ایک شہری کو اپنا مال بیچنے کے لئے وکیل بنا دیتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ دیہاتی کا بھی فائدہ ہے کہ اسے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی اور اس کا مال بھی اچھے داموں بک جائے گا، اور آڑھتی کا بھی نفع ہے کہ اسے مال بیچنے پر کمیشن ملے گا، ان کا ذہن شخصی مفاد اور خوش دِلی کی اس بھول بھلیاں میں اُلجھ کر رہ جائے گا۔

لیکن جو شخص اسلامی شریعت کے مزاج سے واقف ہے وہ اس حکم کی تہہ میں پوری قوم کا اجتماعی مفاد دیکھ کر بے ساختہ پکار اُٹھے گا: "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا"، وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ اسلام نے یہ حکم اس لئے دیا ہے کہ اس سے پوری قوم کا فائدہ ہو، اگر دیہاتی نے آڑھتی کو اپنا وکیل بنایا تو وہ مال کو بازار کا رنگ دیکھ کر نکالے گا، جس وقت نرخ سستے ہوں گے اس وقت مال کو چھپا کر رکھ دے گا اور جب بازار میں مال ختم ہو جائے گا اس وقت اسے نکال کر من مانے بھاؤ پر فروخت کرے گا جس سے پوری قوم گرانی کا شکار ہوگی اور وہ ان کا مال سمیٹتا رہے گا، یہاں تک کہ قوم مفلس سے مفلس تر ہوتی چلی جائے گی اور اس سرمایہ دار کی جیب بھرتی چلی جائے گی، اس کے برعکس اگر دیہاتی خود اپنا مال فروخت کرے گا تو اتنا بے وقوف تو وہ بھی نہیں ہے کہ اپنا نقصان کر کے بیچے، ظاہر ہے کہ نفع ہی سے فروخت کرے گا، لیکن بہرحال آڑھتی کی بہ نسبت اس کے لگائے ہوئے دام بہت سستے ہوں گے، اور وہ روک کر بھی نہیں بیچے گا، جس کی وجہ سے پورا بازار سستا ہو جائے گا اور عام قوم خوش حالی سے زندگی بسر کرے گی۔

بہرکیف! صرف فریقین کی رضامندی اور خوش دِلی معاملے کی حلت وحرمت پر کوئی اثر مرتب نہیں کرتی، اس لئے کہ بعض اوقات دونوں کی رضامندی پوری قوم کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی حال تجارتی سود کا ہے کہ اگرچہ اس میں دونوں فریق راضی اور خوش ہوتے ہیں مگر وہ جائز نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ وہ پوری قوم کو تباہی کی راہ پر لگا دیتا ہے۔

ہم نے جو بات اُوپر کہی ہے وہ خود اس آیت سے ماخوذ ہے جو جعفر شاہ صاحب نے پیش کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ.

ترجمہ: اے ایمان والو! آپس میں ایک دُوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، اِلَّا یہ کہ وہ تجارت ہو اور آپس کی رضامندی سے ہو۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے معاملے کے جائز ہونے کے لئے دو شرطیں ذکر فرمائی ہیں، ایک تو یہ کہ وہ معاملہ تجارت ہو، دُوسرے یہ کہ آپس کی رضامندی سے ہو، نہ صرف آپس کی رضامندی معاملے کی حلت کے لئے کافی ہے، اور نہ صرف تجارت ہونا، دونوں باتیں پائی جائیں گی تو معاملہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

تجارتی سود میں فریقین کی رضامندی تو ہے مگر چونکہ وہ اجتماعی طور پر مضر ہے، اس لئے اسلام اسے تجارت نہیں کہتا، ''ربا'' کا نام دیتا ہے لہٰذا وہ جائز نہیں۔

کیا روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے؟

تجارتی سود کو جائز کہنے والے حضرات اپنی اس دلیل کی تائید میں کچھ روایات بھی پیش کرتے ہیں جن سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سود میں اگر خوش دِلی ہو، جابرانہ دباؤ نہ ہو تو وہ جائز ہوسکتا ہے، مثلاً احادیثِ ذیل:

۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا ایک ''عصیفیر'' نامی اُونٹ بیس (چھوٹے) اُونٹوں کے عوض فروخت کیا ہے اور وہ بھی اُدھار۔ (۱)

۲: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کچھ دراہم قرض لیے پھر ان سے اچھے واپس کیے تو دائن نے لینے سے انکار کیا کہ یہ میرے دیئے ہوئے دراہم سے اچھے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے، مگر میں خوش دِلی سے دے رہا ہوں۔ (۲)

۳: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے قرض لے کر زیادہ واپس کیا۔

۴: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خيار كم أحاسنكم قضاءً" بہتر طریقے سے قرض ادا کرنے والے تم میں زیادہ بہتر ہیں۔ (۳)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان روایتوں سے مذکورہ دعوے پر دلیل نہیں لی جاسکتی۔

۱: جہاں تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عمل کا تعلق ہے تو اس پر کسی معاملے کی حلت وحرمت کی

(۱) رواہ مالکؒ۔ (۲) رواہ مالکؒ۔ (۳) ابوداؤدؒ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔

بنیاد اس لئے نہیں رکھی جاسکتی کہ اس کے برخلاف ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ کا واضح فتویٰ موجود ہے:

"عن سمرة رضی الله عنه انّ النّبی صلی اللّٰه علیه وسلم نهٰی عن بیع الحَیَوَان بِالْحَیَوَان نسیئة."(۱)

''حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حیوان کو حیوان کے بدلے اُدھار بیچنے سے منع فرمایا۔''

یہ ایک صحیح حدیث ہے اور حضرت جابر، ابنِ عباس، ابنِ عمر رضی اللہ عنہم سے بھی اسی مضمون کی احادیث منقول ہیں۔

حضور ﷺ کا یہ فیصلہ بالکل واضح اور صاف ہے، اسے چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایک عملی واقعے کو جس کا پورا پس منظر بھی معلوم نہیں، فتویٰ کی اساس بنالینا اُصولِ حدیث وفقہ کے خلاف ہے، اس کے علاوہ اگر اس عملِ صحابی کو حدیثِ مرفوع کے برابر بھی مان لیا جائے تو جب حلت اور حرمت میں تعارض ہوتو متفقہ اُصول ہے کہ اسی حدیث کو ترجیح دی جاتی ہے جو حرام قرار دے رہی ہو۔

۲: رہا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل تو اس سے کسی درجے میں بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ انہوں نے خوش دِلی کی وجہ سے سود کو جائز قرار دیا ہے، وہاں تو معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے جو دراہم قرض لیے تھے وہ کیفیت کے اعتبار سے ویسے نہ تھے جیسے واپس کیے گئے، گویا زیادتی محض کیفیت میں تھی، ایسا نہ تھا کہ دس لیے ہوں اور گیارہ واپس کیے ہوں، "خیر" کا لفظ اس بات پر شاہد ہے، اس کے علاوہ چونکہ قرض لیتے وقت دونوں کے درمیان زیادتی کا کوئی معاہدہ نہیں تھا اور اس وقت دونوں کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہ تھی اس لئے بعد میں زیادہ ادا کرنے کی حیثیت ایسی ہوگئی جیسے کوئی کسی کے احسان کا بدلہ کرنے کے لئے اسے کچھ تحفہ دے دے۔

۳: اور یہی صورت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ہے کہ انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ کو قرض دیتے وقت کوئی زیادتی کا معاہدہ نہیں کیا تھا۔ حدیث کے الفاظ نے یہ بتلایا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے اخلاقِ کریمانہ کی بناء پر ادائیگی کے وقت ان کے حق سے کچھ زیادہ دے دیا، زیادتی کیسی اور کتنی تھی؟ حدیث اس کے بیان سے خاموش ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ زیادتی بھی صرف کیفیت کی زیادتی ہو، اور اگر تعداد کی زیادتی بھی تسلیم کرلی جائے تو چونکہ وہ کسی شرط اور معاہدے کے ماتحت نہ تھی، اس لئے وہ بھی ''حسنِ قضا'' اور احسان کی مکافات ہی کے درجے میں ہوسکتی ہے، جس کی طرف خود

(۱) ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی۔

احادیث میں ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ابورافع رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ماتحت یہ لکھا ہے کہ:

ليس هو من قرض جرّ منفعة فانهٗ منهيّ عنه لأنّ المنهيّ عنه ما كان مشروطًا في العقد.(۱)

ترجمہ: یہ صورت اس قرض میں داخل نہیں جس کے ذریعہ کچھ نفع حاصل کیا گیا ہو کیونکہ وہ ناجائز ہے اور ناجائز صورت وہی ہے کہ زیادتی کا عقد کرتے وقت معاہدہ کیا گیا ہو۔

اس لئے اگر کسی شخص نے کسی پر احسان کیا کہ وقت پر قرض دے دیا اور اس نے قرض ادا کرنے کے وقت اس کے احسان کا بدلہ دینے کے لئے کوئی رقم یا چیز اپنی خوشی سے بغیر کسی سابقہ معاہدے کے دے دی تو یہ آج بھی جائز ہے، ''سود حرام'' سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، اگرچہ حضرت امام مالکؒ اس وقت بھی عددی زیادتی کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے واقعے کو کیفیت کی زیادتی پر محمول فرماتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس معاملے کی حقیقت پر غور کیا جائے تو اس میں ربا کا کوئی تصور ہی نہیں ہو سکتا، واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المال شرعی سے ان کا قرض دیا اور قرض سے زیادہ بھی کچھ عطا فرمایا۔ یہ ظاہر ہے کہ بیت المال میں سب مسلمانوں کا حق ہے خصوصاً علمائے اُمت جو دین کی خدمت میں مشغول ہوں، تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیت المال میں حق پہلے سے متعین اور معلوم تھا جس میں امام و امیر کو اختیار رہتا ہے وہ زیادتی اس حق میں سے دی گئی نہ کہ قرض کے معاوضے میں۔

۴: چوتھی روایت کا مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہیں، اس لئے کہ اس میں ''حسنِ اداء'' کی ترغیب ہے، جس کا مطلب یہ نہیں کہ زیادہ اداء کرو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ''اچھی طرح ادا کرو، ٹال مٹول نہ کرو، قرض خواہ کو بار بار آنے جانے کی تکلیف مت دو اور چیز بھی اچھی دو، ایسا نہ ہو کہ اچھی چیز لو اور خراب واپس کرو۔''

تجارتی سود اور اِجارہ

تجارتی سود کے وکلاء تیسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کمرشل انٹرسٹ کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے ایک شخص اپنا رکشہ، تانگہ یا ٹیکسی لوگوں کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم مجھے اتنی رقم روزانہ دے دیا

(۱) نووی شرح مسلم، ج:۲، ص:۳۰۔

کرو، یہ معاملہ باتفاق جائز ہے اور یہی تجارتی سود کی صورت ہے کہ اس میں سرمایہ دار اسی شرط پر اپنا سرمایہ دیتا ہے کہ مجھے ایک معینہ رقم سال بہ سال ملتی رہے۔

لیکن آپ خود ہی ذرا غور سے دیکھئے کہ دونوں میں کتنا فرق ہے؟ رکشہ، تانگہ اور ٹیکسی کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے مگر نقد کو کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ کرایہ اور اِجارہ کا مفہوم ہی یہ ہوتا ہے کہ اصل چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس کے منافع حاصل کیے جائیں، آپ کسی سے ٹیکسی کرایہ پر لیتے ہیں تو ٹیکسی جوں کی توں باقی رہتی ہے، صرف اس کے منافع آپ حاصل کر لیتے ہیں، اور نقد میں یہ بات نہیں، کیونکہ اس کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا، اس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اسے خرچ کرنا پڑتا ہے، اس لئے اس میں اِجارہ کی کوئی شکل نہیں بنتی۔

اور اس سے بھی تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کر لیجئے اور غور کیجئے کہ اگر اِجارہ پر تجارتی سود کو قیاس کرنا صحیح ہے تو اس معاملے میں مہاجنی اور تجارتی دونوں سود برابر ہیں، جس طرح تجارتی سود اِجارہ کے مشابہ ہے اسی طرح مہاجنی سود بھی ہے، ظاہر ہے کہ کرایہ پر لینے والا ہمیشہ نفع آور کام میں لگانے کے لئے کوئی چیز کرایہ پر نہیں لیتا، بسااوقات اپنی وقتی ضرورت کے لئے لیتا ہے، آپ روزانہ ٹیکسی کرائے پر لیتے ہیں تو وہ وقتی ضرورت ہی کے لئے ہوتی ہے، اس لئے اگر اِجارہ پر سود کو قیاس کرنا صحیح ہے تو مہاجنی سود کو بھی جائز کہنا پڑے گا، حالانکہ اس سود کو وہ لوگ بھی جائز نہیں کہتے جو تجارتی سود کے جواز کے قائل ہیں، بلکہ قرآنِ کریم میں اس کی حرمت کی تصریح موجود ہے، اس سے خود اندازہ کر لیجئے کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے، اگر صحیح ہوتا تو قرآن اسے ناجائز قرار نہ دیتا۔

بیعِ سلم اور تجارتی سود

تجارتی سود کو جائز بتلانے والے حضرات اسے بیعِ سلم پر بھی قیاس کرتے ہیں، پہلے "بیعِ سلم" کا مطلب سمجھ لیجئے، سلم کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک کاشت کار ایک شخص کے پاس آکر یہ کہتا ہے کہ میں اس وقت گندم کی فصل بو رہا ہوں، تھوڑے دنوں میں وہ پک جائے گی، مگر میرے پاس اس وقت پیسے نہیں ہیں، تم مجھے پیسے اب دے دو اور جب فصل تیار ہو جائے گی تو میں تمہیں اتنا گندم دے دوں گا۔

لیکن ذرا سوچئے کہ بیعِ سلم ایک قسم کی بیع ہے، جسے شرائط کے ساتھ رسولِ اکرم ﷺ نے صراحۃً جائز رکھا اور اسے بیع کے اندر داخل قرار دیا، جسے اللہ تعالیٰ نے "أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ" فرما کر حلال کیا ہے اور اس کے بالمقابل رِبا کو حرام فرمایا ہے، جو حضرات رِبا کو بھی نصِ قرآن و حدیث کے خلاف

بیع ہی میں داخل کہتے ہیں، کیا وہ اپنے آپ کو مخالفینِ قرآن واسلام کی اس صف میں کھڑا نہیں کر رہے جنھوں نے "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کہا تھا اور قرآن نے ان کی تردید و وعید سنائی؟

پھر عقدِ سلم اور ربا میں اس حیثیت سے زمین آسمان کا تفاوت ہے کہ سلم میں پہلے پیسے دینے کی بناء پر سامان زیادہ حاصل کرنے کی شرط نہیں لگائی جاتی، چنانچہ فقہ کی ساری معتبر کتابوں میں سلم کی تعریف "بیع الأجل بالعَاجل" (یعنی ایک دیر میں ملنے والی چیز کی بیع فوری قیمت کے معاوضے میں) بغیر کسی شرط و تفصیل کے لکھی ہوئی ہے، عرفی مفہوم بھی غیر مشروط بیع کا ہے اور کسی معتبر عالم یا فقیہ نے کہیں یہ شرط نہیں لگائی کہ اس عقد میں مال چونکہ دیر میں ملتا ہے اس لئے زیادہ ملنا چاہئے، اس کے برخلاف تجارتی سود کی بنیاد ہی اس شرط پر قائم ہے۔

مدت کی قیمت

ان کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ بعض فقہائے کرامؒ نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے کہ ایک تاجر اپنا مال قیمت کے نقد ہونے کی صورت میں مثلاً دس روپے میں دیتا ہے اور اُدھار کی صورت میں پندرہ روپے میں، اس صورت میں تاجر نے محض مدت کی زیادتی کی وجہ سے پانچ روپے زیادہ کیے ہیں، چنانچہ ہدایہ باب المرابحہ میں ہے:

الا یرٰی أنہٗ یزاد فی الثمن لأجل الأجل؟

ترجمہ: کیا یہ مشاہدہ نہیں ہے کہ مدت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی جاتی ہے؟

ہدایہ کی اس عبارت پر یہ تعمیر کھڑی کی گئی ہے کہ جب مدت کے معاوضے میں زیادتی لینا جائز ہوا تو تجارتی سود میں بھی یہی شکل ہے کہ مدت کے عوض پیسے زیادہ لیے جاتے ہیں۔

لیکن انہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ جس ہدایہ میں مذکورالصدر جملہ لکھا ہے، اسی کی کتاب الصلح میں نہایت واضح الفاظ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے:

وذٰلك اعتیاض عن الأجل وھو حرام.(۱)

ترجمہ: یہ مدت کی قیمت لینا ہے، اور وہ حرام ہے۔

اور اس کے تحت علامہ اکمل الدین بابرتی رحمہ اللہ نے ہدایہ کی شرح عنایہ میں لکھا ہے کہ:

روی ان رجلا سأل ابن عمر رضی اللہ عنہ فنھاہ عن ذٰلك، ثم سألہ

(۱) باب الصلح فی الدین۔

فقال: ان هذا يريد ان اطعمهٔ الرّبا.[1]

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے (مدت پر قیمت لینے کے سلسلے میں) سوال کیا تو آپ نے اسے منع فرمایا، اس نے پھر پوچھا تو آپ نے یہ فرمایا کہ: یہ چاہتا ہے کہ میں اسے سود کھانے کی اجازت دے دوں۔

یہ نقل کرنے کے بعد صاحبِ عنایہ نے لکھا ہے: ''حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے یہ اس لئے فرمایا کہ سود کی حرمت صرف اس وجہ سے ہے کہ اس میں صرف مدت سے مال کے تبادلے کا شبہ ہے، تو جہاں یہ بات شبہ کی حدود سے آگے بڑھ کر حقیقت بن گئی ہو وہاں تو حرمت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟''

اس کے علاوہ فقہِ حنفی کے ایک بلند پایہ عالم قاضی خان رحمہ اللہ جو صاحبِ ہدایہ ہی کے ہم رُتبہ ہیں، انہوں نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ اُدھار کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کرنا بھی جائز نہیں۔

لا يجوز بيع الحنطة بثمن النسيئة أقل من سعر البلد فانهٔ فاسد وأخذ ثمنه حرام.

ترجمہ: گندم کی بیع اگر اُدھار ہونے کی بناء پر شہر کے عام نرخ سے کم قیمت پر کی جاتی ہے تو وہ فاسد ہے اور اس کی قیمت لینا حرام ہے۔

عالمگیریہ وغیرہ میں بھی اس قسم کی تصریحات ملتی ہیں۔

البتہ اہلِ علم کے لئے یہ بات قابلِ غور رہ جاتی ہے کہ ہدایہ کی دو عبارتیں متضاد کیوں ہیں؟ پہلی عبارت سے مدت کے معاوضے میں زیادتی لینے کا جواز معلوم ہوتا ہے اور دُوسری عبارت سے اس کا حرام ہونا واضح ہے۔

اس کا جواب اہلِ علم کے لئے سمجھنا مشکل نہیں، اس سامان کے سودے میں اُدھار کا خیال کر کے کچھ قیمت میں اضافہ کیا جائے تو وہ براہِ راست مدت کا معاوضہ نہیں بلکہ اس سامان ہی کی قیمت ہے، بخلاف اس کے براہِ راست مدت ہی کا معاوضہ سالانہ یا ماہوار طے کیا جائے، یہ وہی ہے جسے ہدایہ کی کتابُ الصلح والی عبارت میں حرام کہا گیا ہے۔

جن حضرات کو فقہ سے کچھ بھی مناسبت ہوگی ان کو اس فرق کے سمجھنے میں کوئی اِشکال نہیں رہ سکتا، کیونکہ اس کی نظیریں بے شمار ہیں کہ بعض اوقات بعض چیزوں کا معاوضہ لینا براہِ راست جائز نہیں ہوتا اور کسی دُوسرے سامان کے ضمن میں جائز ہو جاتا ہے، اس کی ایک نظیر یہ ہے کہ ہر مکان، دُکان اور

(۱) عنایہ علی ہامش نتائج الافکار، ج:۷، ص:۴۲۔

زمین کی قیمت پر اس کے محلِ وقوع اور پڑوس کا بڑا اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے، ایک محلّہ میں ایک مکان دس ہزار روپے کا ہے تو وسطِ شہر میں بالکل اسی طرح کا اور اتنے ہی رقبے کا مکان ایک لاکھ میں بھی سستا سمجھا جاتا ہے، یہ قیمت کی زیادتی ظاہر ہے کہ مکان کی ذات کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کی خاص کیفیت اور محلِ وقوع کے اعتبار سے ہے، اور جب کوئی آدمی یہ مکان بیچتا یا خریدتا ہے تو اس کی یہ کیفیت بھی فروخت ہو جاتی ہے اور قیمت کی جتنی زیادتی ہے وہ اسی کیفیت کے مقابلے میں ہے حالانکہ یہ کیفیت اور صفت کوئی مال نہیں جس کا معاوضہ لیا جائے، مگر مکان یا زمین کی بیع کے ضمن میں اس کیفیت وصفت کا معاوضہ بھی شامل ہو کر جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح ہر مکان کے لئے ایک گزرگاہ اور راستے کا حق ہوتا ہے، ہر زرعی زمین کے لئے آبیاری کا حق ہوتا ہے، اگر کوئی شخص ان حقوق کو تنہا بغیر مکان یا زمین کے فروخت کرنے لگے تو بیع ناجائز ہے کیونکہ حقوق خود تو کوئی مال نہیں، مگر مکان یا زمین فروخت کرے گا تو یہ حقوق ضمنی طور پر خود بخود فروخت ہو جائیں گے اور مکان، زمین کی قیمت میں ان کا معاوضہ بھی شامل ہو جائے گا۔

ہمارے زیرِ بحث مسئلے میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اگر اُدھار کی وجہ سے سامان کی قیمت میں زیادتی کو جائز تسلیم کیا جائے تو اس کی نوعیت وہی ہے کہ ضمنی طور پر مدت کی رعایت سے سامان کی قیمت بڑھ گئی اور براہِ راست صرف مدت کا معاوضہ لیا جائے تو وہ رِبا میں داخل ہو کر ناجائز ہوگا۔ چنانچہ جہاں صاحبِ ہدایہ نے مدت کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کو جائز کہا ہے وہاں پہلی صورت مراد ہے، اور انہوں نے مذکورہ صورت کو اس لئے جائز قرار دیا ہے کہ وہاں مدت پر جو قیمت لی جارہی ہے وہ اصلاً اور براہِ راست نہیں بلکہ ضمناً ہے (اگرچہ قاضی خانؒ وغیرہ نے اسے بھی ناجائز کہا ہے)، اور جہاں صاحبِ ہدایہ نے مدت کے مقابلے میں عوض لینے کو حرام کہا ہے وہاں ان کا مطلب یہ ہے کہ براہِ راست مدت کی قیمت نہیں لی جاسکتی۔

تجارتی سود میں چونکہ مدت کی قیمت ضمنی طور سے نہیں براہِ راست لی جاتی ہے، اس لئے یہ صورت باتفاق فقہاء حرام ہے۔

چند ضمنی دلائل

یہ دلیلیں تو بڑی اور اہم تھیں، اب آپ اُن حضرات کے اُن ضمنی دلائل پر بھی ایک نظر ڈالتے چلئے جو بذاتِ خود تو کسی نظریئے کی بنیاد نہیں بن سکتے لیکن بڑی دلیلوں کو تقویت پہنچاتے ہیں، اگرچہ یہ تمام دلائل گزشتہ اہم دلائل کے ختم ہو جانے کے بعد خود بخود بے معنی ہو جاتے ہیں، تاہم پورے

اطمینان کے لئے ہم ان پر بھی کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

پہلی چیز جناب یعقوب شاہ صاحب نے پیش کی ہے کہ حدیثوں کی تدوین کے متعلق محدثین حضرات نے درایت کے اُصول منضبط کیے ہیں، ابن جوزیؒ نے لکھا ہے کہ وہ حدیث جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو، مخدوش ہے، قرآن کریم نے جس قدر سزا سود خور کے لئے رکھی ہے وہ شاید کسی اور مجرم کے لئے تجویز نہیں فرمائی، یہ عظیم سزا حاجت مندانہ اور صَرفی (Usury) قرضوں پر لیے جانے والے گھناؤنے سود پر تو بالکل ٹھیک ٹھیک اُترتی ہے لیکن تجارتی سود اتنا زیادہ نقصان دہ فعل نہیں ہے، جس پر خدا و رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ کر دیا جائے۔ ایک حاجت مند سے سود لینا سنگ دِلی ہے اور اس کی ممانعت سختی سے ہونی چاہئے، لیکن تجارتی سود پر یہ الزام عائد نہیں کیا جا سکتا، اس کے لینے والے مفلس نہیں ہوتے، وہ قرض نفع کمانے کی غرض سے لیتے ہیں اور عام طور پر نفع شرحِ سود سے کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔

اس دلیل کی بنیاد اس مفروضے پر ہے کہ تجارتی سود کوئی نقصان دہ چیز نہیں ہے۔ حامیانِ تجارتی سود کی اکثر دلیلوں میں دراصل یہی ذہنیت کارفرما نظر آتی ہے، اس لئے ہم یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ تجارتی سود کے انفرادی، اجتماعی، معاشی اور سیاسی نقصانات پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں، وَمَا تَوْفِيْقِىْ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

نقصانات

اخلاقی نقصانات

سود کے حرام ہونے کی ایک حکمت تو یہ ہے کہ وہ تمام اخلاقی قدروں کو پامال کر کے خودغرضی، بے رحمی، سنگ دِلی، زَر پرستی اور کنجوسی کی صفات پیدا کرتا ہے، اس کے برعکس اسلام ایک ایسے صحت مند معاشرے کی تعمیر کرنا چاہتا ہے جو رحم و کرم، محبت و مودّت، ایثار، تعاون اور بھائی چارے کی بنیاد پر قائم ہو، اس میں تمام انسان مل جل کر زندگی گزاریں، ایک دُوسرے کی مصیبت میں کام آئیں، غریبوں اور ناداروں کی امداد کریں، دُوسرے کے نفع کو اپنا نفع اور دُوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھیں، رحم دِلی اور سخاوت کو اپنا شعار بنائیں اور اجتماعی مفاد کے آگے کچھ نہ سمجھیں۔ انسانوں میں یہ تمام صفات پیدا کر کے اسلام انہیں انسانیت اور شرافت کے اس اوجِ کمال تک پہنچانا چاہتا ہے جہاں سے انہیں ''اشرف المخلوقات'' کا خطاب عطا ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف سود (خواہ وہ تجارتی ہو یا مہاجنی) جس ذہنیت کو جنم دیتا ہے اس میں ان اخلاقی اوصاف کی کوئی جگہ نہیں، قرض دینے والے ساہوکار کو بس اپنے سود کی تو پروا ہوتی ہے، آگے اسے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ مقروض کو نفع ہوا یا نقصان؟ نفع ہوا تو کتنا؟ کتنی مدت میں؟ اور کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد؟ وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے مال پر منافع وصول کرتا رہتا ہے، اس کی دِلی خواہش ہوتی ہے کہ مقروض کو جتنا ہو سکے دیر میں نفع ہوتا کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا سود بڑھتا اور چڑھتا رہے، اسے مدیون کے نقصان کا بھی کوئی غم نہیں ہوتا کیونکہ نفع نقصان کی ہر شکل میں اس کا نفع کھرا رہتا ہے۔ یہ چیز خودغرضی کو اس قدر بڑھا دیتی ہے کہ ایک سرمایہ دار کسی حاجت مندانہ قرضے میں بھی اپنی رقم کو بلاسود لگانے پر راضی نہیں ہوتا، وہ یہ سوچتا ہے کہ میں یہ فاضل رقم کسی تاجر کو کیوں نہ دوں تاکہ گھر بیٹھے ایک معین نفع مجھے حاصل ہوتا رہے، اس خیال کے پیشِ نظر اگر ایک شخص کے گھر میں بے گور و کفن لاش پڑی ہے یا اس کا کوئی عزیز دَم توڑ رہا ہے وہ بھی اس کے پاس آکر اس سے قرض مانگے گا تو وہ یا تو انکار کر دے گا یا تمام اخلاقی قدروں کو بالائے طاق رکھ کر اس سے بھی سود کا مطالبہ کرے گا، ایسے مواقع پر بالعموم حرام کھاتے کھاتے قساوتِ قلب کی یہ صفت اس درجہ رنگ جمالیتی ہے کہ اس وقت آپ کے مدلل لکچر اور پُراثر مواعظ کچھ کام نہیں آتے، سودخور دولت مندکو اپنے چاروں طرف پیسہ ہی ناچتا نظر آتا ہے، اس لئے اس وقت آپ کو اس سے یہ شکایت ہونی بھی نہ چاہئے کہ وہ ہماری بات کیوں نہیں سنتا؟ اور ہمارے مواعظ کا کیوں اثر نہیں لیتا؟ اس کے پاس بزبانِ حال یہ جواب ہے کہ۔

اندرون قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش

پھر جب لوگ دیکھتے ہیں کہ فاضل سرمایہ اس قدر منافع بخش ہے کہ اس سے ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر بھی ایک یقینی نفع حاصل ہوسکتا ہے تو ان میں زَراندوزی کا جذبہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتا ہے اور وہ پیسہ بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، اور بسااوقات وہ اسی حرص کے نشے میں ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی فکر کرتے ہیں اور کچھ نہیں تو یہ چیز ان میں کنجوسی تو ضرور ہی پیدا کر دیتی ہے، اور اس مرحلے پر زَراندوزی کے میدان میں ریس شروع ہوتی ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ میں دُوسرے سے زیادہ روپیہ جمع کرلوں، اور پھر یہ ریس حسد، بغض اور عداوت کو جنم دیتی ہے، بھائی سے بھائی کی لڑائی ہوتی ہے، دوست سے دوست جلنے لگتا ہے، باپ کو بیٹے کے اور بیٹے کو باپ کے نقصان کی کوئی پرواہ نہیں رہتی، یہاں تک کہ نفسی نفسی کے اس محشر میں انسانیت سسک سسک کر دَم توڑ دیتی ہے۔

یہ محض خیالی باتیں نہیں ہیں، آپ اپنے گرد و پیش پر نظر ڈال کر دیکھئے کہ کیا آج یہ سب کچھ

نہیں ہو رہا ہے؟ آپ کو جواب اثبات میں ملے گا اور اگر آپ نے انصاف سے کام لیا تو آپ پر یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ یہ سب کچھ "سود" ہی کے شجرۂ خبیثہ کے پھل پھول ہیں، اور اگر ہمیں ان تمام ناہمواریوں کو دُور کرنا ہے تو ہمیں ہمت کر کے اسی شجرۂ خبیثہ پر کلہاڑا چلانا پڑے گا اور اگر ہم اصلاح و تبلیغ کے صرف لفظی طریقے اختیار کرتے رہے تو ہماری مثال اس احمق سے مختلف نہ ہوگی جو بدن پر جابجا نکلی ہوئی پھنسیوں کا علاج صرف پاؤڈر چھڑک کر کرنا چاہتا ہے، جس طرح اس شخص کو کبھی شفا حاصل نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ بیماری کی اصل جڑ کو پکڑ کر اسے ختم نہ کر ڈالے اسی طرح ہم بھی اپنے معاشرے کو اس وقت تک صحت مند نہیں بنا سکتے جب تک کہ سود کی لعنت سے چھٹکارا نہ پالیں۔

معاشی اور اقتصادی نقصانات

اس کے بعد معاشی نقصانات پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے، معاشیات میں بصیرت رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں کہ تجارت، صنعت، زراعت اور تمام نفع آور (Productive) کاموں کی معاشی بہتری یہ چاہتی ہے کہ جتنے لوگ کسی کاروبار میں کسی بھی نوعیت سے شریک ہوں وہ سب کے سب اپنے مشترکہ کاروبار کے فروغ سے پوری پوری دلچسپی رکھتے ہوں، ان کی دِلی خواہش یہ ہو کہ ہمارا کاروبار بڑھتا اور چڑھتا رہے، کاروبار کے نقصان کو وہ اپنا ہی نقصان تصور کریں تاکہ ہر خطرے کے موقع پر اس کے دفعیہ کے لئے اجتماعی کوشش کریں اور کاروبار کے فائدے کو وہ اپنا فائدہ خیال کریں تاکہ اُسے پروان چڑھانے میں ان کی پوری پوری طاقت صَرف ہو۔

اس نقطۂ نظر سے عام معاشی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ جو لوگ کاروبار میں صرف سرمایہ ہی کی حیثیت سے شریک ہوں وہ بھی کاروبار کے نفع و نقصان سے پوری پوری دلچسپی رکھیں، لیکن سودی کاروبار میں ان مفید جذبات کی کوئی رعایت نہیں بلکہ بعض اوقات معاملہ اس کے بالکل برخلاف رہ جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں، سود خور سرمایہ دار کو صرف اپنے نفع سے سروکار ہوتا ہے، آگے اُسے اس کی کوئی پروا نہیں کہ کاروبار ترقی پر ہے یا تنزل پر؟ اس میں نفع ہو رہا ہے یا نقصان؟ وہ مسلسل اپنے دیئے ہوئے روپے پر منافع وصول کرتا رہتا ہے اور بسا اوقات اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کاروبار کو جتنا ہو سکے دیر میں نفع ہوتا کہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا اپنا نفع بڑھتا رہے۔ اسی بناء پر اگر کاروبار کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو تاجر اپنی پوری محنت اور کوشش اس کے دفعیہ پر صَرف کرے گا لیکن سرمایہ دار اس وقت تک ٹس سے مس نہ ہوگا جب تک کہ کاروبار کے بالکل ہی دیوالیہ ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اس غلط طریق کار نے سرمایہ اور محنت کے دَرمیان ہمدردانہ رفاقت کی بجائے

ایک سو فیصد خودغرضی کا تعلق قائم کردیا ہے جس کے نتیجے میں بے شمار نقصانات جنم لیتے ہیں، ان میں سے بے شمار نمایاں ترین یہ ہیں:

ا: سرمایہ کا ایک بڑا حصہ محض اس وجہ سے کام میں نہیں لگتا کہ اس کا مالک شرحِ سود کے بڑھنے کا انتظار کرتا ہے باوجودیکہ اس کے بہت سے مصارف موجود ہوتے ہیں اور بے شمار آدمی کسی کاروبار کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے ملکی تجارت وصنعت کو بھی بڑا نقصان پہنچتا ہے اور عام قوم کی معاشی حالت بھی گر جاتی ہے۔

۲: چونکہ ساہوکار کو زیادہ شرحِ سود کا لالچ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنے سرمایہ کو کاروبار کی واقعی ضرورت اور طبعی مانگ کے اعتبار سے نہیں لگاتا بلکہ وہ محض اپنی اغراض کو سامنے رکھ کر سرمایہ کو روکنے یا لگانے کا فیصلہ کرتا ہے، اس صورت میں اگر سرمایہ دار کے سامنے دو صورتیں ہوں کہ یا تو وہ اپنا سرمایہ کسی فلم کمپنی میں لگائے یا بے خانماں لوگوں کے لئے مکانات بنوا کر انہیں کرایہ پر دے، اور اسے فلم کمپنی کی صورت میں زیادہ نفع کی اُمید ہو تو وہ یقیناً فلم کمپنی میں سرمایہ لگا دے گا، بے خانماں افراد کی اسے کوئی پروا نہ ہوگی، ظاہر ہے کہ یہ ذہنیت عام ملکی مفاد کے لئے کس قدر خطرناک ہے؟

اس پر جناب یعقوب شاہ صاحب اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نقصان کی وجہ سود نہیں، انفرادی ملکیت ہے، جب تک سرمایہ افراد کی ملکیت ہے اس وقت تک سرمایہ دار طبقہ اس کے بہاؤ کو اپنے مفاد کے لحاظ سے روکتا اور کھولتا رہے گا۔ (۱)

ہمیں جناب یعقوب شاہ صاحب سے یہ عجیب سی بات سن کر بڑی حیرت ہوتی ہے، جب وہ یہ فرماتے ہیں کہ ''اس خرابی کی وجہ انفرادی ملکیت ہے'' تو ایک بڑی اہم قید کو نظر انداز کر جاتے ہیں، صرف ''انفرادی ملکیت'' اس کا سبب نہیں، ''بے لگام اور خودغرض انفرادی ملکیت'' اس کا سبب ضرور ہے، جو ملکیت کسی قسم کی کوئی قید اور پابندی برداشت نہ کرتی ہو وہی سرمایہ کے بہاؤ کا رُخ ذاتی مفاد کی جانب پھیر دیتی ہے، لیکن ذرا اور آگے بڑھ کر دیکھئے کہ اس ''بے لگام اور خودغرض انفرادی ملکیت'' کا سبب کیا ہے؟

آپ بنظرِ انصاف غور کریں گے تو صاف پتہ چل جائے گا کہ اس کا سبب ہے سود اور سرمایہ داری نظام! سود کا لالچ ہی انسان میں وہ خودغرضی پیدا کرتا ہے جس کی بناء پر وہ اپنی املاک کو ہر قسم کی پابندی سے آزاد کر دیتا ہے اور ہر وقت ذاتی منافع کے تصور میں مگن رہتا ہے، کسی بھلائی اور بہبود کے کام میں پیسہ لگانے کا خیال بھی اُسے نہیں آتا۔ اب واقعات کی منطقی ترتیب اس طرح ہوگئی کہ:

(۱) ماہنامہ ''ثقافت'' دسمبر ۱۹۶۱ء۔

سرمایہ کا ذاتی مفاد کے پابند ہو جانا خود غرض انفرادی ملکیت سے پیدا ہوتا ہے
اور اس قسم کی انفرادی ملکیت کا سبب سود اور سرمایہ دارانہ نظام ہے!

نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نا کہ اس خرابی کا اصل سبب سود اور سرمایہ داری نظام ہے، اب آپ ہی بتایئے کہ یہ بات کیسی غلط ہو جاتی ہے کہ ''ذاتی مفاد پر سرمایہ کا رُکنا اور کھلنا سود سے نہیں انفرادی ملکیت سے ہوتا ہے۔''

اگر واقعی مذکورہ خرابی (یعنی سرمایہ کا ذاتی مفاد کے پابند ہو جانے) کا ازالہ منظور ہے تو اس کے لئے سب سے پہلے سود اور سرمایہ داری نظام پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا، جب تک یہ نہ ہوگا ملکیت میں وہی خود غرضی اور بے لگامی باقی رہے گی جو مذکورہ خرابی کا اصل سبب ہے، اس خرابی کو دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سودی اور سرمایہ داری نظامِ معیشت کو ختم کر کے اسلامی نظامِ معیشت کو بروئے کار لایا جائے جس میں سود، قمار اور سٹے کی ممانعت، زکوٰۃ، عشر، صدقات، خیرات اور میراث کے اَحکام اس قسم کی خود غرضانہ ذہنیت پیدا ہونے ہی نہیں دیتے، اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو عام کیا جائے اور لوگوں کے دِلوں میں خدا کا خوف پیدا کیا جائے جو انہیں باہمی تعاون اور اجتماعی بہبود کے کاموں مین سرگرم بنائے۔

سود اور سرمایہ داری نظام جو خود غرض انفرادی ملکیت کے سرچشمے ہیں، ان کی حمایت کرتے ہوئے صرف یہ کہہ کر فارغ ہو جانا کہ ''ان خرابیوں کا اصل سبب انفرادی ملکیت ہے'' اس مسئلے کا حل کیسے بن سکتا ہے؟

۳: سود خور دولت مند چونکہ سیدھے سادے طریقے پر کاروباری آدمی سے شرکت کا معاملہ طے نہیں کرتا کہ اس کے نفع ونقصان میں برابر کا شریک ہو، اس لئے وہ یہ اندازہ لگاتا ہے کہ اس کاروبار میں تاجر کو کتنا نفع ہوگا؟ اسی نسبت سے وہ اپنی شرحِ سود متعین کرتا ہے، اور عام طور سے وہ اس کے منافع کا اندازہ لگانے میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتا ہے۔

دُوسری طرف قرض لینے والا اپنے نفع ونقصان دونوں پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھ کر بات کرتا ہے، چنانچہ جب کاروباری شخص کو نفع کی اُمید ہوتی ہے وہ سرمایہ دار سے قرض لینے آتا ہے، سرمایہ دار معاملے کو بھانپ کر سود کی شرح اس حد تک بڑھاتا چلا جاتا ہے کہ تاجر اس شرح پر قرض لینا اپنے لئے بالکل بیکار سمجھتا ہے، دائن اور مدیون کی اس کشمکش سے سرمایہ کا کام میں لگنا بند ہو جاتا ہے اور وہ بے کار پڑا رہ جاتا ہے، پھر جب کساد بازاری اپنی آخری حدوں تک پہنچ جاتی ہے اور سرمایہ دار کو خود اپنی ہلاکت نظر آنے لگتی ہے تو وہ شرحِ سود گھٹا دیتا ہے، یہاں تک کہ کاروباری آدمیوں کو اس پر نفع کی اُمید ہو جاتی

ہے، پھر بازار میں سرمایہ آنا شروع ہو جاتا ہے، یہ وہ کاروباری چکر (Trade Cycle) ہے جس سے ساری سرمایہ کار دُنیا پریشان ہے، غور کیا جائے تو اس کا سبب ہی تجارتی سود ہے۔

۴: پھر بعض اوقات بڑی بڑی صنعتی اور تجارتی اسکیموں کے لئے سرمایہ بطورِ قرض لیا جاتا ہے اور اس پر بھی ایک خاص شرح کے مطابق سود عائد کیا جاتا ہے، اس طرح کے قرض عام طور پر دس بیس یا تیس سال کے لئے حاصل کیے جاتے ہیں اور تمام مدت کے لئے ایک ہی شرحِ سود مقرر ہوتی ہے، اس وقت اس بات کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا کہ آئندہ بازار کے نرخ میں کیا اُتار چڑھاؤ پیدا ہوگا؟ اور ظاہر ہے کہ جب تک فریقین کے پاس علمِ غیب نہ ہو اس وقت تک وہ یہ جان بھی نہیں سکتے۔

فرض کیجئے کہ ۱۹۶۲ء میں ایک شخص بیس سال کے لئے سات فیصد شرحِ سود پر ایک بھاری رقم بطورِ قرض لیتا ہے، اور اس سے کوئی بڑا کام شروع کرتا ہے، اب وہ مجبور ہے کہ ۱۹۸۲ء تک ہر سال با قاعدگی کے ساتھ اسی طے شدہ شرح کے مطابق سود دیتا رہے، لیکن اگر ۱۹۷۰ء تک پہنچتے پہنچتے قیمتیں گر کر موجودہ نرخ سے نصف رہ جائیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ شخص جب تک موجودہ حالت کی بہ نسبت دُگنا مال نہ بیچے وہ نہ اس رقم کا سود ادا کر سکتا ہے اور نہ قسط، اس کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ اس ارزانی کے دور میں یا تو اس قسم کے قرض داروں کے دیوالیے نکل جائیں گے یا وہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے معاشی نظام کو خراب کرنے والی ناجائز حرکات میں سے کوئی حرکت کریں گے۔

اس معاملے پر غور کرنے سے ہر انصاف پسند اور معقول آدمی پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مختلف زمانوں کی گرتی اور چڑھتی قیمتوں کے درمیان ساہوکار کا ایک متعین اور یکساں نفع نہ تو قرینِ انصاف ہی ہے اور نہ معاشی اُصولوں کے لحاظ سے اسے دُرست کہا جا سکتا ہے۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی تجارتی کمپنی یہ معاہدہ کر لے کہ وہ آئندہ بیس یا تیس سال تک خریدار کو ایک ہی متعین قیمت پر اشیاء فراہم کرتے رہیں گے، جب یہ معاملہ صحیح نہیں تو آخر سود خور دولت مند میں وہ کیا خصوصیت ہے جس کی بناء پر اس کے نفع پر قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کا کوئی اثر نہیں پڑتا؟

جدید بینکنگ

نئی مغربی تہذیب نے یوں تو بہت سی مہلک چیزوں پر چند سطحی فوائد کا ملمع چڑھا کر پیش کیا ہے، مگر اس کا یہ کارنامہ سب سے زیادہ ''قابلِ داد'' ہے کہ ''سود'' جیسی گھناؤنی اور قابلِ نفرت چیز کو جدید بینکنگ سسٹم کا دِلکش اور نظر فریب لبادہ پہنا کر پیش کیا اور اس طرح پیش کیا کہ اچھے خاصے سمجھ دار اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس نظام کو نہایت معصوم اور بے ضرر سمجھنے لگے۔

مغربی تہذیب کے اس بدترین مظہر کی خوبیاں لوگوں کے دِل و دِماغ پر کچھ اس طرح چھا چکی ہیں کہ وہ اس کے خلاف کچھ سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور اس کو بے ضرر بلکہ نفع بخش، جائز بلکہ قطعاً ناگزیر سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر تقلیدِ مغرب کی منحوس عینک اُتار کر واقعات کا جائزہ لیا جائے تو ایک سلیم الفکر انسان کا ذہن سو فیصد اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ عام قوم کے لئے معاشی ناہمواریاں پیدا کرنے میں جس قدر بڑی ذمہ داری بینکنگ کے موجودہ نظام پر ہے اتنی کسی اور چیز پر نہیں، حقیقت یہ ہے کہ قدیم نظامِ ساہوکاری کے نقصانات پھر اتنے زیادہ نہیں تھے جتنے کہ اس جدید نظام سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم پہلے مختصراً بینکنگ کا طریق کار ذکر کرتے ہیں تاکہ بات کو سمجھنے اور کسی نتیجے تک پہنچنے میں کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

ہوتا یہ ہے کہ چند سرمایہ دار مل کر ایک ادارۂ ساہوکاری قائم کر لیتے ہیں، جسکا دُوسرا نام ''بینک'' ہے، یہ لوگ مشترکہ طور پر ساہوکاری کا کاروبار کرتے ہیں۔

شروع میں کام چلانے کے لئے یہ لوگ کچھ اپنا سرمایہ لگاتے ہیں لیکن بینک کے مجموعی سرمایہ میں اس کا تناسب بہت کم ہوتا ہے، بینک کا زیادہ تر سرمایہ وہ رقم ہوتی ہے جو عام لوگ (Depositors) بینک میں رکھواتے ہیں۔ دراصل بینک کی ترقی کے لئے سب سے اہم یہی سرمایہ ہوتا ہے، جس بینک میں جتنا زیادہ سرمایہ امانت داروں کا ہوتا ہے اتنا ہی وہ طاقت ور سمجھا جاتا ہے، لیکن اگرچہ امانت داروں کا سرمایہ بینک کی اصل رُوحِ رواں ہوتی ہے مگر ان لوگوں کو بینک کی پالیسی میں کوئی دخل نہیں ہوتا، روپیہ کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ شرحِ سود کیا مقرر ہو؟ منتظم کسے رکھا جائے؟ ان تمام چیزوں کا تعین صرف سرمایہ داروں کی صوابدید پر ہوتا ہے، امانت داروں کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ پیسہ رکھوا کر معمولی شرح سے سود لیتے رہیں، اور پھر اگرچہ کہنے کو تو بینک کے بہت سے حصے دار (Shares) ہوتے ہیں مگر بینک کی پالیسی میں تمام عمل و دخل ان لوگوں کا ہوتا ہے جن کے حصص (Shares) زیادہ ہوں، رہے چھوٹے حصے دار تو ان کا تعلق بینک سے صرف اس قدر رہتا ہے کہ جب نفع کی تقسیم کا وقت آئے تو ان کا حصہ رسدی پہنچ جائے اور بس۔

اب یہ چند بڑے سرمایہ دار اپنی مرضی کے مطابق بینک کا روپیہ سود پر دیتے ہیں، سرمایہ کا ایک حصہ یہ لوگ روزمرہ کی ضروریات کے لئے اپنے پاس رکھتے ہیں، کچھ صرافہ بازار کو قرض دیا جاتا ہے اور کچھ دُوسرے قلیل المیعاد قرضوں میں صَرف کیا جاتا ہے، ان قرضوں پر بینک کو ایک سے لے کر تین چار فیصد تک سود مل جاتا ہے۔

پھر ایک بڑا حصہ کاروباری لوگوں، بڑی بڑی کمپنیوں اور دُوسرے اجتماعی اداروں کو دیا جاتا

ہے جو بالعموم مجموعی رقم کا ۳۰٪ سے لے کر ۶۰٪ تک ہوتا ہے، بینک کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ یہی قرضے ہیں، ہر بینک کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ اس کا زیادہ سے زیادہ سرمایہ ان قرضوں میں لگے، اس لئے کہ ان قرضوں پر سب سے زیادہ شرح سے سود ملتا ہے، اس طرز پر جو آمدنی بینک کو حاصل ہوتی ہے وہ بینک کے تمام شرکاء کے درمیان اسی انداز سے تقسیم کر دی جاتی ہے جیسے عام تجارتی کمپنیوں کا دستور ہے۔

اس دام ہم رنگ زمین کو پھیلانے میں جس چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیا گیا ہے وہ واقعۂ عجیب ہے، عوام تو سود کے لالچ میں اپنی رقمیں ایک ایک کر کے بینک کی تجوریوں میں بھرتے رہتے ہیں اور اس سے پورا نفع چند سرمایہ دار اُٹھاتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ساہوکار غریب اور کم دولت مند تجار کو تو پیسہ دینے سے رہے، وہ تو ہمیشہ یہ روپیہ ان بڑے بڑے سرمایہ داروں کو دیتے ہیں جو انہیں اچھی شرح سے سود دے سکیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پوری قوم کا سرمایہ چند مٹھی بھر سرمایہ داروں کے پاس جمع ہو جاتا ہے اور یہ دولت کے اس خزانے کے بل پر پوری قوموں کی قسمت سے کھیلتے ہیں۔ دُنیا کے سیاسی معاملات سے لے کر قوم کے معاشی حالات تک ہر چیز ان کے رحم وکرم پر ہوتی ہے اور یہ پوری دُنیا کی سیاسی، معاشی اور تمدنی زندگی پر پوری خودغرضی کے ساتھ حکومت کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب ایک تاجر صرف دس ہزار کا مالک ہوتے ہوئے دس لاکھ کے سرمایہ سے تجارت کرتا ہے تو اگر اسے نفع پہنچ جائے تو وہ سود کے چند ٹکوں کے سوا پورا اسی کو ملا، اور اگر اسے نقصان ہو تو اس کے صرف دس ہزار ڈوبے، باقی نو لاکھ نوّے ہزار روپیہ تو پوری قوم کا گیا، جس کی تلافی کی کوئی صورت نہیں، پھر اسی پر بس نہیں، ان سرمایہ دارں نے یہاں بھی دس ہزار کے نقصان سے بچنے کی یہ راہ نکال لی ہے کہ اگر یہ خسارہ کسی حادثے کے سبب ہوتا ہے تو یہ اپنا پورا انشورنس کمپنی سے وصول کر لیتے ہیں، جو درحقیقت قوم ہی کا سرمایہ ہوتا ہے، گویا ان سرمایہ داروں کے نقصان کی تلافی بھی ان ہی غریبوں پر فرض ہو جاتی ہے جو اپنا پورا روپیہ انشورنس کمپنیوں میں جمع رکھتے ہیں، اور نہ ان کا کبھی کوئی جہاز ڈوبتا ہے، نہ ان کے کسی تجارتی مرکز کو آگ لگتی ہے، اور اگر یہ نقصان بازار کے نرخ گر جانے سے ہوتا ہے تو سرمایہ دار سٹے کے ذریعے اپنا نفع ٹوٹا برابر کر لیتے ہیں۔

اب اس معمولی نفع کا حال بھی سنئے جو بینک اپنے امانت دار عوام کو ہر سال ایک سو کے عوض ایک سو تین دیتا ہے، مگر درحقیقت یہ تین روپے بھی مزید کچھ سود لے کر پھر ان ہی سرمایہ داروں کی جیب میں پہنچ جاتے ہیں۔

جو سرمایہ دار بینکوں سے بڑی بڑی رقمیں لے کر تجارت کرتے ہیں وہ اس دولت کی وجہ سے

پورے بازار پر قابض ہو جاتے ہیں، چنانچہ وہ جب چاہتے ہیں نرخ بڑھا دیتے ہیں، جب چاہتے ہیں گھٹا دیتے ہیں، جب اور جہاں جی میں آتا ہے قحط برپا کر دیتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں اشیاء کی فراوانی ہو جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاں انہیں اپنے نفع میں کچھ کمی ہوتی نظر آئی، انہوں نے بازار میں اشیاء کے نرخ بڑھا دیئے، اشیاء گراں ہوگئیں اور بے چارے عوام نے خود اپنے ہاتھوں سے وہ سود کی رقم جو بینک سے حاصل کی تھی پھر ان ہی سرمایہ داروں کے حوالے کر دی، اس طرح ہمارے بینک درحقیقت پوری قوم کے (Blood Bank) بنے ہوئے ہیں جہاں سے یہ سرمایہ دار پوری قوم کا خون چوس چوس کر پھولتے رہتے ہیں اور پوری قوم اقتصادی اعتبار سے نیم جان لاش رہ جاتی ہے۔

اس بینکنگ کی اصلیت معلوم کرنے کے بعد بھی کیا کسی سلیم الفکر انسان پر یہ بات مخفی رہ سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کے لین دین کرنے والے کے لئے خدا اور رسول ﷺ کے اعلانِ جنگ کی سخت وعید کیوں سنائی؟

ایک اور ضمنی دلیل

جناب جعفر شاہ صاحب پھلواروی لکھتے ہیں:

> فرض کیجئے ایک شخص آٹھ سو روپے کی ایک بھینس خریدتا ہے جو روزانہ دس پندرہ سیر دُودھ دیتی ہے، یہ اپنی بھینس ایک شخص کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم اس کی خدمت کرو اور اس کے دُودھ، دہی، مکھن سے فائدہ اُٹھاؤ اور مجھے چار پانچ سیر دُودھ روزانہ دے دیا کرو۔ سوال یہ ہے کہ اگر اس قسم کی شرائط پر وہ بھینس کسی کے حوالے کر دے اور وہ ان شرائط کو قبول کر لے تو کیا یہ سودا کسی فقہ کی رُو سے ناجائز ہوگا؟

اس سلسلے میں ہم سوائے اظہارِ حیرت کے اور کیا کر سکتے ہیں؟ نہ جانے جعفر شاہ صاحب کو اس صورت کے ناجائز ہونے میں کیا شبہ ہے؟ ہمارے نزدیک سوال یہ نہیں کہ یہ صورت کون سی فقہ کی رُو سے ناجائز ہے؟ اگر کسی فقہ کی رُو سے جائز ہے تو براہِ کرم نشاندہی فرمائیں۔ اس صورت میں بھی چونکہ ایک شخص کا نفع متعین اور ایک کا موہوم اور مشتبہ ہے، اس لئے یہ معاملہ ہر فقہ میں ناجائز ہے، ہو سکتا ہے کہ کبھی بھینس صرف پانچ سیر دُودھ دے اور سارا بھینس کا مالک لے لے اور خدمت کرنے والے کی محنت اور پیسہ بیکار جائے!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال نامہ رِبا کا جواب☆

حال ہی میں اسلامی نظریاتی کونسل نے رِبا کے بارے میں ایک سوالنامہ جاری کیا تھا، اس کا جو جواب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم کی طرف سے روانہ کیا گیا ہے۔ اس مرتبہ اداریہ میں پیشِ خدمت ہے۔

سوال ۱ (الف): قرآنِ مجید اور سنت کی روشنی میں ربا کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور قبل از اسلام اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ تخصیصاً کیا رِبا سے مراد ایسا سود ہے جو اصل زر کو دو گنا اور سہ گنا (اضعافا مضاعفۃ) کر دیتا ہے یا اس میں قرض خواہ کی طرف سے وصول کیا جانے والا رائج الوقت سود مفرد اور سود مرکب شامل ہے؟

جواب ۱ (الف): قرآنِ کریم نے جس ''رِبا'' کو حرام قرار دیا ہے اس کے مفہوم میں کوئی گنجلک یا اشتباہ نہیں۔ قرآنِ کریم، سنتِ نبویہ، آثارِ صحابہ اور اجماعِ اُمت نے قرض پر طے کر کے لی جانے والی ہر زیادتی کو ''رِبا'' قرار دیا ہے خواہ وہ سود مفرد ہو یا مرکب۔ اس سلسلہ میں دلائل کی تفصیل پیش کی جائے تو ایک پوری کتاب تیار ہو سکتی ہے اور بہت سے حضرات نے اس پر مبسوط مقالات اور کتابیں لکھی ہیں۔ احقر نے بھی اپنے ایک رسالے ''مسئلۂ سود'' میں اس حقیقت کو دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ یہ رسالہ سوالنامہ کے جواب کے ساتھ منسلک ہے، تاکہ تفصیل کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ تاہم یہاں چند اہم نکات کی طرف اشارہ مناسب ہوگا۔

☆ از حضرت مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱) قرآنِ کریم نے ''ربا'' کی حرمت کے تفصیلی احکام بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o(۱)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور ربوا کی جو کچھ رقم باقی ہو اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔

اس میں "مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا" (ربا کی جو کچھ رقم باقی ہو) کے الفاظ عام اور سود کی ہر مقدار کو شامل ہیں، آگے اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد ہے: وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ اور اگر تم (ربا سے) توبہ کرو تو تمہارے رأس المال تمہیں مل جاویں گے۔ (اس طرح) نہ تم کسی پر ظلم کرو گے نہ تم پر کسی طرف سے ظلم ہوگا۔ اس آیت نے واضح طور سے بتا دیا کہ ''ربا'' سے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ راس المال (اصل زر) کے سوا کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے، اور لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ سے اس بات کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ اصل رقم پر ہر اضافہ خواہ کتنا کم کیوں نہ ہو، ظلم میں داخل ہے۔ رہا قرآنِ کریم کا ارشاد کہ لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً (سود کو چند در چند کر کے مت کھاؤ،(۲) سو اس میں ''چند در چند'' کا لفظ حرمتِ سود کی قانونی شرط نہیں ہے، بلکہ اس جرم کی صرف ایک قبیح ترین صورت پر تنبیہ ہے، اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ارشاد ہے لَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا(۳) یعنی میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر فروخت نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ یہاں ''تھوڑی سی قیمت'' ممانعت کی قانونی شرط نہیں ہے چنانچہ کوئی معقول آدمی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ آیاتِ الٰہی کو بڑی قیمت کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔ اس کے بجائے یہ الفاظ محض جرم کی شناعت کو واضح کرنے کے لئے لائے گئے ہیں۔ بعینہٖ یہی معاملہ ''اضعافا مضاعفۃ'' کا ہے کہ جرم کی شناعت بیان کرنے کے لئے ایک خاص صورت ذکر کر دی گئی ہے ورنہ اگر یہ قانونی شرط ہوتی تو سورۂ بقرہ کی آیت میں یہ نہ کہا جاتا کہ ربا سے توبہ کی صورت میں صرف رأس المال قرض خواہ کو ملے گا، اور ساری رقم اسے چھوڑنی ہوگی۔

(۲) سرکارِ دو عالم ﷺ نے بھی بار بار یہ حقیقت واضح فرمائی کہ اصل رقم پر لیا جانے والا ہر اضافہ ''ربا'' اور حرام ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ امام شافعیؒ اور امام ابن ابی حاتمؒ آپ کا یہ ارشاد روایت فرماتے ہیں:

الا ان کل ربًا کان فی الجاهلیة موضوع عنکم کله، لکم رء وس

(۱) البقرۃ:۲۷۸۔ (۲) ۳:۱۳۰۔ (۳) البقرۃ:۴۱۔

اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون، واول ربا موضوع ربا العباس بن عبدالمطلب کله. (۱)

یعنی سنو کہ ہر وہ ربوا جو جاہلیت میں واجب تھا تم سے پورا کا پورا ختم کر دیا گیا۔ تمہارے لئے قرض کی صرف اصل رقم ہے۔ نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے اور سب سے پہلے جو رِبا ختم کیا گیا وہ عباس ابن مطلب کا رِبا ہے جو پورے کا پورا ختم کر دیا گیا۔ نیز آپ نے رِبا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "کل قرض جرّ منفعة فهو ربا" ہر وہ قرض جو کوئی نفع کھینچ لائے، رِبا ہے۔ (۲) یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر حسن لغیرہ ہے۔ (۳)

چنانچہ صحابہ و تابعین بھی ''ربا کا مطلب سمجھتے تھے کہ قرض پر طے کر کے لیا جانے والا ہر اضافہ ''رِبا'' ہے خواہ کم ہو یا زیادہ۔ حضرت فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، وہ رِبا کی یہ تعریف کرتے ہیں: کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا۔ ہر وہ قرض جو کوئی منفعت کھینچ لائے وہ رِبا کی اقسام میں داخل ہے (۴) اور امام بخاری نے کتاب الاستقراض ''باب اذا اقرضه الی اجل مسمی'' میں حضرت عبداللہ بن عمر کا یہ قول تعلیقاً نقل کیا ہے کہ

قال ابن عمر فی القرض الی اجل لا باس به وان اعطی افضل من دراهمه ما لم یشترط. (۵)

معین مدت کے لئے قرض دینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ قرض دار اس کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کرے بشرطیکہ (یہ بہتر دراہم ادا کرنا) قرض کے معاہدے میں طے نہ کیا گیا ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر معاہدہ میں یہ طے کر لیا جائے کہ قرض کے دراہم سے بہتر دراہم ادا کیے جائیں گے تو وہ رِبا میں داخل ہو کر حرام ہوگا۔

نیز حضرت ابو بردۃ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے مجھے نصیحت کی کہ تم ایک ایسی سرزمین میں آباد ہو جہاں رِبا بہت عام ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص پر تمہارا قرض واجب ہو اور وہ تمہیں بھوسے، جو یا چارے کا بوجھ ہدیۃً دینا چاہے تو تم اسے قبول نہ کرو۔ کیونکہ وہ رِبا ہے۔ (۶)

---

(۱) تفسیر ابن کثیر، ص:۳۳۱، ج:۱، مطبوعہ ۱۳۵۶ھ۔
(۲) الجامع الصغیر للسیوطی بحوالہ حارث بن ابی اسامۃ، ص:۹۴، ج:۱، حدیث ۶۳۳۶۔
(۳) السراج المنیر للعزیزی، ص:۸۶، ج:۳۔
(۴) السنن الکبریٰ للبیہقی، ص۳۵۰، ج۵۔ (۵) صحیح بخاری، ص:۳۲۳، ج:۱۔
(۶) صحیح بخاری، مناقب عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، ص:۵۳۸، ج:۱۔

اور حضرت قتادہ بن دعامۃ الدوسی آیت "وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ما كان لهم من دين فجعل لهم ان ياخذوا رء وس اموالهم ولا يزدادوا عليه شيئا. (۱)

جس شخص کا کچھ قرض دُوسرے پر ہو۔ اس کے لئے قرآن نے اصل رقم لینے کی اجازت دی لیکن اس پر ذرا بھی اضافہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

(۴) علماءِ لغت نے بھی "ربا" کی یہی تشریح کی ہے، چنانچہ لغتِ عرب کے مشہور امام زجاج رِبا کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "كل قرض يوخذ به اكثر منه"(۲) یعنی ہر وہ قرض جس کے ذریعہ اس سے زیادہ رقم وصول کی جائے۔ نیز لسان العرب وغیرہ میں بھی رِبا کی یہی تعریف نقل کی گئی ہے۔

چنانچہ اُمت کے تمام علماء وفقہاء بلا اختلاف "ربا" کی یہی تعریف کرتے آئے ہیں۔ امام ابوبکر جصاص احکام القرآن میں اہلِ جاہلیت کے رِبا کی قانونی اور جامع و مانع تعریف اس طرح فرماتے ہیں:

هو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على المستقرض. (۳)

قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدت ادائیگی اور قرض دار پر مال کی کوئی زیادتی طے کر لی گئی ہو۔

مذکورہ بالا تصریحات نے "ربا" کے مفہوم میں کوئی گنجلک یا ابہام و اجمال باقی نہیں چھوڑا، اور ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرض کے معاملہ میں قرض دار کے ذمہ اصل پر جو اضافہ بھی معاہدے میں طے کر کے لیا اور دیا جائے وہ "ربا" ہے، اس میں کم یا زیادہ، یا مفرد و مرکب کی کوئی تخصیص نہیں ہے، یہی قرآن وسنت کا حکم ہے، یہی اجماعِ اُمت کا فیصلہ ہے، اور اسلامی شریعت میں اس کے سوا کسی نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(ب) کیا ظہورِ اسلام کے بعد ہونے والی ترقی اور تبدیلیوں کے پیشِ نظر "ربا" کی نئی تشریح کی جاسکتی ہے؟

---

(۱) تفسیر ابن جریر طبری، ص: ۶۷، ج: ۳۔
(۲) تاج العروس، ص: ۱۴۲، ج: ۱۔
(۳) احکام القرآن، ص: ۵۵۷، ج: ۱۔

اس کا مختصر جواب ہے کہ ہرگز نہیں۔ جس چیز کی تشریح خود قرآن و حدیث نے کر دی ہو، جس پر فقہاء صحابہ و تابعین متفق رہے ہوں، اور جس پر اُمت کا اجماع متفق ہو چکا ہو اس کی ''نئی تشریح'' درحقیقت قرآن و سنت کی تحریف کا نام ہے اور ایسی نئی تشریحات کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث کا کوئی حکم صحیح و سالم باقی نہ رہے۔ اگر محض زمانے کے عام چلن سے متاثر ہو کر ''ربا'' کی کوئی ایسی نئی ''تشریح'' کی جا سکتی ہے جو قرآن و سنت اور اجماع کے صریح ارشادات کے خلاف ہو تو ''خمر''، ''زنا'' یہاں تک کہ ''کفر'' و ''شرک'' کی نئی تشریح بھی ممکن ہو گی، پھر اسلام کا کون سا حکم تحریف و ترمیم کی دست برد سے محفوظ رہ سکتا ہے؟

شریعت کے جو احکام زمانے کی تبدیلی سے متاثر ہونے والے تھے، ان کے بارے میں خود قرآن و سنت نے صریح اور تفصیلی احکام دینے کے بجائے کچھ اصول بتا دیئے ہیں جن کی روشنی میں شریعت کے اصولوں کے تحت احکام مستنبط کیے جا سکیں، لہٰذا جہاں قرآن و سنت کے احکام منصوص اور واضح ہیں اور ان میں آئندہ کسی تبدیلی کی نشاندہی نہیں کی گئی، ان پر قیامِ قیامت تک جوں کا توں عمل ضروری ہے۔ اگر زمانے کی تبدیلی سے واقعۃً ''ربا'' کے حکم میں کوئی تبدیلی ہونی تھی تو اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآنِ کریم ''ربا'' کی شناعت بیان کرنے کے لئے پورے دو رکوع نازل کرتا ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیتا ہے، سرورِ کونین ﷺ اس پر شدید ترین وعیدیں بیان فرماتے ہیں، لیکن قرآن و سنت میں کسی جگہ اس بات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں ملتا کہ یہ حکم کسی زمانے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس کے بجائے آئندہ زمانے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا جو ارشاد کتبِ حدیث میں ملتا ہے وہ تو یہ ہے:

> ليأتين على الناس زمان لا يبقى منهم أحد الا أكل الربا، فمن لم يأكله اصابه من غباره.[1]
>
> یعنی لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ان میں کوئی شخص ایسا نہ بچے گا جس نے سود نہ کھایا ہو، اور جس شخص نے واقعی سود نہ کھایا ہوگا، اس کو سود کا غبار تو ضرور ہی پہنچے گا۔

نیز یہ ارشاد ہے کہ ''بين يدى الساعة يظهر الربا والزنا والخمر''[2] قیامت کے قریب سود، زنا اور شراب کی کثرت ہو جائے گی۔

ان احادیث میں آپ ﷺ صراحۃً بتلا رہے ہیں کہ آئندہ ایک زمانہ ایسا آ جائے گا جب

(۱) ابوداؤد وابن ماجہ۔ (۲) طبرانی ورواته رواة الصحيح۔

سود یا اس کے غبار سے بچنا مشکل ہوگا، اس کے باوجود آپ اس سود کو ''رِبا'' ہی قرار دیتے ہیں، اور کوئی ادنیٰ اشارہ بھی ایسا نہیں دیتے کہ اس دور میں ربا کی ''نئی تشریح'' کر کے اسے حلال کر لینا چاہئے۔ پھر حدیث کی پیشین گوئی کے مطابق آج ربا کی کثرت کا مشاہدہ ہو رہا ہے، لیکن جس ربا کی کثرت ہے وہ تجارتی سود ہے کیونکہ مہاجنی سود کی تو ایسی زیادتی نہ ہوئی ہے نہ آئندہ بظاہر امکان ہے کہ اس سے کوئی انسان خالی نہ رہے۔ یہ بینکوں ہی کا سود ہے جس کے اثرات ہر کس و ناکس تک پہنچتے ہیں۔ اس سے مزید یہ معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث نے جس ربا کو حرام قرر دیا ہے اس میں تجارتی اور مہاجنی ہر طرح کے سود شامل ہیں۔

سوال نمبر۲: کیا اسلامی تعلیمات اور احکام کے مطابق
(۱) دو مسلم ریاستوں کے درمیان یا (۲) ایک مسلم اور دُوسری غیر مسلم ریاست کے مابین سود کی بنیاد پر کاروبار جائز ہے؟

جواب: جہاں تک دو مسلم ریاستوں کا تعلق ہے ان کے درمیان سود کے لین دین کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف رہا ہے کہ کسی غیر مسلم ریاست سے سود لیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن اس کی وجہ سود کا جواز نہیں، بلکہ یہ ہے کہ دارالحرب میں رہنے والے کافروں کا مال ان کی رضامندی سے وصول کر کے اس پر قبضہ کر لینا ان فقہاء کے نزدیک جائز ہے، دارالحرب کے کفار وہ مال خواہ کوئی نام رکھ کر دیں، ان فقہاء کے مسلک کے مطابق مسلمان اسے بحیثیت سود نہیں بلکہ اس حیثیت سے وصول کر سکتے ہیں کہ وہ ایک حربی کا مالِ مباح ہے، لہٰذا اضطراری حالات میں اس نقطۂ نظر کو اختیار کر لینے کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر۳: حکومت قومی ضروریات کے لئے جو قرضے جاری کرتی ہے کیا ان پر لاگو ہونے والا سود ربا کے ذیل میں آتا ہے؟

جواب نمبر۳: بلاشبہ ربا کے ذیل میں آتا ہے، کیونکہ ''ربا'' جس طرح انفرادی طور پر مسلمان کے لئے حرام ہے اسی طرح حکومت کے لئے حرام ہے

سوال نمبر۴: کیا آپ کے خیال میں غیر سودی بینکاری ممکن ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کن مفروضات کے مطابق؟

جواب نمبر۴: غیر سودی نظام بینکاری بلاشبہ ممکن ہے۔ اس کی تفصیلات تو اس مختصر سوالنامے کے جواب میں نہیں سما سکتیں، لیکن اس کا مختصر خاکہ درج ذیل ہے: اس پر عمل کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس نظام کی مکمل تفصیلات مدوّن کرنے کے لئے صاحبِ بصیرت فقہاء اور ماہرینِ معاشیات و بینکاری کی

ایک مجلس خاص اسی غرض کے لئے بنائی جائے جو رِبا کی حلت وحرمت کی بحث میں وقت ضائع کرنے کے بجائے مثبت طور پر غیر سودی نظامِ بینکاری کی تفصیلات مرتب کرے۔ خاکہ درج ذیل ہے:

اسلامی احکام کے مطابق بینکاری ''رِبا'' کے بجائے ''شرکت'' اور ''مضاربت'' کے اصولوں پر استوار کی جائے گی جس پر عمل مندرجہ ذیل طریقے سے ہوگا۔

عوام جو رقمیں بینک میں رکھوائیں گے وہ دو قسم پر مشتمل ہوں گی، عندالطلب قرضے (Current Account) اور دُوسرے مد مضاربت (Fixed Deposit)، سیونگ اکاؤنٹ پہلی قسم میں شامل ہوجائے گا۔

عندالطلب قرضوں میں تمام رقوم بینک کے پاس فقہی نقطۂ نظر سے قرض ہوں گی۔ کھاتہ دار ہر وقت بذریعہ چیک ان کی واپسی کا مطالبہ کر سکے گا، اور ان پر منافع کھاتہ دار کو نہیں دیا جائے گا۔ جب کہ موجودہ نظام میں بھی اس مد پر کوئی سود نہیں دیا جاتا۔ البتہ مضاربت کے کھاتہ دار معین مدت کے لئے جو تین ماہ سے ایک سال تک ہوسکتی ہے رقم رکھوائیں گے، اور اس رقم سے بینک (اس طریقے کے مطابق جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) جو منافع حاصل کرے گا اس میں متناسب طور سے (Proportionately) شریک ہوں گے۔ یعنی ان کی رقم کل لگے ہوئے سرمایہ (Invested Money) کا جتنا فی صد حصہ ہے، بینک کے کل منافع میں سے اتنا ہی فی صد حصہ انہیں ملے گا۔

عندالطلب قرضوں اور مضاربت کھاتہ کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم میں سے بینک ایک حصہ مد محفوظ (Reserve) کے طور پر رکھ کر باقی سرمایہ کاروباری افراد کو شرکت یا مضاربت کے اصول پر دے گا۔ کاروباری افراد اس سرمایہ کو صنعت یا تجارت میں لگا کر جو نفع حاصل کریں گے اس کا ایک طے شدہ فی صد حصہ بینک کو اصل رقم کے ساتھ ادا کریں گے۔ اور بینک یہ نفع اپنے حصہ داروں اور کھاتہ داروں کے درمیان طے شدہ متناسب حصوں کی صورت میں تقسیم کرے گا۔

مذکورہ طریق کار کے علاوہ غیر سودی نظام میں بینک اپنے وہ تمام وظائف بھی جاری رکھے گا جو وہ اُجرت پر انجام دیتا ہے، مثلاً لاکرز، ٹریولز چیک، بینک ڈرافٹ، اور لیٹر آف کریڈٹ جاری کرنا بیع وشرا کی دلالی، کاروباری مشورے دینا وغیرہ ان تمام خدمات کو بدستور جاری رکھ کر ان پر اُجرت وصول کی جاسکے گی۔

یہ غیر سودی بینکاری کے لئے انتہائی مجمل اشارات ہیں۔ اس موضوع پر مفصل کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں جن میں اس نظام کی جزوی تفصیلات سے بھی بحث کی گئی ہے۔ ذاتی طور پر متعدد ماہرین بینکاری سے مشوروں کے دوران انہوں نے اس طریق کار کو بالکلیہ قابل عمل قرار دیا ہے اور اس

پر عمل کرنے کے لئے صحیح طریقہ وہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے کہ خاص اس غرض کے لئے ماہرین کی ایک مجلس بنادی جائے جو غور وخوض کے بعد اس نظام کی عملی تفصیلات مرتب کرے۔

سوال نمبر ۵: کیا اسلامی احکام کی روشنی میں بینکوں کی فراہم کردہ سہولتوں یا خدمات کے عوض سود کی وصولی کے سلسلہ میں نجی اور سرکاری بینکاری میں کوئی امتیاز کیا جاسکتا ہے؟

جواب نمبر ۵: اسلامی احکام کے اعتبار سے نجی بینکوں اور سرکاری بینکوں میں کوئی فرق نہیں۔ جن خدمات کی اُجرت لینا نجی بینکوں کے لئے جائز ہے ان کی اجرت سرکاری بینکوں کے لئے بھی جائز ہے۔اور سود کے معاملات نہ نجی بینکوں کے لئے جائز ہے نہ سرکاری بینکوں کے لئے۔

سوال نمبر ۶: کیا حکومت کے مملوکہ یا اس کے زیرِ نگرانی چلنے والے بینکاری کے کسی ادارے کو نامعلوم مالک کی ملکیت (مال مجہول المالک) قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اسلام کی رُو سے ایسے ادارے کی کیا حقیقت ہوگی؟

جواب نمبر ۶: جو بینک حکومت نے قائم کیے ہوں وہ حکومت کی ملکیت ہیں۔لہٰذا انہیں مجہول المالک اموال میں داخل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

سوال نمبر ۷ (الف): آیا اسلامی تعلیمات کے بموجب سرمایہ کو عاملِ پیداوار قرار دیا جاسکتا ہے،اور اس کے استعمال کے عوض کوئی معاوضہ دیا جاسکتا ہے؟

(ب) اگر جواب اثبات میں ہے تو آیا اسلام منافع کی تقسیم میں سرمایہ کا کوئی حصہ مقرر کرتا ہے؟

جواب نمبر ۷: یہ ایک نظریاتی بحث ہے جسے صراحۃً قرآن وسنت میں نہیں چھیڑا گیا، البتہ اس سلسلہ میں قرآن وسنت کے احکام سے جو صحیح پوزیشن سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ''سرمایہ'' کو عاملِ پیداوار شمار کیا گیا ہے، البتہ جس چیز کو آج کل علمِ معاشیات میں سرمایہ یا اصل (Capital) کہا جاتا اور جس کی تعریف پیداشدہ ذریعہ پیدائش سے کی جاتی ہے، وہ اسلامی شریعت کے اعتبار سے دو قسموں پر منقسم ہے:

(۱) وہ سرمایہ جس کا عملِ پیداوار میں استعمال اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اسے خرچ نہ کیا جائے جیسے روپیہ اور اشیاء خوردنی۔

(۲) وہ وسائل پیداوار جن کا عملِ پیدائش میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے کہ ان کی اصل

شکل وصورت برقرار رہتی ہے مثلاً مشینری۔

تقسیم دولت میں ان دو قسموں میں سے پہلی قسم کا حصہ منافع (Profit) ہے نہ کہ سود اور دُوسری قسم کا حصہ زمین کی طرح اُجرت یا کرایہ ہے (Rent)

یہاں مختصراً اتنا اشارہ کافی ہے۔ اس مسئلہ کی مکمل تشریح اور اس کی فنی تفصیلات احقر کے مقالے ''اسلام کا نظامِ تقسیم دولت'' میں موجود ہیں۔ جو ساتھ منسلک ہے۔

سوال نمبر ۸: (الف): کیا آپ کے خیال میں موجودہ اقتصادی حالات میں بینکاری کی سہولتوں سے استفادہ کیے بغیر یا ایسی سہولتوں کے عوض سود یا بینکاری کے اخراجات ادا کیے بغیر ملکی اور غیر ملکی تجارت کو مؤثر طریقہ سے چلانا ممکن ہے؟

(ب) اگر مندرجہ بالا سوال کا جواب نفی میں ہے تو کیا آپ اسلامی احکام سے ہم آہنگ کوئی متبادل تجویز کر سکتے ہیں؟

جواب نمبر ۸: جی ہاں۔ ممکن ہے۔ یہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بینک اپنی جن خدمات پر اُجرت وصول کرتا ہے مثلاً لاکرز، لیٹرز آف کریڈٹ، بینک ڈرافٹ، بیع وشرا کی دلالی وغیرہ، ان کی اُجرت لینا جائز ہے۔ البتہ سود کا کاروبار ناجائز ہے، اور اس کی متبادل صورت سوال نمبر ۴ کے جواب میں آچکی ہے۔

سوال نمبر ۹: کیا بیمہ کا کاروبار سود کے بغیر چلایا جاسکتا ہے؟

جواب نمبر ۹: جی ہاں۔ اور اس کی صحیح اسلامی صورت یہ ہے کہ:

(۱) بیمہ پالیسی کی حاصل شدہ رقوم کو مضاربت کے شرعی اصول کے مطابق تجارت میں لگایا جائے اور معین سود کے بجائے اسی طریقے پر تجارتی نفع تقسیم کیا جائے جس کا ذکر غیر سودی بینکاری کے ذیل میں آیا ہے۔

(۲) بیمہ کے کاروبار کو امدادِ باہمی کا کاروبار بنانے کے لئے بیمہ پالیسی لینے والے اپنی رضامندی سے اس معاہدے کے پابند ہوں کہ اس کاروبار کے منافع کا ایک معتد بہ حصہ نصف یا تہائی یا چوتھائی ایک ریزروفنڈ کی صورت میں محفوظ رکھ کر اسے وقف قرار دیں گے، اور اسے حوادث میں مبتلا ہونے والے افراد کی امداد پر خاص اصول وقواعد کے ماتحت خرچ کیا جائے گا۔

(۳) بصورتِ حوادث یہ امداد صرف ان حضرات کے ساتھ مخصوص ہوگی جو اس معاہدے کے پابند اور اس کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اوقاف میں ایسی تخصیصات شرعاً جائز ہیں، وقف علی الاولاد اس

کی نظیر موجود ہے۔

(۴) اصل رقم مع تجارتی نفع کے ہر فرد کو پوری پوری ملے گی الا یہ کہ کاروبار میں خسارہ ہو اور وہی اس کی ملک سمجھی جائے گی۔ امداد باہمی کا ریز رو فنڈ وقف ہوگا۔ جس کا فائدہ وقوع حادثہ کی صورت میں اس وقف کرنے والے کو بھی پہنچے گا، اور اپنے وقف سے خود کوئی فائدہ اُٹھانا اصولِ وقف کے منافی نہیں جیسے کوئی رفاہِ عام کے لئے ہسپتال وقف کر دے پھر بوقتِ ضرورت اس سے خود بھی فائدہ اُٹھائے یا قبرستان وقف کر دے پھر خود اس کی اور اس کے اقربا کی قبریں بھی اس میں بنائی جائیں۔

(۵) حوادث پر امداد کے لئے مناسب قوانین بنائے جائیں جو صورتیں عام طور پر حوادث کہی اور سمجھی جاتی ہیں ان میں پسماندگان کی امداد کے لئے معتد بہ رقم مقرر کی جائے، اور جو صورتیں عادتاً حوادث میں داخل نہیں سمجھی جاتیں جیسے کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہو جائے۔ اس کے لئے یہ کیا جا سکتا ہے کہ متوسط تندرستی والے افراد کے لئے ساٹھ سال کو عمر طبعی قرار دے کر اس سے پہلے موت واقع ہو جانے کی صورت میں کچھ مختصر امداد دی جائے۔ متوسط تندرستی کو جانچنے کے لئے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنی میں جاری ہے وہ استعمال کیا جا سکتا ہے اور بیمار یا کمزور آدمی کے لئے اسی پیمانہ سے عمر طبعی کا ایک اندازہ مقرر کیا جا سکتا ہے۔

(۶) کوئی شخص چند قسطیں جمع کرنے کے بعد سلسلہ بند کر دے تو اس کی رقم ضبط کر لینا جیسا کہ آج کل معمول ہے ظلم صریح اور حرام ہے۔ البتہ کمپنی کو ایسے غیر محتاط لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لئے معاہدے کی ایک شرط یہ رکھی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد اپنا حصہ واپس لینا چاہے یعنی شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ یا سات یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ کی جائے گی۔ اور ایسے شخص کے لئے تجارتی نفع کی شرط بھی کم رکھی جا سکتی ہے۔ یہ سب امور منتظمہ کمیٹی کی صوابدید سے طے ہو سکتے ہیں۔ ان کا اثر معاملہ کے جواز یا عدم جواز پر نہیں پڑتا۔

یہ ایک سرسری و اجمالی خاکہ ہے۔ اگر کوئی جماعت اس کام کے لئے تیار ہو تو اس پر مزید غور و فکر کر کے اسے زیادہ سے زیادہ نافع بنانے اور نقصانات سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں سوچی جا سکتی ہیں۔ اور سال دو سال تجربہ کر کے ان میں بھی شرعی قواعد کے تحت تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بینکنگ اور انشورنس کا مروّجہ نظام بھی تو راتوں رات وجود میں نہیں آ گیا، بلکہ اس پر غور و فکر اور تجربات میں ایک عرصہ لگا ہے۔ اگر صحیح جذبہ کے ساتھ مذکورہ بالا طریقے کا تجربہ کیا جائے، اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے ماتحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں

غیر سودی بینکاری اور بیمہ وغیرہ کا نظام شرعی اصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آسکتا ہے۔

سوال نمبر ۱۲[1]: پراویڈنٹ فنڈ اور سیونگز بینک اکاؤنٹ پر جو نفع دیا جاتا ہے کیا وہ رِبا کی تعریف میں آتا ہے؟

جواب نمبر ۱۲: جہاں تک سیونگز اکاؤنٹ کا تعلق ہے اس پر دیا جانے والا نفع بلاشبہ رِبا ہے۔ کیونکہ وہ رِبا کی اس تعریف میں داخل ہے جس کی تشریح سوال نمبر ا کے جواب میں کی گئی ہے۔ رہا پراویڈنٹ فنڈ کا مسئلہ سو اس کا بھی صاف اور بے غبار طریقہ تو یہی ہے کہ اس فنڈ کو بھی شرکت یا مضاربت کے اصول پر تجارت میں لگایا جائے اور اس سے جو تجارتی نفع حاصل ہو وہ فنڈ کے حصہ داران میں ان کے حصوں کے بقدر تقسیم کیا جائے لیکن آج کل جو طریقہ مروّج ہے کہ محکمہ اس فنڈ کو تجارت وغیرہ میں لگا کر حصہ داروں کو سود کے نام سے کچھ معین رقوم دیتا ہے ملازمین کے لئے ان کے لینے کی گنجائش ہے۔ اس لئے کہ فقہی اعتبار سے وہ ربوا کی تعریف میں نہیں آتی وجہ یہ ہے کہ تنخواہ کا جو حصہ ملازم کو وصول نہیں ہوا وہ ابھی اس کی ملک میں نہیں آیا بلکہ بدستور محکمہ ہی کی مِلک میں ہے۔ اب محکمہ یا گورنمنٹ نے جو زیادتی پراویڈنٹ فنڈ کی رقم سے تجارت وغیرہ کے ذریعہ حاصل کی وہ زیادتی ملازم کی حقیقی مِلک سے فائدہ اُٹھانے کا نتیجہ نہیں، بلکہ اپنی مِلک سے فائدہ اُٹھانے کا نتیجہ ہے۔ اب اگر محکمہ اپنی مِلک سے ملازم کو کوئی حصہ دیتا ہے تو وہ شرعاً سود نہیں بلکہ تبرع ابتدائی یعنی انعام ہے اس لئے ملازم کے لئے اسے وصول کرنا جائز ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل احقر کے ایک رسالہ ''پراویڈنٹ فنڈ'' میں موجود ہے جس کی دُوسرے حضرات علماء نے بھی تصدیق فرمائی ہے۔ یہ رسالہ جواب کے ساتھ منسلک ہے۔

سوال نمبر ۱۱ (الف): ایک ملازم کو اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لینے پر جو رقم بطور سود ادا کرنی پڑتی ہے اور جو بعد میں اس کے اسی فند میں جمع کر دی جاتی ہے کیا آپ اسے رِبا کہیں گے؟

جواب نمبر ۱۱: پراویڈنٹ فنڈ کے معاملہ کی جو تشریح سوال نمبر ۱۲ کے جواب میں کی گئی ہے اس کی روشنی میں شرعی نقطۂ نگاہ سے یہ نہ قرض ہے نہ سودی معاملہ۔ قرض تو اس لئے نہیں کہ ملازم کا جو قرض محکمہ کے ذمہ تھا اور جس کے مطالبے کا اسے حق تھا اس نے اسی کا ایک حصہ وصول کیا ہے۔ اور بعد کی تنخواہوں سے جو رقم ادائے قرض وسود کے نام سے بالاقساط کاٹی جاتی ہے وہ بھی ادائے قرض نہیں بلکہ فنڈ میں جو رقم معمول کے مطابق ہر ماہ کٹتی تھی، اسی کی طرح یہ بھی ایک کٹوتی ہے۔ فرق صرف یہ

(۱) (نوٹ) جواب کی سہولت کے پیشِ نظر سوال نمبر ۱۲ کو مقدم اور ۱۱ کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔

ہے کہ ان مہینوں میں کٹوتی کی مقدار زیادہ ہوگی جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ سب رقم بالآخر اسی کو واپس ملے گی۔

(ب) اگر آجر بھی پراویڈنٹ فنڈ میں اپنی طرف سے کچھ رقم کا اضافہ کرے تو صورتِ حال کیا ہوگی؟ اس سے بھی مذکورہ صورتِ حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ آجر جس رقم کا اپنی طرف سے اضافہ کر رہا ہے وہ اس کی طرف سے تبرع (ایک طرح کا انعام) ہے۔

سوال نمبر ۱۳: کیا انعامی بانڈوں پر یا سیونگ بینک اکاؤنٹ پر بطورِ انعام دی جانے والی رقم ربا کی تعریف میں داخل ہے؟

جواب نمبر ۱۳: انعام بانڈز میں یہ ہوتا ہے کہ بانڈ خریدنے والے ہر شخص کی رقم پر سود لگایا جاتا ہے، لیکن معینہ مدت پوری ہونے پر ہر شخص کا سود اسی کو دینے کے بجائے سود کی مجموعی رقم صرف ان افراد کو تقسیم کر دی جاتی ہے جن کا نام قرعہ اندازی میں نکل آئے لہٰذا جو رقم بانڈ پر ''انعام'' کے نام سے دی جاتی ہے وہ درحقیقت سود اور ربا ہے، فرق یہ ہے کہ عام حالات میں اتنی رقم پر جتنا سود آتا ہے، بانڈ کے ''انعام'' میں اتنے ہی سود کے علاوہ بعض دُوسرے افراد کی رقموں پر لگنے والا سود بھی شامل ہوتا ہے جو انعام یافتگان کو بذریعہ قمار دیا جاتا ہے۔ اس طرح انعامی بانڈز کے مروّجہ طریقے سے سود کی رقم کو قمار کے ذریعہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ البتہ اہلِ علم کے مشورے سے اس طریقے میں ایسی ترمیم کی جاسکتی ہے جس کے ذریعہ اس میں سود اور قمار باقی نہ رہے۔

رہا سیونگ بینک اکاؤنٹ، سو اس کے بارے میں پیچھے بار بار عرض کیا جاچکا ہے کہ وہ خالص ربا کا معاملہ ہے، لہٰذا اس پر انعام کے نام سے جو رقم دی جائے گی وہ ''عقدِ ربا'' پر دیا جانے والا انعام ہے جس کا لینا جائز نہیں۔

سوال نمبر ۱۴: کیا اسلامی قانون کے تحت تجارتی اور غیر تجارتی قرضوں میں امتیاز کرنا درست ہوگا جب کہ تجارتی قرضوں پر سود لیا جائے اور غیر تجارتی قرضے بلاسود ہوں؟

جواب نمبر ۱۴: سوال نمبر ۱ کے جواب میں تفصیل سے عرض کیا جاچکا ہے کہ ''ربا'' کی حقیقت ہر وہ زیادتی ہے جو کسی قرض کے مقابلہ میں طے کر کے لی اور دی جائے، اس میں یہ سوال قطعی خارج از بحث ہے کہ قرض لینے والا کس مقصد کے لئے قرض لے رہا ہے؟ اس معاملے میں اصل یہ ہے کہ جو شخص کسی دُوسرے کو قرض دے رہا ہے اس میں اسلامی نقطۂ نظر سے اس کو پہلے یہ متعین کرنا چاہئے کہ وہ یہ روپیہ اس شخص کی امداد کے طور پر دے رہا ہے یا اس کے کاروبار میں حصہ دار بننا چاہتا ہے، اگر وہ یہ

روپیہ دُوسرے کی امداد کی غرض سے دے رہا ہے تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس امداد کو امداد ہی رہنے دے اور نفع کے ہر مطالبہ سے دستبردار ہو جائے۔ وہ اتنے ہی روپے کی واپسی کا مستحق ہوگا جتنے اس نے قرض دیئے تھے، اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ روپیہ دے کر کاروبار کے نفع سے مستفید ہو تو اسے ''شرکت'' یا ''مضاربت'' کے طریقوں پر عمل کرنا پڑے گا، یعنی اسے کاروبار کے نفع ونقصان دونوں کی ذمہ داری اُٹھانی پڑے گی، ان دوصورتوں کے علاوہ اسلام میں تیسری راہ نہیں ہے، جس کے ذریعہ کوئی فریق اپنا نفع ہر حال میں متعین کر لے جب کہ دُوسرے کا نفع موہوم اور مشتبہ ہو۔

سوال نمبر ۱۰: کیا اسلام کے اقتصادی نظام میں قومی سرمایہ کی تشکیل کے لئے بچت کی حوصلہ افزائی کرنے والی کوئی جائز ترغیبات موجود ہیں؟

سوال نمبر ۱۵: اگر سود کو قطعی طور پر ختم کر دیا جائے تو اسلامی نظامِ معیشت میں لوگوں کو بچت پر اُبھارنے اور سرمایہ کے استعمال میں کفایت شعاری کی ترغیب دینے کے لئے کونسے محرکات استعمال کیے جائیں گے؟

جواب نمبر ۱۰، ۱۵: یہ دونوں سوال درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اور ان کا جواب یہ ہے کہ اگر بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کو سود کے بجائے شرکت اور مضاربت کے اصولوں پر چلایا جائے تو کھاتہ داروں کو آج کی معمولی شرح سود سے کہیں زیادہ منافع حاصل ہوگا، کیونکہ وہ پورے کاروبار کے شریک ہوں گے۔ لہٰذا جو بچت قومی مقاصد کے لئے ضروری ہے اس کے لئے اس سے بڑھ کر ترغیبی نظام اور کیا ہوگا؟

صرف سیونگ اکاؤنٹ کا مسئلہ رہ جاتا ہے، کیونکہ غیر سودی نظام میں نہ اس پر سود ملے گا اور نہ منافع، لیکن اوّل تو جدید ماہرینِ معاشیات کی عام رائے یہ ہے کہ سیونگ اکاؤنٹ کی معمولی شرح سود بچت کے لئے کوئی قوی اور فیصلہ کن محرک نہیں ہوتی بچت کی اصل وجہ بذاتِ خود کفایت شعاری اور پس اندازی ہی کا جذبہ ہوتا ہے اس لئے سیونگ اکاؤنٹ پر سود نہ دینے سے اس مد میں کوئی معتد بہ کمی واقع نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ مد مضاربت (Fixed Deposite) کی مدتیں کم کر کے تین ماہ سے ایک سال تک بھی رکھی جاسکتی ہیں۔ اس طرح بچت کے ساتھ نفع کے خواہش مند اس مد کی طرف بآسانی رجوع کر سکتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۶: جدید معاشی نظریہ کے طور پر سود کے معنی اس شرح سود سے مختلف ہو گئے ہیں جو قرض پر واقعی ادا کیا جاتا ہے۔ مثلاً ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں ماہرینِ معاشیات ''فرضی شرح سود'' سے کام لیتے ہیں جس سے سرمایہ کی

کمیابی کی قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ کیا اس قسم کا نظریہ اقتصادی حکمتِ عملی کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے خواہ واقعی سود ادا کیا جائے یا نہ ادا کیا جائے۔

جواب نمبر ۱۶: سوال پوری طرح واضح نہیں ہے، تاہم اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ترقیاتی منصوبہ بندی وغیرہ میں فرضی شرح سود کو بنیاد بنا کر فیصلے کیے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی ضرورت وہیں پیش آسکتی ہے جہاں سود عملاً جاری و ساری بھی ہو، لیکن اگر معیشت کو غیر سودی نظام کے مطابق استوار کرلیا جائے تو فرضی شرح سود کی کوئی ضرورت یا فائدہ باقی نہ رہے گا۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

❀❀❀

غیر سودی کاؤنٹرز ☆

(۱) یکم جنوری ۱۹۸۱ء سے حکومت نے بلاسود بینکاری کے آغاز کا اعلان کیا ہے، اور ہر بینک میں ''غیر سودی کاؤنٹر'' کھول دیئے گئے ہیں، حکومت کا کہنا ہے کہ یہ ''بلاسود بینکاری'' کی طرف پہلا قدم ہے اور آئندہ بینکنگ کے پورے نظام کو رفتہ رفتہ غیر سودی نظام میں تبدیل کر دیا جائے گا۔

سود جیسی لعنت سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کرنا ایک اسلامی حکومت کا اہم ترین فریضہ ہے، اور جس دن ہماری معیشت اس شیطانی چکر سے نجات پا گئی، وہ نہ صرف پاکستان بلکہ پوری انسانیت کے لئے روزِ سعید ہوگا، موجودہ حکومت نے بار بار اپنے اس عزم کا اعلان کیا ہے کہ وہ ملکی معیشت کو غیر سودی بنیادوں پر استوار کرنا چاہتی ہے، اور ایک ایسے ماحول میں جہاں بینکوں کے سود کو حلال طیب قرار دینے کی شرمناک کوششیں جاری رہی ہیں، حکومت کی طرف سے اس عزم کے اظہار کو بھی مسلمانوں نے غنیمت سمجھا، اور اس نیک کام کی طرف جو قدم بھی آگے بڑھایا جائے اسے ماضی میں مستحسن ہی قرار دیا جائے گا، اس لئے ان نئے ''غیر سودی کاؤنٹروں'' کے افتتاح کے بعد مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے اکاؤنٹ ان کاؤنٹروں میں کھلوانے شروع کر دیئے۔

ذاتی طور پر اگرچہ ہمیں اس طریقِ کار سے شدید اختلاف تھا کہ سودی اور غیر سودی کاؤنٹر متوازی طور پر ساتھ ساتھ چلائے جائیں، مگر جب ان کاؤنٹروں کا افتتاح ہوا تو اس اقدام کو ماضی کے

☆ ۱۹۸۱ء میں جب حکومت نے بلاسود بینکاری کا آغاز کرتے ہوئے پی۔ایل۔ایس یعنی پروفٹ اینڈ لوس شیئرنگ (نفع اور نقصان کی شرکت کا کھاتہ) جاری کیا اور اس کے لئے غیر سودی کاؤنٹرز کھولے جبکہ یہ سارا سلسلہ سودی بنیادوں پر مبنی تھا تو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ نے لوگوں کو اس کھاتے کی حقیقت سے آگاہ فرمانے کے لئے مندرجہ ذیل مضمون تحریر فرمایا جس میں یہ واضح کیا کہ متذکرہ بالا کھاتہ بھی سودی ہے، جس میں رقم رکھوا کر نفع لینا جائز نہیں۔ ۱۲ محمود احمد

(۱) ۱۸ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ۔

مقابلے میں بہر حال غنیمت سمجھتے ہوئے ہمارا فوری اور پہلا تاثر یہ تھا کہ ان کاؤنٹروں کو کامیاب بنانے کی کوشش کرنی چاہئے، کیونکہ عرصۂ دراز کی تمناؤں اور جدوجہد کے بعد اس کام کا آغاز ہو رہا ہے جس کے انتظام میں ایک تہائی صدی بیت گئی ہے، خیال یہ تھا کہ حکمتِ عملی خواہ کیسی ہو، لیکن غیر سودی بینکاری کا قیام بہر صورت ایک ایسا نیک کام ہے جس میں تعاون خیر ہی خیر ہے، چنانچہ اس کارِ خیر میں تعاون اور حصہ داری کے جذبے کے ساتھ ہم نے اس کی اسکیم کا مطالعہ کیا ـــــ لیکن افسوس اور شدید افسوس، حسرت اور شدید حسرت اس بات کی ہے کہ ان کاؤنٹروں کے تفصیلی طریقِ کار کو دیکھنے کے بعد یہ جذبہ بڑی حد تک سرد پڑ گیا۔

یکم جنوری ۱۹۸۱ء کے بعد اطراف واکناف سے تحریری اور زبانی طور پر ہم سے یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ کیا ان کاؤنٹروں سے واقعۃً سود ختم ہو گیا ہے؟ اور کیا ایک مسلمان سود کے کسی خطرے کے بغیر ان کاؤنٹروں میں رقم رکھوا سکتا ہے؟

ان سوالات کا علی وجہ البصیرت جواب دینے کے لئے جب ہم نے اس اسکیم کا مطالعہ کیا جو یکم جنوری سے نافذ کی گئی ہے، اور اس کے طریقِ کار کا جائزہ لیا تو اندازہ ہوا کہ سود کی آغوش میں پرورش پائی ہوئی ذہنیت اتنی آسانی سے اس نجاست کا خاتمہ کرنے کے لئے تیار نہیں، بلکہ وہ اس پر تھوڑا سا عطر چھڑک کر اور کچھ خوش نما پالش کر کے کچھ مزید عرصے تک کام چلانا چاہتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو ابھی نہ صرف اور انتظار کرنا ہوگا، بلکہ سود کی گرتی ہوئی دیوار کو ـــــ جو انشاء اللہ بالآخر گر کر رہے گی ـــــ صحیح طرح سے ڈھانے کے لئے ابھی اور جدوجہد کرنی ہوگی۔

چونکہ عام طور پر مسلمانوں بلکہ بیشتر علماء کو بھی اس نئی اسکیم کی تفصیلات پہنچ نہیں سکیں، اس لئے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ اپنے علم وبصیرت کی حد تک اس اسکیم پر تبصرہ پیش کریں، تاکہ حکومت، عوام اور علماء اس کی روشنی میں راہِ عمل طے کر سکیں۔

بینکوں کو غیر سودی نظام پر کس طرح چلایا جائے؟ اور معیشت کے لئے سود کی متبادل اساس کیا ہو؟ اس مسئلے پر مدتِ دراز سے عالمِ اسلام کے مختلف حصوں میں سوچا جا رہا ہے اور اس پر بہت سا علمی اور تحقیقی کام ہو چکا ہے، فکر وتحقیق کی ان تمام کاوشوں کو سامنے رکھنے کے بعد ایک بات تقریباً تمام تجاویز میں مشترک نظر آتی ہے، اور وہ یہ کہ سود کے اصل متبادل طریقے صرف دو ہیں: ایک نفع ونقصان کی تقسیم یعنی شرکت یا مضاربت اور دوسرے قرضِ حسن ـــــ لہٰذا سود کو ختم کرنے کے بعد بینکاری کا سارا نظام بنیادی طور سے انہی دو طریقوں پر مبنی ہونا چاہئے، البتہ بینک کو بعض ایسے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جن کی انجام دہی کے لئے نہ وہ شرکت ومضاربت کا طریقہ اپنا سکتا ہے، اور نہ قرضِ حسن کا۔

ایسے مقامات پر جزوی طور سے کچھ دُوسرے طریقے بھی مختلف حضرات نے تجویز کیے ہیں، یہ طریقے پورے نظامِ بینکاری کی بنیاد نہیں بن سکتے، بلکہ انہیں استثنائی یا عبوری طور پر اختیار کیا جا سکتا ہے۔

بلاسود بینکاری پر اب تک جو علمی اور تحقیقی کام سامنے آیا ہے، ان میں احقر کی معلومات کی حد تک سب سے زیادہ جامع، مفصل اور تحقیقی رپورٹ وہ ہے جو اسلامی نظریاتی کونسل نے علماء کرام اور ماہرینِ معاشیات و بینکاری کی مدد سے مرتب کی ہے اور اب منظرِ عام پر آچکی ہے ـــــ اس رپورٹ کا حاصل بھی یہی ہے کہ بلاسود بینکاری کی اصل بنیاد نفع و نقصان کی تقسیم پر قائم ہوگی، اور بینک کا بیشتر کاروبار شرکت یا مضاربت پر مبنی ہوگا، البتہ جن کاموں میں شرکت یا مضاربت کارآمد نہیں ہو سکتی، وہاں کے لئے اس رپورٹ میں کچھ اور متبادل راستے بھی تجویز کیے گئے ہیں جنہیں بوقتِ ضرورت عبوری دور میں اختیار کیا جا سکتا ہے، انہی متبادل راستوں میں ایک متبادل راستہ وہ ہے جسے اس رپورٹ میں ''بیع مؤجل'' کا نام دیا گیا ہے۔

اس طریقِ کار کا خلاصہ اس طرح سمجھئے کہ مثلاً ایک کاشتکار ٹریکٹر خریدنا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس رقم نہیں ہے، بحالاتِ موجودہ ایسے شخص کو بینک سود پر قرض دیتا ہے، یہاں سود کے بجائے شرکت یا مضاربت اس لئے نہیں چل سکتی کہ کاشتکار ٹریکٹر تجارت کی غرض سے نہیں، بلکہ اپنے کھیت میں استعمال کے لئے خریدنا چاہتا ہے ـــــ اس صورتِ حال کا مثالی حل تو یہ ہے کہ بینک ایسے اشخاص کو قرضِ حسن فراہم کرے، لیکن جب تک بینکوں کی مالی پوزیشن اتنی مستحکم ہو کہ وہ اپنا روپیہ قرضِ حسن کے طور پر دے سکیں، اس وقت تک کے لئے یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ بینک کاشتکار کو روپیہ دینے کے بجائے ٹریکٹر خرید کر ادھار قیمت پر دے دے، اور اس کی قیمت اپنا کچھ منافع رکھ کر متعین کرے اور کاشتکار کو اس بات کی مہلت دے کہ وہ بینک کو ٹریکٹر کی مقررہ قیمت کچھ عرصے کے بعد ادا کر دے۔ اس طریقے کو اسلامی کونسل کی رپورٹ میں ''بیع مؤجل'' کا نام دیا گیا ہے، اور اس میں بینک نے ٹریکٹر کی بازاری قیمت پر جو منافع رکھا ہے اسے معاشی اصطلاح میں ''مارک اپ'' کہا جاتا ہے۔

یہ سود سے بچاؤ کا کوئی مثالی طریقہ تو نہیں ہے، لیکن چونکہ مذکورہ صورت میں بینک ٹریکٹر کو اپنی ملکیت، اپنے قبضے اور ضمان (Risk) میں لانے کے بعد فروخت کرتا ہے، اس لئے فقہی اعتبار سے یہ نفع سود نہیں ہوتا، اور فقہائے کرامؒ نے خاص شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے، چنانچہ جن مقامات پر بینک کے سامنے فی الحال کوئی متبادل راستہ نہیں ہے، وہاں کونسل کی رپورٹ میں یہ طریقِ کار اختیار کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے، جس کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ ضرورت کے مواقع پر صریح سود سے بچنے کے لئے یہ طریقِ کار اختیار کر لیا جائے، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس طریق

کارکو سود کی روح باقی رکھنے کا ایک قانونی حیلہ بنا کر بینکاری نظام کی پوری عمارت ''مارک اپ'' کی بنیاد پر کھڑی کر دی جائے۔ چنانچہ کونسل کی مذکورہ رپورٹ میں جہاں سود کے متبادطریقوں میں ایک طریقہ ''بیع مؤجل'' مقرر کیا گیا ہے، وہاں پوری صراحت کے ساتھ یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ اس طریقِ کار کو کن حدود میں استعمال کرنا چاہئے۔ رپورٹ کے تمہیدی نکات میں لکھا ہے کہ

''کونسل اس امر کو ابتدا ہی میں واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں سود کا مثالی متبادل حل، نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسن کی صورت میں سرمائے کی فراہمی ہے۔ اگرچہ اس رپورٹ میں پیش کردہ سفارشات بڑی حد تک نفع نقصان میں شرکت کے اصول پر مبنی ہیں، لیکن بعض سفارشات میں کچھ دُوسرے متبادل طریقے مثلاً پٹہ داری، ملکیتی کرایہ داری، بیع مؤجل، سرمایہ کاری بذریعہ نیلام بھی اپنائے گئے ہیں ...... اگرچہ یہ متبادل طریقے جس صورت میں زیرِ نظر رپورٹ میں پیش کیے گئے ہیں، سود کے عنصر سے پاک ہیں، تاہم اسلام کے مثالی اقتصادی نظام کے نقطۂ نظر سے یہ صرف ''دُوسرا متبادل حل'' ہیں۔ اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ یہ طریقے بالآخر سودی لین دین اور اس سے متعلقہ بُرائیوں کے ازسرِنو رواج کے لئے چور دروازے کے طور پر استعمال ہونے لگیں، لہٰذا یہ امر ضروری ہے کہ ان طریقوں کا استعمال کم سے کم حد تک صرف ان صورتوں اور خاص حالات میں کیا جائے جہاں اس کے سوا چارہ نہ ہو، اور اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ یہ طریقے سرمایہ کاری کے عام معمول کی حیثیت اختیار کرلیں۔''(۱)

نیز ''بیع مؤجل'' کے طریقے کی وضاحت کرتے ہوئے آگے پھر لکھا ہے کہ

''اگرچہ اسلامی شریعت کے مطابق سرمایہ کاری کے اس طریقے کا جواز موجود ہے تاہم بلا امتیاز اسے ہر جگہ کام میں لانا دانش مندی سے بعید ہوگا، کیونکہ اس کے بے جا استعمال سے خطرہ ہے کہ سودی لین دین کے ازسرِنو رواج کے لئے چور دروازہ کھل جائے گا لہٰذا ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں کہ یہ طریقہ صرف ان صورتوں میں استعمال ہو جہاں اس کے سوا چارہ نہ ہو۔''(۲)

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب ہم یکم جنوری سے نافذ ہونے والی اسکیم کا جائزہ

(۱) خاتمہ سود پر اسلامی نظریاتی کونسل کی اُردو رپورٹ، ص:۱۳۔ (۲) ایضاً ص:۲۶، فقرہ ۱۷/۱۔

لیتے ہیں تو نقشہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ اس اسکیم میں نہ صرف یہ کہ ''مارک اپ'' ہی کو غیر سودی کاؤنٹرز کے کاروبار کی اصل بنیاد قرار دے دیا گیا، بلکہ ''مارک اپ'' کے طریق کار میں ان شرائط کا بھی لحاظ نظر نہیں آتا جو اس ''مارک اپ'' کو محدود فقہی جواز عطا کر سکتی تھیں، چنانچہ اس میں مندرجہ ذیل سنگین خرابیاں نظر آتی ہیں:

''بیع مؤجل'' کے جواز کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ بائع جو چیز فروخت کر رہا ہے وہ اس کے قبضے میں آچکی ہو، اسلامی شریعت کا یہ معروف اصول ہے کہ جو چیز کسی انسان کے قبضے میں نہ آئی ہو اور جس کا کوئی خطرہ (Risk) انسان نے قبول نہ کیا ہوا سے آگے فروخت کر کے اس پر نفع حاصل کرنا جائز نہیں، اور زیرِ نظر اسکیم میں ''فروخت شدہ'' چیز کے بینک کے قبضے میں آنے کا کوئی تذکرہ نہیں بلکہ یہ صراحت کی گئی ہے کہ بینک ''مارک اَپ اسکیم'' کے تحت کوئی چیز مثلاً چاول اپنے گاہک کو فراہم نہیں کرے گا، بلکہ اس کو چاول کی بازاری قیمت دے گا، جس کے ذریعے وہ بازار سے چاول خرید لے گا، اور اسکیم کے الفاظ میں:

> ''جن اشیاء کے حصول کے لئے بینک کی طرف سے رقم فراہم کی گئی ہے، ان کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ بینک نے اپنی فراہم کردہ رقم کے معاوضے میں بازار سے خرید لی ہیں، اور پھر انہیں نوے دن کے بعد واجب الاداء زائد قیمت پر ان اداروں کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، (جو اس سے رقم لینے آئے ہیں)''(۱)

اس میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں ہے کہ وہ اشیاء بینک کی ملکیت اور اس کے قبضے میں کب اور کس طرح آئیں گی؟ اور محض کسی شخص کو کوئی رقم دے دینے سے یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ جو چیز وہ خریدنا چاہ رہا ہے وہ پہلے بینک نے خریدی اور پھر اس کے ہاتھ بیچ دی ہے؟ صرف کاغذ پر کوئی بات فرض کر لینے سے وہ حقیقت کیسے بن سکتی ہے، جب تک اس کا صحیح طریق کار اختیار نہ کیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات ہو سکتی ہے وہ یہ کہ بینک پہلے اس ادارے کو اپنا وکیل (Agent) بنائے کہ وہ مطلوبہ چیز بینک کی طرف سے خرید لے، اور جب وہ خرید کر بینک کے وکیل کی حیثیت سے اس پر قبضہ کر لے تو پھر بینک اسے فروخت کر دے، لیکن اوّل تو اس طریق کار کی صراحت ہونی چاہئے، دُوسرے یہ بات بھی واضح ہونی چاہئے کہ جب تک وہ ادارہ مطلوبہ چیز خرید کر اس پر بینک کی طرف سے قبضہ نہیں کر لے گا، بینک کی فراہم کی ہوئی رقم اس کے ذمے قرض نہیں، بلکہ اس کے پاس بینک کی امانت ہوگی۔

(۱) اسٹیٹ بینک نیوز، یکم جنوری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۹۔

یہاں نہ صرف یہ کہ اس قسم کے کسی طریقِ کار کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ۲۸ مارچ کو چاول وغیرہ کی خریداری کے لئے بینکوں نے جو رقمیں رائس کارپوریشن کو پہلے سے دی ہوئی تھیں، ۲۸ مارچ کو یہ سمجھا جائے گا کہ کارپوریشن نے وہ رقمیں سود کے ساتھ بینک کو واپس کر دی ہیں، اور پھر بینک نے اسی روز وہ رقمیں دوبارہ کارپوریشن کو مارک اپ کی بنیاد پر دے دی ہیں، اور جس جنس کی خریداری کے لئے وہ قرضے دیئے گئے تھے، یہ سمجھا جائے گا کہ وہ بینک نے خرید لی ہے، اور پھر کارپوریشن کو مارک اپ کی بنیاد پر بیچ دی ہے، اب سوال یہ ہے کہ جن رقموں سے کارپوریشن پہلے چاول وغیرہ خرید چکی ہے اور شاید خرید کر آگے فروخت بھی کر چکی ہے اس کے بارے میں کون سی منطق کی رو سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ بینک نے خرید کر دوبارہ کارپوریشن کو بیچی ہے؟

اس سے یہ بات واضح طور پر مترشح ہوتی ہے کہ ''بیع مؤجل'' کا طریقہ حقیقی طور پر اپنانا پیشِ نظر نہیں بلکہ فرضی طور پر اس کا صرف نام لینا پیشِ نظر ہے، اور انتہا یہ ہے کہ اس جگہ یہ نام بھی برقرار نہیں رہ سکا، بلکہ بینک کی دی ہوئی رقم کو قرض (Advance) اور اس عمل کو قرض دینے (Lend) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (۱)

اس اسکیم کی ایک سنگین ترین غلطی اور ہے۔ ''بیع مؤجل'' کے لئے ایک لازمی شرط یہ ہے کہ معاہدے کے وقت فروخت شدہ شے کی قیمت بھی واضح طور پر متعین ہو جائے، اور یہ بات بھی کہ یہ قیمت کتنی مدت میں ادا کی جائے گی؟ پھر اگر خریدنے والا وہ قیمت معینہ مدت پر ادا نہ کرے تو اس سے وصول کرنے کے لئے تمام قانونی طریقے استعمال کیے جا سکتے ہیں، لیکن ادائیگی میں تاخیر کی بنیاد پر معینہ قیمت میں اضافہ کرنے کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے، کیونکہ تاخیر کی بنیاد پر قیمت میں اضافہ کرتے چلے جائیں تو اسی کا دُوسرا نام سود ہے، لیکن زیرِ نظر اسکیم میں اس اہم اور بنیادی شرط کی بھی نہ صرف یہ کہ پابندی نہیں کی گئی بلکہ بعض معاملات میں وضاحت کے ساتھ اس کی خلاف ورزی کی گئی ہے، چنانچہ اس میں کہا گیا ہے کہ امپورٹ بلوں کی ادائیگی میں بینک جو رقم خرچ کرے گا، اس پر ابتداءً بیس دن کی مدت کے لئے اعشاریہ ۸۷ فی صد مارک اپ وصول کرے گا، اور اگر یہ رقم بیس دن میں ادا نہ ہوئی تو اس قیمت پر مزید چودہ دن کے لئے اعشاریہ ۵۸ فیصد مارک اپ کا مزید اضافہ ہوگا اور اگر ۳۴ دن گزر جانے پر بھی قیمت کی ادائیگی نہ ہوئی تو اس قیمت پر مزید اعشاریہ ۶۲ فیصد مارک اپ کا اضافہ ہوگا، اور اگر ۴۸ دن گزر جانے پر بھی ادائیگی نہ ہوئی تو آئندہ ہر پندرہ دن کی تاخیر پر مزید اعشاریہ ۶۷ فیصد کے مارک اپ کا اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

---

(۱) اسٹیٹ بینک نیوز، یکم جنوری ۱۹۸۱ء، صفحہ ۷۔

اندازہ فرمایئے کہ یہ طریقِ کار واضح طور پر سود کے سوا اور کیا ہے؟ اگر ''انٹرسٹ'' کے بجائے نام ''مارک اپ'' رکھ دیا جائے اور باقی تمام خصوصیات وہی رہیں تو اس سے ''غیر سودی نظام'' کیسے قائم ہو جائے گا؟

یہ غنیمت ہے کہ مدتوں کے اضافے سے مارک اپ کی شرحوں میں اضافہ زیرِ نظر اسکیم میں صرف امپورٹ بلوں کے سلسلے میں بیان کیا گیا ہے، دُوسرے معاملات میں اس کی صراحت نہیں کی گئی۔ لیکن اگر یہ صورت مجوزین اسکیم کی نظر میں ''غیر سودی'' ہے تو شاید وہ دُوسرے معاملات میں بھی اس کے اطلاق میں کوئی قباحت نہ سمجھیں۔

۳: ملکی ہنڈیوں اور بلز آف ایکسچینج کو بھنانے کے لئے جو طریقہ اسکیم میں تجویز کیا گیا ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو آج کل بینکوں میں رائج ہے، اس میں سرِمو کوئی فرق نہیں کیا گیا، صرف اس کٹوتی کو جو پہلے کٹوتی (Discount) کہلاتی تھی، ''مارک ڈاؤن'' کا نام دے دیا گیا ہے، حالانکہ ہنڈیاں بھنانے کے لئے بھی ایک شرعی طریقِ کار اسلامی کونسل کی رپورٹ میں تجویز کیا گیا ہے۔

۴۔ پھر اگر بالفرض اسکیم سے یہ شرعی قباحتیں دور کر دی جائیں تب بھی اصولی مسئلہ یہ ہے کہ اس اسکیم میں شرکت اور مضاربت کو غیر سودی بینکاری کی اصلی اساس قرار دینے کے بجائے، مارک اپ کو اسکیم کی اصل بنیاد قرار دیا گیا ہے، اور غیر سودی کاؤنٹرز کا بیشتر کاروبار اسی قانونی حیلے کے گرد گھما دیا گیا ہے۔ اس وقت اسٹیٹ بینک آف پاکستان سے جاری ہونے والا پندرہ روزہ اخبار ''اسٹیٹ بینک نیوز'' ہمارے سامنے ہے، اس کے یکم جنوری ۱۹۸۱ء کے شمارے میں ان مدات اور اس طریقِ کار کی تفصیل دی گئی ہے جو غیر سودی کاؤنٹرز میں اختیار کیا گیا ہے، اس تفصیل کے مطابق غیر سودی کاؤنٹرز میں جمع ہونے والی رقوم سات مختلف مدات میں استعمال کی جائیں گی، ان سات مدات میں سے صرف ایک مد میں شرکت یا مضاربت کے طریقے کو استعمال کیا گیا ہے، اور باقی تمام مدات میں ''مارک اپ'' یا ''مارک ڈاؤن'' کا طریقہ تجویز کیا گیا ہے اور شرکت یا مضاربت والی مد کو استعمال کرنے کے لئے بھی کوئی نیا طریقِ کار وضع کرنے کے بجائے یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ یہ رقم مختلف کمپنیوں کے حصص، این آئی ٹی یونٹس اور پارٹی سپیشن ٹرم سرٹیفکیٹ خریدنے اور انویسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان اور بینکرز ایکویٹی کے ان معاملات میں استعمال کی جائے گی جو نفع و نقصان کی شرکت پر مبنی ہیں۔

اس طریقِ کار کا حاصل یہ ہے کہ ملک میں شرکت و مضاربت کے دائرے کو توسیع دینے کا کوئی پروگرام پیشِ نظر نہیں ہے، بلکہ جو ادارے اس وقت شرکت یا مضاربت کے طریقے پر کام کر رہے ہیں، غیر سودی کاؤنٹروں کی جتنی رقم ان اداروں میں لگ سکے گی وہ ان میں لگا دی جائے گی، اور باقی

سارا کاروبار ''مارک اپ'' کی بنیاد پر ہوگا۔ اور معاملہ یہ نہیں ہوگا کہ بینک کا اصل کاروبار شرکت یا مضاربت کی بنیاد پر ہو، اور جزوی طور پر ضرورت کے وقت ''مارک اپ'' کا طریقہ اختیار کیا جائے بلکہ ''مارک اپ'' کاروبار کی اصل بنیاد ہوگا اور جزوی طور پر شرکت یا مضاربت کے طریقے کو بھی اختیار کر لیا جائے گا، جس کا حاصل یہ ہے کہ بینکاری کے نظام کو بدل کر اسے مثالی اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے کے بجائے چند حیلوں کے سہارے موجودہ نظام جوں کا توں باقی رہے گا۔

یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ اگر ''بیع مؤجل'' کا مذکورہ بالا طریقہ شرعاً جائز ہے اور اسے بعض مقامات پر اختیار کیا جا سکتا ہے تو پھر پورے نظامِ بینکاری کو اس کی بنیاد پر چلانے میں کیا قباحت ہے؟ اور اس کے جائز ہونے کے باوجود شرکت یا مضاربت ہی پر کیوں زور دیا جا رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ''بیع مؤجل'' کا مذکورہ طریقہ جس میں کسی چیز کو اُدھار بیچنے کی صورت میں اس کی قیمت بڑھا دی جاتی ہے، اگرچہ ٹھیٹھ اصطلاحی معنی کے لحاظ سے سود میں داخل نہیں ہوتا، لیکن اس کے رواجِ عام سے سود خور ذہنیت کی حوصلہ افزائی ہو سکتی ہے، اس لئے یہ کوئی پسندیدہ طریقِ کار نہیں ہے، اور اس کو پورے نظامِ بینکاری کی بنیاد بنا لینا مندرجہ ذیل وجوہ سے درست نہیں ہے:

۱۔ اُدھار بیچنے کی صورت میں قیمت بڑھا دینا خود فقہاء کرامؒ کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، اگرچہ اکثر فقہاء اسے جائز کہتے ہیں، لیکن چونکہ اس میں مدت بڑھنے کی وجہ سے قیمت میں زیادتی کی جاتی ہے، اور اس طرح، خواہ یہ ٹھیٹھ معنی میں سود نہ ہو، لیکن اس میں سود کی مشابہت یا سود کی خودغرضانہ ذہنیت ضرور موجود ہے، اس لئے بعض فقہاءؒ نے اسے ناجائز بھی قرار دیا ہے، چنانچہ قاضی خان جیسے محقق حنفی عالم اسے سود کے حکم میں شامل کر کے اسے حرام کہتے ہیں۔

اور ایسا معاملہ جس کے جواز میں فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہو، اور جس میں سود کی کم از کم مشابہت تو پائی ہی جاتی ہو، اسے شدید ضرورت کے مواقع پر بدرجہ مجبوری اختیار کر لینے کی تو گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اس پر اربوں روپے کی سرمایہ کاری کی بنیاد کھڑی کر دینا اور اسے سرمایہ کاری کا ایک عام معمول بنا لینا کسی طرح درست نہیں۔

۲۔ بینک بنیادی طور پر کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کا مقصد تجارت، صنعت اور زراعت میں سرمائے کی فراہمی ہوتا ہے، اگر ایک تجارتی ادارہ جو تجارت ہی کی غرض سے وجود میں آیا ہو اور جس کے پاس سامانِ تجارت موجود رہتا ہو وہ ''بیع مؤجل'' کا مذکورہ طریقہ اختیار کرے تو اس کی نوعیت مختلف ہے، لیکن بینک جو نہ تجارتی ادارہ ہے اور نہ سامانِ تجارت اس کے پاس موجود رہتا ہے،

وہ ''بیع مؤجل'' کا یہ طریقہ اختیار کرے تو ایک کاغذی کاروائی کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی، جس کا مقصد سود سے بچنے کے ایک حیلے کے سوا کچھ اور نہیں۔ اس قسم کے حیلوں کی شدید ضرورت کے مواقع پر تو گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن سارا کاروبار ہی حیلہ سازی پر مبنی کر دینا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔

۳۔ جب ہم ''غیر سودی بینکاری'' کا نام لیتے ہیں اور بینکنگ کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے کی بات کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ نہیں ہوتا کہ چند حیلوں کے ذریعے ہم موجودہ طریق کار کو ذرا سا تبدیل کر کے سارا نظام جوں کا توں برقرار رکھیں، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ سرمایہ کاری کے پورے نظام کو تبدیل کر کے اسے اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالیں، جس کے اثرات تقسیم دولت کے نظام پر بھی مرتب ہوں اور سرمایہ کاری کا اسلامی تصور یہ ہے کہ جو شخص کسی کاروبار کو سرمایہ فراہم کر رہا ہے وہ یا نفع کا مطالبہ نہ کرے، یا اگر نفع کا مطالبہ کرتا ہے تو نقصان کے خطرے میں بھی شریک ہو، لہٰذا ''غیر سودی بینکاری'' میں بنیادی طور پر اس تصور کا تحفظ ضروری ہے، اب اگر بینک کا سارا نظام ''مارک اپ'' کی بنیاد پر استوار کر لیا جائے تو سرمایہ کاری کا یہ بنیادی اسلامی تصور آخر کہاں اطلاق پذیر ہوگا؟ کیا ہم دنیا کو یہی باور کرائیں گے کہ مروّجہ بینکنگ سسٹم کی خرابیوں پر پورے عالمِ اسلام میں جو شور مچ رہا تھا وہ صرف اس لئے تھا کہ ''انٹرسٹ'' کے بجائے مارک اپ کا حیلہ کیوں استعمال نہیں کیا جا رہا؟ کیا اس حیلے کے ذریعے نظامِ تقسیم دولت کی مروّجہ خرابیوں کا کوئی ہزارواں حصہ بھی کم ہو سکے گا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو خدارا سوچئے کہ ''مارک اپ'' کا حیلہ استعمال کر کے ہم اسلامی نظامِ سرمایہ کاری کا کیا تصور دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں؟

اسی لئے ہمارے فقہاء کرامؒ نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ اکادکا مواقع پر کسی قانونی تنگی کو دور کرنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کر لینے کی تو گنجائش ہے، لیکن ایسی حیلہ سازی جس سے مقاصدِ شریعت فوت ہوتے ہوں، اس کی قطعاً اجازت نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلام کو جس قسم کا نظامِ سرمایہ کاری مطلوب ہے وہ ''مارک اپ'' کے ''میک اپ'' سے حاصل نہیں ہوگا، اس کے لئے محض قانونی لیپ پوت کی نہیں، انقلابی فکر کی ضرورت ہے، اس غرض کے لئے کاروباری اداروں کو مجبور کرنا ہوگا کہ وہ شرکت یا مضاربت کی بنیاد پر کام کریں، حسابات رکھنے کے طریقے بدلنے ہوں گے، ٹیکسوں اور بالخصوص انکم ٹیکس کے موجودہ قوانین کی ایسی اصلاح کرنی ہوگی جس سے یہ قوانین بددیانتی اور رشوت ستانی کی دعوت دینے کے بجائے لوگوں میں امانت و دیانت اور ملک و ملت کی خدمت کا جذبہ پیدا کریں، اور سب سے بڑھ کر اس ذہنیت کا خاتمہ کرنا ہوگا

جو نقصان کا ادنیٰ خطرہ مول لیے بغیر اپنے ایک ایک روپے پر یقینی نفع کی طلب گار ہوتی ہے۔

لہٰذا ہم اربابِ حکومت سے نہایت دردمندی کے ساتھ یہ اپیل کرتے ہیں کہ جب آپ نے معیشت کو سود سے پاک کرنے کا مبارک ارادہ کیا ہے ـــــ اور کوئی وجہ نہیں کہ اس ارادے کی نیک نیتی پر شبہ کیا جائے ـــــ اور جب آپ اس سمت میں عملی اقدام بھی کرنے کے لئے تیار ہیں تو خدا کے لئے یہ کام نیم دِلی سے نہ کیجئے، کیونکہ اس قسم کے انقلابی کاموں میں نیم دِلی بعض اوقات انتہائی خطرناک نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ اس کے بجائے آپ پوری جرأت و ہمت اور پوری یکسوئی کے ساتھ وہ اقدامات کیجئے جو اس عظیم اور مقدس کام کے لئے ضروری ہیں۔ ابھی غیر سودی کاؤنٹروں کی محض ابتدا ہے اور اس مرحلے پر خرابیوں کی اصلاح نسبۃً آسان ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوتی جائیں گی، چنانچہ ہماری نظر میں فوری طور سے کرنے کے کام یہ ہیں:

(۱) غیر سودی کاروبار کی اصل بنیاد ''مارک اپ'' کے بجائے نفع و نقصان کی تقسیم کو بنایا جائے۔

(۲) جن مقامات پر ''مارک اپ'' کا طریقہ باقی رکھنا ناگزیر ہو وہاں اس کی شرعی شرائط پوری کی جائیں، یعنی اوّل تو قیمت کی ادائیگی میں تاخیر پر ''مارک اپ'' کی شرحوں میں اضافے کی شرط کو فی الفور ختم کیا جائے، کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ دُوسرے اس بات کی وضاحت کی جائے کہ ''مارک اپ'' کی بنیاد پر فروخت کیا جانے والا سامان بینک کے قبضے میں لاکر فروخت کیا جائے گا۔

(۳) بل آف ایکسچینج بھنانے کے لئے ''مارک ڈاؤن'' کا طریقہ ختم کر کے وہ طریقِ کار اختیار کیا جائے جو اسلامی نظریاتی کونسل نے تجویز کیا ہے۔

(۴) ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اب تک ''غیر سودی کاؤنٹر'' میں رقم رکھوانے والوں کو یہ نہیں بتایا گیا کہ منافع کی صورت میں ان کو ملنے والی شرحِ منافع کیا ہوگی؟ یعنی یہ واضح نہیں ہے کہ بینک نفع کا کتنا حصہ خود رکھے گا اور کتنا اکاؤنٹ ہولڈرز میں تقسیم کرے گا؟ اس کے بجائے غیر سودی کاؤنٹر کے پراسپکٹس میں یہ کہا گیا ہے کہ شرح کا تعین کلی طور پر بینک کی صوابدید پر ہوگا، یہ صورتِ حال بھی شرعاً درست نہیں۔ جب اکاؤنٹ ہولڈرز کے ساتھ شرکت کا معاملہ کیا جا رہا ہے تو یہ بات معاہدے کے وقت طے ہونی چاہئے کہ نفع کی صورت میں نفع کا کتنا متناسب حصہ بینک کا ہوگا اور کتنا اکاؤنٹ ہولڈرز کا؟ ورنہ شرحِ منافع مجہول ہونے کی بنا پر اس معاملے کی شرعی حیثیت مشکوک ہو جائے گی۔

اب سوال یہ ہے کہ جن حضرات نے اس نئے نظام کے تحت ''غیر سودی کاؤنٹروں'' میں اپنے اکاؤنٹ کھلوائے ہیں، ان کو ملنے والے نفع کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ نیز جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے سود سے بچنے کی توفیق بخشی ہے، وہ آئندہ ان کاؤنٹروں میں رقم رکھوائیں یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں عرض ہے کہ ''غیر سودی کاؤنٹروں'' کے کاروبار کی جو تفصیل ہم نے دیکھی ہے اس کی رو سے اس کاروبار کے تین حصے ہیں:

(۱) پہلا حصہ واضح طور پر جائز ہے یعنی جو رقمیں عام کمپنیوں کے غیر ترجیحی حصص یا این آئی ٹی یونٹ خریدنے میں لگائی جائیں گی یا کسی اور ایسے کاروبار میں لگائی جائیں گی جو شرکت یا مضاربت کی بنیاد پر رقمیں وصول کرتا ہو، ان پر حاصل ہونے والا منافع شرعاً حلال ہوگا۔

(۲) دُوسرا حصہ واضح طور پر ناجائز ہے۔ یعنی درآمدی بلوں پر ''مارک اپ'' کا جو طریقہ اسکیم میں بتایا گیا ہے کہ وقتِ مقررہ پر ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں ''مارک اپ'' کی شرح بڑھتی چلی جائے گی، یہ واضح طور پر شرعاً ناجائز ہے، اور اس کاروبار سے حاصل ہونے والا منافع شرعاً حلال نہیں ہوگا، اسی طرح ملکی بلوں پر ''مارک ڈاؤن'' کے نام سے کٹوتی کر کے جو نفع حاصل ہوگا، وہ بھی شرعاً درست نہیں ہوگا۔

(۳) تیسرا حصہ مبہم اور غیر واضح ہے۔ یعنی درآمدی بلوں کے علاوہ دُوسری مدات میں جہاں ''مارک اپ'' کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، وہاں صورتِ حال پوری طرح واضح نہیں، وہاں بھی نفع کے ناجائز ہونے کے دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ یہاں بھی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر ''مارک اپ'' کی شرح بڑھائی جاتی رہے، جس کی اسکیم میں نہ کوئی صراحت ہے نہ تردید۔ اور دُوسرے یہ کہ بینک جو سامان ''مارک اپ'' کی بنیاد پر فروخت کر رہا ہے، اس پر بینک کا قبضہ ہونے سے پہلے اسے فروخت کر دیا جائے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی صورت نہ ہوئی تو فقہی طور پر اس سے حاصل ہونے والے نفع کی گنجائش ہوگی۔

اس تجزیئے سے یہ بات واضح ہوئی کہ فی الحال ان ''غیر سودی کاؤنٹروں'' کا کاروبار جائز اور ناجائز معاملات سے مخلوط ہے، اور اس کا کچھ حصہ مشتبہ ہے۔ لہٰذا جب تک ان خامیوں کی اصلاح نہ ہو، اس سے حاصل ہونے والے منافع کو کلی طور پر حلال نہیں کہا جاسکتا، اور مسلمانوں کو ایسے کاروبار میں حصہ لینا درست نہیں۔

یہ تو تھا نئے نظام کا علمی جائزہ اور اس سلسلے میں عملی تجاویز کا خاکہ!

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''غیر سودی بینکاری'' کے نام پر یہ غیر شرعی کاروبار کر

کے عام مسلمان کو دھوکے میں رکھنے کے ذمہ دار کون لوگ ہیں؟ جب حکومت کی طرف سے واضح طور پر بار بار یہ اعلان کیا جاچکا ہے کہ وہ تین سال کے اندر ملکی معیشت کو سود سے پاک کرنے کی پابند ہے، اور اس غرض کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل اور اس کے مرتب کردہ پینل نے سال بھر کی عرق ریزی کے بعد ایک مفصل رپورٹ حکومت کو دے دی ہے اور وہ شائع بھی ہو چکی ہے تو کسی فرد یا محکمے کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ اس رپورٹ کے مندرجات کو پس پشت ڈال کر اپنی ذاتی رائے سے ایک ایسا نظام وضع کرے جو شرعی احکام کے خلاف ہے، اور جسے ''غیر سودی بینکاری'' کا نام دینا عام مسلمانوں کو فریب دینے کے مترادف ہے؟

ہم صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس معاملے کی طرف فوری توجہ دے کر نہ صرف اس کی غلطیوں کی اصلاح کریں، بلکہ اس بات کی تحقیق کرائیں کہ اس غلطی کے ذمہ دار کون لوگ ہیں؟ اور وہ کون سے عناصر ہیں جو نفاذِ شریعت کے ہر اقدام میں رکاوٹ ڈالنے اور مسخ کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ایسے عناصر کی ریشہ دوانیوں پر صبر و تحمل کا مظاہرہ بہت کچھ ہو چکا، اب وقت آگیا ہے کہ ان باتوں کا نوٹس لیا جائے، اور عوام کا پیمانۂ صبر لبریز ہونے سے پہلے ملک کو ان سے نجات دلائی جائے، ورنہ عام بے چینی پیدا کرنے والے ایسے اقدامات کا نتیجہ ملک وملت اور خود حکومت کے لئے کبھی اچھا نہیں ہوسکتا ـــــ اللہ تعالیٰ ہمارے اربابِ بست وکشاد کو یہ توفیق عطا فرمائیں، کہ وہ اس نئے نظام کو تمام غیر شرعی امور سے کلی طور پر پاک کرنے کی فکر کریں، تاکہ مسلمان پوری یکسوئی دلجوئی اور اطمینانِ خاطر کے ساتھ غیر سودی بینکاری کو کامیاب بنانے میں حصہ لے سکیں۔ آمین

آخر میں ہم ملک کے ان علماء سے جو خاص طور پر فقہ میں بصیرت رکھتے ہیں، یہ گزارش کرتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل نے جو رپورٹ غیر سودی بینکاری کے سلسلے میں شائع کی ہے، اس کا بنظرِ غائر مطالعہ فرما کر اس کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لیں، ظاہر ہے کہ یہ رپورٹ اس معاملے میں حرفِ آخر نہیں ہے، اس میں اب بھی علمی وفقہی خامیاں ہوسکتی ہیں، اور اس کی اشاعت کا مقصد ہی یہ ہے کہ اہلِ علم کی مدد سے اسے بہتر سے بہتر بنایا جاسکے، اس لئے یہ علماء کا فریضہ ہے کہ اس کا جائزہ لے کر ضروری ہو تو اس میں اصلاحات تجویز فرمائیں، تاکہ یہ علمی کام پایۂ تکمیل تک پہنچ جائے، اور پھر اس کے نفاذ کی عملی جدوجہد آسان ہو جائے۔

❀❀❀

غیر سودی بینکاری ☆

ــــ چند تاثرات

سعودی عرب کے مرحوم شاہ فیصل کے صاحب زادے شہزادہ محمد الفیصل کو اللہ تعالیٰ نے اس دور میں بلاسود بینکاری کے قیام کا خاص جذبہ مرحمت فرمایا ہے، وہ سالہا سال سے دنیا کے مختلف حصوں میں غیر سودی بینک قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں، اور اپنی ذاتی دلچسپی اور جدوجہد سے بہت سے بینک قائم کر چکے ہیں۔ اس وقت دبئی، کویت، بحرین، اردن، مصر، سوڈان، جنیوا اور دنیا کے مختلف حصوں میں بہت سے اسلامی بینک قائم ہو چکے ہیں جن کا دعویٰ اور کوشش یہ ہے کہ وہ سود سے پاک بینکاری کا عملی نمونہ پیش کریں گے۔

شہزادہ محمد الفیصل کی قیادت میں ان تمام بینکوں کا ایک اتحاد ''الجمعیۃ العالمیۃ للبنوک الاسلامیۃ'' (انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف اسلامک بینکس) کے نام سے قائم ہے، جو ان تمام اداروں کے درمیان رابطے اور تعاون کا اہتمام کرتا ہے، اور سب کی عملی مشکلات کو اجتماعی طور پر حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی ایسوسی ایشن کے تحت علماء کا ایک بورڈ بھی قائم ہے جو ''الرقابۃ الشرعیۃ للبنوک الاسلامیۃ'' کے نام سے معروف ہے، اس بورڈ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسوسی ایشن کے تحت چلنے والے بینکوں کی شرعی حیثیت کا جائزہ لیتا ہے، اور مختلف بینکوں کو ان کے طریقِ کار سے متعلق فقہی مشورے دیتا ہے۔ یہ بینک عام نظامِ بینکاری سے ہٹ کر کام کر رہے ہیں، اس لئے ان کو اپنے کام میں طرح طرح کی مشکلات پیش آتی ہیں، جن کے حل کے لئے وہ نئی نئی اسکیمیں شروع کرتے ہیں، ان اسکیموں کے شرعی جواز یا عدم جواز کا فیصلہ یہی بورڈ کرتا ہے۔ یہ بورڈ شیخ خاطر، شیخ بدر المتولی اور شیخ یوسف القرضاوی جیسے عالمی شہرت کے پندرہ علماء پر مشتمل ہے، اور وقتاً فوقتاً اجلاس منعقد کر کے بینکوں کے ان مسائل پر غور کرتا، اور شریعت کی روشنی میں اپنا فتویٰ دیتا ہے، اور بینک اس فتوے کی رہنمائی میں اپنا کام کرتے ہیں۔

☆ ۲۶ جمادی الثانیہ ۱۴۰۴ھ۔

۲۴ مارچ کو اسلام آباد میں اسی ایسوسی ایشن نے ''غیر سودی بینکاری'' کے موضوع پر ایک محفلِ مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا اور اسی موقع پر ''الرقابۃ الشرعیۃ'' کا ایک اجلاس بھی اسلام آباد میں طے کیا گیا تھا۔ راقم الحروف کو ان دونوں اجتماعات میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی، اسی لئے دونوں میں شرکت کے ذریعے احقر کو اس ادارے کی کارکردگی دیکھنے کا موقع ملا۔ اسی شرکت کے چند تاثرات ذیل میں پیشِ خدمت ہیں:

جہاں تک ایسوسی ایشن کے عام مذاکرے کا تعلق ہے، اس میں شہزادہ محمد الفیصل کے علاوہ مختلف ملکوں میں غیر سودی بینکوں کے سربراہ شریک تھے، جنہوں نے اپنے اپنے تجربات کی روشنی میں غیر سودی معیشت کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا۔ مذاکرے میں پاکستان کے متعدد بڑے بڑے مالیاتی اداروں کے سربراہ بھی مدعو تھے، جن میں سے بعض نے مقالے بھی پیش کیے، اور بعض مبصر کی حیثیت سے مذاکرے کی کاروائی میں شریک رہے۔ اس مذاکرے کا عام رجحان دو حیثیتوں سے مفید اور خوش آئند معلوم ہوا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اب سے چند سال پہلے تک عالمی مذاکروں میں جابجا مسئلہ یہ زیرِ بحث آیا کرتا تھا کہ بینکوں کا انٹرسٹ ''ربوا'' کی تعریف میں داخل بھی ہے یا نہیں؟ اور مغرب زدہ حلقوں کا ایک بڑا عنصر ہمیشہ اس بات پر مصر رہتا تھا کہ بینکوں کا سود ''ربوا'' میں داخل نہیں، اس لئے وہ حلال ہے ـــــ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اب وہ دور ختم ہوگیا ہے، اب یہ بات صرف علماء کی حد تک نہیں، بلکہ مسلم ممالک کے ماہرینِ معاشیات و مالیات میں بھی ایک مسلّم عالمی حقیقت کے طور پر مان لی گئی ہے کہ بینک انٹرسٹ ''ربوا'' کی تعریف میں داخل ہے، اور قطعی طور پر حرام ہے۔ چنانچہ اب مسلم ممالک میں جو بین الاقوامی کانفرنسیں یا مذاکرے منعقد ہوتے ہیں، ان کا موضوع پہلے کی طرح یہ نہیں ہوتا کہ ''بینک انٹرسٹ'' ربوا ہے یا نہیں؟ بلکہ اب موضوع یہ ہوتا ہے کہ بینکوں کو سود سے پاک کر کے چلانے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں؟

چنانچہ اس مذاکرے کا موضوع بھی یہی تھا، مذاکرے سے خطاب کرنے والے روایتی علماء نہیں تھے، بلکہ تمام تر وہ لوگ تھے جو اپنے اپنے ملکوں میں چوٹی کے ماہرینِ معاشیات، مالیات و بینکاری کے ماہرین سمجھے جاتے ہیں۔ ان سب نے سود پر مبنی بینکاری کی معاشی مضرتوں اور غیر سودی بینکاری کے معاشی فوائد پر پوری خود اعتمادی کے ساتھ روشنی ڈالی، اور اس بات پر اپنے محکم عزم کا اظہار کیا کہ انشاء اللہ اسلامی تعلیمات کے دائرے میں رہتے ہوئے بینکاری کا ایسا نمونہ پیش کریں گے جو ٹھیٹھ معاشی نقطۂ نظر سے بھی زیادہ مفید اور نتیجہ خیز ہو۔

دُوسری بات یہ ہے کہ مختلف ملکوں میں متعدد غیر سودی بینکوں کے قیام نے یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ سود کے بغیر بینک کا تصور محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں رہا، بلکہ اب عملی پیکر اختیار کر چکا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ یہ بینک دنیا کے صدیوں سے چلے ہوئے نظام کے مقابلے میں ایک نیا تجربہ کر رہے ہیں جس کو بینکوں کی عام برادری سے تعاون نہیں مل سکتا، اس لئے ان کو متعدد عملی مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ ابھی شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے بھی ان کے طریق کار میں کچھ خامیاں ہوں، لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ ان بینکوں کے تمام سربراہ دو باتوں پر پوری طرح متفق ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عملی پیچیدگیوں سے ڈر کر ہار بیٹھنے کے بجائے ان پیچیدگیوں کو اپنی محنت، عزم اور جدوجہد کے ذریعہ دور کرنے کا عزمِ صمیم رکھتے ہیں، اور دُوسرے یہ کہ وہ اپنی ہر اسکیم میں جس طرح اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ عملاً کامیاب ہو، اسی طرح ان کی کوشش یہ ہے کہ حتی الامکان وہ شرعی قواعد کے پوری طرح مطابق ہو، اور جہاں جہاں فقہی نقطۂ نظر سے خامیاں ہیں، وہاں وہ کھلے دل سے ان خامیوں کو دور کرنے کے لئے تیار ہیں۔

یہ ایک خوش آئند ابتداء ہے، اور اگر یہ کام اسی لگن اور جذبے کے ساتھ جاری رہا تو انشاء اللہ اس کے حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہوں گے۔ اس وقت سودی بینکاری کے سمندر میں ان چند بینکوں کی حیثیت بظاہر چند قطروں سے زیادہ نہیں، لیکن اس اقدام کا اثر فضا پر یہ پڑا ہے کہ ان مسلم ملکوں میں بھی غیر سودی بینکاری کا آوازہ بلند ہو رہا ہے جن کا نظامِ حکومت سراسر لادینی ہے۔ چنانچہ ترکی جیسے ملک میں بھی سرکاری سطح پر غیر سودی بینکوں کے قیام کی اجازت دے دی گئی ہے، اور سوڈان میں تو بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سود بذریعہ عدالت قابلِ نفاذ نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ مسلم ممالک کو مزید ہمت اور توفیق عطا فرمائے تو یہاں غیر سودی بینکوں کی ایسی مستحکم برادری وجود میں آسکتی ہے جو نہ صرف یہ کہ سودی بینکوں سے آنکھیں چار کر سکے، بلکہ ان کے لئے ایک قابلِ تقلید مثال بن جائے۔

اس محفلِ مذاکرہ کے افتتاحی اجلاس کی صدارت صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے فرمائی، اور اپنے صدارتی خطاب میں جو ایمان افروز باتیں کہیں، وہ بلاشبہ پاکستان کے ہر مسلمان کے دل کی آواز ہیں، انہوں نے فرمایا کہ عالمِ اسلام میں نفاذِ شریعت کے لئے بنیادی طور پر جس چیز کی ضرورت ہے وہ دلوں میں ایمان و یقین کی قوت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور اس کی قدرت و رحمتِ کاملہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان ہو تو نفاذِ شریعت کے راستے کی ہر مشکل پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

انہوں نے مثال پیش کی کہ جب ہم نے پاکستان میں شراب پر پابندی عائد کی تو ایک عرصے تک پی آئی اے کی غیر ملکی پروازوں میں شراب کی فروخت کا سلسلہ جاری رہا، جب ہم نے ان

پروازوں میں بھی شراب کی فروخت بند کرنے کا ارادہ کیا تو ہمیں بتایا گیا کہ اس سے پی آئی اے کو لاکھوں روپے کا نقصان ہوگا، اور غیر ملکی پروازیں خسارے میں چلیں گی، لیکن ہم نے ایک دینی فریضہ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر پی آئی اے میں شراب کی فروخت پر پابندی عائد کردی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ اب بحمد اللہ ان پروازوں میں نقصان کی بجائے نفع ہو رہا ہے۔

جنابِ صدر نے فرمایا کہ سود کے خاتمے کے لئے ہماری سب سے پہلی ضرورت اس بات پر مستحکم ایمان ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے حرام قرار دیا ہے، وہ ہمارے لئے ناگزیر نہیں ہوسکتی، جب ہم اس ایمان کے ساتھ کام کریں گے تو انشاء اللہ اس راستے کی رکاوٹیں دور ہوں گی، اور ہم منزلِ مراد تک پہنچ کر رہیں گے۔

جنابِ صدر کے یہ خیالات بڑے پاکیزہ، بڑے ایمان افروز اور انتہائی سلامت فکر پر مبنی ہیں، اور انہی خیالات کے ساتھ ان کا یہ اعلان بھی قابلِ ذکر ہے کہ حکومت اس بات کی پوری کوشش کر رہی ہے کہ ملک سے جلد از جلد سود کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے۔

جنابِ صدر کے ان خیالات اور اعلانات کی پوری قدردانی کے باوجود ہمیں ان سے یہ دردمندانہ گزارش کرنی ہے کہ سود کے خاتمے کے سلسلے میں سرکاری سطح پر جو کچھ اس وقت عملاً ہو رہا ہے، اس میں ان خیالات اور اعلانات کی کوئی جھلک کم از کم ہم جیسے عام آدمی کو نظر نہیں آتی، اور اس بنا پر معاندین کی بات تو الگ ہے، لیکن موجودہ حکومت کے ہمدرد اور بہی خواہ افراد بھی یہ باور کرنے میں مشکل محسوس کرتے ہیں کہ کام کی اس رفتار کے ساتھ "جلد از جلد" خاتمۂ سود کا خواب واقعۂ شرمندۂ تعبیر ہو سکے گا۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ آج سے تین سال پہلے تک جن مالیاتی اداروں کو سود سے پاک کر دیا گیا تھا، گزشتہ تین سال کے دوران ان کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا، اس کے برعکس ہر سال نئی نئی سودی اسکیمیں منظرِ عام پر آرہی ہیں، بینکوں میں جو نام نہاد "غیر سودی کاؤنٹرز" کھولے گئے ہیں، ان کے طریقِ کار کے بارے میں ہم بارہا ان صفحات میں عرض کر چکے ہیں کہ وہ درحقیقت سود ہی کی ایک بدلی ہوئی صورت ہے، اور شرعی اعتبار سے ان میں اور عام سودی کاؤنٹرز میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اب تک ان کاؤنٹروں کو صحیح معنی میں سود سے پاک کر کے شرعی قواعد کے تحت لانے کی بھی کوئی کوشش نہیں ہوئی۔ ہم بار بار یہ تجویز پیش کر چکے ہیں کہ کم از کم ان نام نہاد "غیر سودی کائنٹروں" کا طریقِ کار صحیح کرنے کے لئے وزارتِ خزانہ اور اسلامی نظریاتی کونسل کا ایک مشترک اجلاس منعقد کر کے متعلقہ عملی مسائل کا جائزہ لے لیا جائے، باہمی گفت وشنید کے نتیجے میں انشاء اللہ ایسا طریق کار طے

ہو سکے گا جو شریعت کے تقاضوں کے مطابق ہو، لیکن ابھی تک اس قسم کی کوئی مشترک نشست بھی نہیں رکھی جا سکی۔ خلاصہ یہ کہ بحالاتِ موجودہ معیشت کو سود سے پاک کرنے کے سلسلے میں سرکاری سطح پر ایک جمود واضح طور پر نظر آتا ہے، اور کم از کم ہمیں کوئی ایسی حرکت نظر نہیں آتی جس کی بنا پر یہ کہا جا سکے کہ ملک تدریجاً ہی سہی، غیر سودی نظامِ معیشت کی طرف گامزن ہے۔

جنابِ صدر نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ سود کے خاتمے کے لئے ہماری بنیادی ضرورت ایمان و یقین کے استحکام کی ہے، مغرب کے مادی نظامِ زندگی کے تحت پرورش پائے ہوئے دماغ ہمیشہ ڈراؤنے اعداد و شمار پیش کر کے خوف دلاتے رہیں گے، لیکن اگر اس بات پر ہمارا ایمان مستحکم ہے کہ اللہ کا ہر حکم ہر قیمت پر واجب التعمیل ہے اور وہ اپنے احکام پر عمل کرنے والوں کو بلاوجہ پریشان نہیں کرے گا، تو عملی تجربہ یقیناً ان ڈراؤنے خوابوں کی تردید کر دے گا۔ جنابِ صدر نے پی آئی اے کی مثال بالکل صحیح دی ہے، اگر حکومت اس وقت ان اعداد و شمار سے مرعوب ہو کر اپنے فیصلے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کرتی تو آج ہم اپنی پروازوں کے دوران شراب نوشی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل نہ کر پاتے، لیکن جب اللہ پر بھروسہ کر کے اس لعنت کو ختم کرنے کا عزم کر لیا گیا تو دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کس طرح آتی ہے۔

سود کے معاملے میں بھی جب تک اسی ایمان و یقین اور اسی جذبۂ اطاعتِ خداوندی سے کام نہیں لیا جائے گا، سرمایہ دارانہ نظام کا یہ عفریت ہماری معیشت کو اپنے خونخوار پنجوں سے آزاد نہیں کرے گا۔ پچھلے دنوں سوڈان کی کابینہ کے ایک اہم رکن ڈاکٹر حسن الترابی پاکستان آئے تھے، انہوں نے خود مجھے بتایا کہ سوڈان میں یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ بینک اگر سودی کاروبار کرتے ہیں تو وہ اپنی ذمہ داری پر ایسا کریں، آئندہ عدالت کے ذریعہ سود کی کوئی ڈگری نہیں دی جائے گی۔ اس اعلان کو ایک مدت گزر چکی ہے، لیکن وہاں اس اعلان کی وجہ سے ملکی معیشت پر کوئی آسمان نہیں ٹوٹ پڑا۔ اگر سوڈان یہ ہمت کر سکتا ہے تو پاکستان ـــــ جس کی بنیاد ہی اسلام کے نام پر اُٹھی ہے، یہ حوصلہ کیوں نہیں کر سکتا؟

ان تمام گزارشات کا مقصد اعتراض برائے اعتراض نہیں، بلکہ پوری دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ حکومت کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ اقتدار و اختیار اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی امانت ہے، یہ امانت ہمیشہ کسی ایک کے ہاتھ میں نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نفاذِ شریعت کا ایک زرّیں موقع عطا فرمایا ہے، اور اس کے لئے ایک طویل مہلت دی ہے، اگر آپ اس مہلت کو صحیح استعمال کر کے کم از کم سود جیسے بڑے بڑے منکرات سے قوم کو نجات دلانے میں کامیاب ہو جائیں تو یہ دنیا و آخرت میں

آپ کے لئے سرخروئی کا باعث ہوگا، اور یہ قوم جس کی بھاری اکثریت دل سے اسلامی احکام کے تحت زندگی گزارنا چاہتی ہے، آپ کو دعائیں دے گی، لیکن اگر خدانخواستہ آپ اس مہلت کو صحیح استعمال نہ کر سکے تو دنیا و آخرت میں اس کی جواب دہی بھی بڑی سنگین ہے۔ لٰہذا خدا کے لئے مزید وقت ضائع کیے بغیر سود کی لعنت سے قوم کو نجات دلانے کے لئے پوری سنجیدگی کے ساتھ عملی قدم اُٹھایئے، انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہوگی۔ قرآنِ کریم نے سود کو ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے مترادف قرار دیا ہے، اور جب تک ہم اس ''جنگ'' سے صدقِ دل کے ساتھ توبہ نہیں کریں گے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے سزاوار کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور اگر ہم ایک مرتبہ سچے دل سے یہ تہیہ کر لیں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ اس باغیانہ جنگ کو ہر قیمت پر ختم کر کے دم لیں گے تو پھر باری تعالیٰ کی طرف سے بشارت یہ ہے کہ:

"ولو انهم امنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركات من السماء."

ترجمہ: اور اگر وہ ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں تو ہم ان پر آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان و یقین کی اس دولت سے مالا مال فرمائے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کے راستے میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو اس کے ذریعے کچل سکیں، اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کر کے اس کے اسبابِ غضب کو دور اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کو متوجہ کر سکیں۔ آمین۔

سود کا مکمل خاتمہ ☆

ـــــ وزیرِ خزانہ کا نیا اعلان

سالِ رواں کا بجٹ پیش کرتے ہوئے ملک کے وزیرِ خزانہ جناب غلام اسحٰق خان صاحب نے غیر سودی نظامِ بینکاری کے قیام کے سلسلے میں جو کچھ کہا ہے، ہم اس مرتبہ ان صفحات میں اس کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتے ہیں۔

محترم وزیرِ خزانہ نے فرمایا ہے کہ صدرِ مملکت جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ملک سے سود کے خاتمے کے لئے اکتوبر ۱۹۸۵ء کی جو آخری حد مقرر کی تھی، ہم نے تہیہ کرلیا ہے کہ انشاء اللہ اس سے چند ماہ قبل، یعنی جولائی ۱۹۸۵ء ہی میں ملک سے سودی نظام کا بالکل خاتمہ کر دیا جائے گا، اور اس تاریخ کے بعد ملک کا کوئی بینک سود کی بنیاد پر لین دین نہیں کرے گا۔

مدت کے تعین کے بارے میں اختلافِ رائے ممکن ہے، لیکن محترم وزیرِ خزانہ کی سنائی ہوئی اس خوشخبری کا ہر وہ شخص خیر مقدم کرے گا جسے پاکستان سے محبت ہے، اور جو یہاں اسلام کے احکام و تعلیمات کو عملاً جاری و ساری دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ وہ خبر ہے جسے سننے کے لئے عرصے سے کان ترس رہے تھے، اور مقامِ شکر ہے کہ بعد از خرابی بسیار سہی، یہ خوشخبری سننے میں آ ہی گئی۔

لیکن ماضی میں غیر سودی نظامِ معیشت کے قیام کے سلسلے میں جو تلخ تجربات سامنے آتے رہے ہیں ان کے پیشِ نظر یہ مسرت شکوک و شبہات کی آمیزش سے خالی نہیں ہے۔ اور جو لوگ ملک میں خالص اسلامی نظامِ معیشت کا چلن دیکھنا چاہتے ہیں، ان کے دل میں اس تاریخ کے انتظار و اشتیاق کے ساتھ متعدد سوالات بھی پیدا ہو رہے ہیں جو ایک بار پھر ہم پوری دردمندی کے ساتھ حکومت کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔

موجودہ حکومت نے برسرِ اقتدار آتے ہی اپنے متعدد اعلانات کے ذریعے سودی نظام کے خاتمے کو اپنی ترجیحات میں نمایاں طور پر شمار کیا تھا، چنانچہ جب ۱۹۷۷ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی نئی

☆ ۲۸ شوال ۱۴۰۴ھ۔

تشکیل ہوئی، اور صدرِ مملکت نے اس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کیا تو کونسل کے سامنے سب سے زیادہ زور اس بات پر دیا کہ وہ ملک سے سود کی لعنت ختم کرنے کے لئے مفصل طریق کار وضع کرے۔ اس وقت راقم الحروف بھی کونسل کا رکن تھا، اور خاتمۂ سود سے جنابِ صدر کی یہ گہری دلچسپی نہ صرف ہم سب کے لئے باعثِ صد مسرت ہوئی، بلکہ پورے ملک میں اس پر اطمینان کا اظہار کیا گیا، کیونکہ وہ پہلا موقع تھا کہ ملک کے کسی سربراہ نے اس مسئلے کو اتنی اہمیت کے ساتھ چھیڑا ہو، ورنہ اس سے قبل ملک کے اصحابِ اقتدار نے کبھی اس مسئلے پر سوچنے کے لئے چند منٹ خرچ کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی، بلکہ بعض افراد تو اُلٹا سود کو نہ صرف حلال طیب، بلکہ معیشت کے لئے ناگزیر قرار دینے پر مصر تھے۔

جنابِ صدر کی اس دلچسپی کو دیکھتے ہوئے کونسل نے بڑے ذوق و شوق اور اُمنگ کے ساتھ غیر سودی معیشت کا عملی خاکہ تیار کرنے کے لئے کام شروع کیا، اس غرض کے لئے ماہرینِ معاشیات اور بینکروں کا ایک پینل بنایا، اور بالآخر غیر سودی بینکاری پر ایک جامع اور مفصل رپورٹ تیار کر کے حکومت کو پیش کر دی۔

اس کے بعد حکومت کی طرف سے اعلان ہوا کہ ملک کے تمام بینکوں میں غیر سودی کاؤنٹرز نفع نقصان کی بنیاد پر کھولے جائیں گے۔ اگرچہ ہمیں اس طریق کار سے اختلاف تھا کہ سودی اور غیر سودی دونوں قسم کے کھاتے متوازی طریقے پر جاری رہیں اور لوگوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ چاہیں تو حلال طریقہ اختیار کریں اور چاہیں تو حرام طریقہ اپنائیں۔ اور اپنے اس نقطۂ نظر کا اظہار کونسل کے ذریعے حکومت پر کر بھی دیا گیا تھا، لیکن کچھ نہ ہونے کے مقابلے میں ''کچھ ہونے'' کو پھر بھی ہم نے غنیمت سمجھا، اور یہ خیال ہوا کہ حکومت اس کو غیر سودی نظام کی طرف پہلے قدم کے طور پر اختیار کرے تو فی الحال اسے گوارا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

لیکن جب ان غیر سودی کاؤنٹروں کا طریق کار تفصیلاً سامنے آیا تو یہ دیکھ کر انتہائی افسوس ہوا کہ اس اکاؤنٹ کے طریق کار میں عملاً سود کی روح اسی طرح جاری و ساری ہے، جس طرح عام سودی اکاؤنٹس میں، ہم ''البلاغ'' کے ان صفحات میں اس کے مفصل دلائل پیش کر چکے ہیں۔ اب جبکہ ملک سے سود کے مکمل خاتمے کا اعلان کیا گیا ہے، دل میں یہ شبہات پیدا ہو رہے ہیں کہ یہ خاتمہ اسی طرح کا تو نہیں ہوگا جیسا پی ایل ایس اکاؤنٹ میں ہوا، یعنی سود کے صرف نام کا خاتمہ۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو ملکی معیشت کا اس سے بڑا المیہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

غیر سودی نظامِ بینکاری کی کامیابی اس بات پر موقوف ہے کہ مسلمان اس میں اس اطمینان

کے ساتھ حصہ لیں کہ یہ نظام کسبِ حرام کی آمیزش سے پاک اور شرعی اعتبار سے بے نقص اور حلال و طیب ہے۔ اور یہ اطمینان محض ظاہری حیلوں کے ذریعے حاصل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اب جبکہ حکومت نے نے بینکاری کو سود سے بالکلیہ پاک کرنے کا مبارک عزم ظاہر کیا ہے، یہ عزم بھی کر لینا چاہئے کہ اس نئے نظام میں وہ سنگین غلطیاں نہیں دہرائی جائیں گی جنہوں نے پی ایل ایس اکاؤنٹ کو شرعی اعتبار سے برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

محترم وزیرِ خزانہ کا یہ اعلان کہ جولائی ۱۹۸۵ء تک ملک سے سودی بینکاری کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا، لائقِ مبارکباد ہے، لیکن ان سے ہماری گزارش یہ ہے کہ اگر سود کا صرف نام ختم کرنا نہیں، بلکہ ملکی معیشت سے اس شجرہ خبیثہ کی جڑ نکالنی مقصود ہے تو خدا کے لئے پی ایل ایس اکاؤنٹ کے موجودہ طریقِ کار سے ملک کو نجات دلائیے اور اگر اسی طریقِ کار کو مزید توسیع دے کر تمام اکاؤنٹس میں جاری کرنا پیشِ نظر ہے، اور اسی کو سود کے مکمل خاتمے کا نام دیا جارہا ہے تو یہ ملک وملت کے ساتھ ایک شرمناک فریب کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

ہم ان صفحات میں بھی، اور دُوسرے ذرائع سے بھی، نہ جانے کتنی مرتبہ یہ تجویز پیش کر چکے ہیں کہ وزارتِ خزانہ اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک مشترک اجلاس میں پی ایل ایس اکاؤنٹ کے موجودہ طریقِ کار کا جائزہ لیا جائے، اس کی شرعی خامیاں دور کی جائیں، اور اگر کوئی عملی دشواری سامنے آئے تو اسے سر جوڑ کر شرعی اصولوں کے مطابق طے کیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج تک اس تجویز پر عمل نہیں ہوا۔

یہ خبریں آئے دن اخبارات میں آتی رہتی ہیں کہ غیر سودی بینکاری کو فروغ دینے کے لئے وزارتِ خزانہ اور ماہرین کا فلاں اجلاس ہوا، اور اس میں بہت سے امور طے کیے گئے۔ لیکن ہمیں یہ معلوم نہیں کہ اس کام کے لئے وزارتِ خزانہ کے مشیر کون لوگ ہیں؟ جو کسی اسکیم کے سودی یا غیر سودی ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں، قاعدے کی بات تو یہ تھی کہ اس غرض سے ملک میں ایک دستوری ادارہ ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کے نام سے موجود ہے، اس معاملے میں پہلی مفصل رپورٹ بھی اسی نے پیش کی ہے، لہٰذا اس جہت کی ہر عملی کارروائی میں اسے اعتماد میں لیا جائے، اور اس کی شرکت اور تعاون سے یہ کام آگے بڑھے۔ لیکن ہماری معلومات کی حد تک کونسل اس پورے عمل سے الگ تھلگ رہی ہے، اور نت نئی اسکیمیں شروع کرتے وقت اس سے مشورے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس وقت اگرچہ کونسل اپنی مدت ختم ہونے کی بنا پر موجود نہیں ہے، لیکن اول تو اس کی تشکیلِ جدید جلد ہونی چاہئے، دُوسرے کونسل کے ارکان بہرحال موجود ہیں، اوران کے علاوہ بھی جن اہلِ علم

اور ماہرین کی رائے اس بارے میں مفید ہو سکتی ہے، وہ جانے پہچانے ہیں۔ ان کے تعاون سے ایسی اسکیمیں تیار کی جا سکتی ہیں جو شرعی خامیوں سے پاک ہوں۔

لہٰذا ہم ایک بار پھر پوری دلسوزی کے ساتھ حکومت کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ نئے غیر سودی نظام کو نافذ کرتے وقت اس بات کی ضمانت دے کہ وہ سو فی صد اسلامی اصولوں کے مطابق ہوگا، اور اس میں سود کا کوئی شائبہ باقی نہیں رکھا جائے گا۔ ابھی وقت ہے کہ اس اعتبار سے نئے نظام کے قابلِ اعتماد ہونے کا اطمینان خود بھی کر لیا جائے، اور عوام کے دل میں بھی اس کا اعتماد پیدا کیا جائے، ورنہ یہ صورت کوئی اچھی نہیں ہوگی کہ حکومت سود کے مکمل خاتمے کا اعلان کرے، اور ملک کے علماء اور اہلِ بصیرت حضرات اس کا خیر مقدم کرنے کے بجائے اس کی شرعی خامیوں کی بنا پر اس کے خلاف احتجاج کریں۔

حکومت کو ایک بار پھر بروقت متوجہ کر کے ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں، اب یہ حکومت کے سوچنے کی بات ہے کہ وہ موجودہ نظام میں تبدیلی کے لئے کیا طریقِ کار اختیار کرتی ہے؟ وہ طریقِ کار جس کے ذریعے نہ صرف سود کا عفریت جوں کا توں ملت پر مسلط رہے، بلکہ اس کے خلاف مسلمانوں کی نفرت اور غم و غصہ میں حکومت بھی حصہ دار بن کر رہے، یا وہ طریقِ کار جس سے واقعۃً ملک کو اس لعنت سے چھٹکارا نصیب ہو، اور اس ملک کے مسلمان اس حکومت کو عمر بھر دعائیں دیں جس کی بدولت انہیں اس لعنت سے چھٹکارا نصیب ہو۔

اقتدار کبھی کسی کا ہمیشہ ساتھ نہیں دیتا، لیکن مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے اقتدار و اختیار کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں، سود پر قرآنِ کریم نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اعلانِ جنگ کی شدید ترین وعید سنائی ہے، اور جو حکمران اس خطرناک جنگ سے واقعۃً ملک کو نجات دلائیں گے، ان پر انشاء اللہ خدا کی طرف سے رحمتیں نازل ہوں گی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اربابِ اقتدار کو صحیح فیصلہ کرنے کی توفیق بخشے، اور ان کو محض نام لینے کے لئے نہیں، بلکہ حقیقۃً سود کی لعنت ختم کرنے کا سچا جذبہ اور اس کے لئے اخلاص عطا فرمائے۔ آمین۔

بلاسود بینکاری ☆

ـــــ حکومت کے تازہ خوش آئند اقدامات

ذیقعدہ ۱۴۰۴ھ کے شمارے میں ہم نے وزیرِ خزانہ جناب غلام اسحاق خان صاحب کے اس اعلان پر تبصرہ کیا تھا جو انہوں نے سالِ رواں کا بجٹ پیش کرتے ہوئے کیا تھا، کہ جولائی ۱۹۸۵ء تک تمام بینکوں سے سودی لین دین بالکلیہ ختم کر دیا جائے گا۔ اپنے تبصرے میں ہم نے اس اعلان کے خیر مقدم کے ساتھ ساتھ ان شکوک وشبہات کا بھی ذکر کیا تھا جو عام طور پر ذہنوں میں پائے جاتے ہیں، یعنی یہ کہ سود کا یہ خاتمہ اگر اسی طرح عمل میں آیا جس طرح موجودہ پی ایل ایس اکاؤنٹ میں کیا گیا ہے تو یہ محض نام کی تبدیلی ہوگی، ورنہ حقیقۃً سود کی عملداری پہلے کی طرح جاری رہے گی۔

ہمارا یہ تبصرہ وزیرِ خزانہ کی بجٹ تقریر کے اس حصے پر مبنی تھا جو ۱۵ جون ۱۹۸۴ء کے اخبار ''جنگ'' میں شائع ہوا تھا۔

لیکن بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ''جنگ'' کے اس شمارے میں ان کی تقریر پوری شائع نہیں ہوئی، اور انہوں نے اپنی تقریر میں سود کے خاتمے سے متعلق اپنی حکمتِ عملی اور منصوبوں کا کافی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا۔ چنانچہ کچھ عرصے قبل ہم نے وزیرِ موصوف کی مذکورہ تقریر کا مکمل متن حاصل کیا تو اس بات کی تصدیق ہوگئی، اور اس مکمل تقریر کو پڑھنے کے بعد جو نئی معلومات حاصل ہوئیں ان کے بعد اپنا سابقہ تبصرہ نہ صرف ناکافی، بلکہ قابلِ اصلاح وترمیم معلوم ہوتا ہے، لہٰذا آج کی نشست میں اس موضوع پر دوبارہ اپنی معروضات پیش کرنا مقصود ہے۔

محترم وزیرِ خزانہ کی بجٹ تقریر میں سب سے پہلی بات جو ہمارے لئے باعثِ صد مسرت اور حکومت کے لئے قابلِ مبارکباد ہے، وہ یہ کہ موجودہ مالی سال سے پی ایل ایس اکاؤنٹ کی چند واضح ترین خرابیاں جنہوں نے اسے سود ہی کی دُوسری شکل بنا دیا تھا، بفضلہٖ تعالیٰ دور کر دی گئی ہیں، اور محترم وزیرِ خزانہ نے اپنی اس تقریر میں صریح الفاظ کے ساتھ ان خرابیوں کے بارے میں یہ اعتراف کیا ہے

☆ ۲۳ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ۔

کہ چونکہ اہلِ علم وفکر نے ان خرابیوں کی نشان دہی کر کے اس طریقِ کار کو شرعی اعتبار سے نا قابلِ قبول قرار دیا تھا، اس لئے اب یہ طریقِ کار تبدیل کیا جارہا ہے۔

اس اجمال کی وضاحت کے لئے تھوڑی سی تفصیل درکار ہوگی:

جنوری ۱۹۸۱ء میں جب حکومت نے پہلی بار ''غیر سودی کاؤنٹرز'' کے نام سے ہر بینک میں ایک نیا کھاتہ جاری کیا (جسے عام طور سے پی ایل ایس اکاؤنٹ یا نفع ونقصان کے شراکتی کھاتے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) تو ہم نے اسی وقت اس کھاتے کے مفصل طریقِ کار کا مطالعہ کر کے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ یہ کھاتہ سود ہی کی ایک شکل ہے، اور اسے غیر سودی کھاتہ کہنا درست نہیں۔ ہماری یہ رائے مفصل دلائل کے ساتھ ''البلاغ'' کے ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ کے شمارے میں شائع ہوئی، ملک کے متعدد اخبارات نے بھی اسے نقل کیا، اور حکومت کے اداروں میں بھی اس کی نقول بھجوائی گئیں۔

اپنے اس مضمون میں ہم نے تفصیل کے ساتھ واضح کیا تھا کہ سودی نظام بینکاری کے خاتمے کے بعد اصل متبادل راستہ شرکت ومضاربت یا قرضِ حسن ہے، لیکن بینک کے بعض امور کی انجام دہی میں جہاں شرکت یا مضاربت ممکن نہ ہو، وہاں محدود پیمانے پر بعض اور طریقے بھی اختیار کیے جاسکتے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ ''بیع مؤجل'' ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ سودی نظام میں جو لوگ کوئی مال خریدنے کے لئے بینک سے سود پر قرض لیتے ہیں، بینک ان کو نقد قرضہ دینے کے بجائے مطلوبہ مال خرید کر نفع کے ساتھ فروخت کردے، اور قیمت کی ادائیگی کے لئے کوئی مدت مقرر کرلے۔

اس طریقِ کار کو ''بیع مؤجل'' اور بینک کو اس بیع کے ذریعے جس تناسب سے نفع حاصل ہوگا، اس کو ''مارک اپ'' کہا جاتا ہے۔ اگر بینک واقعۃً مطلوبہ مال خرید کر قبضے کے بعد اس طرح فروخت کرے اور اس پر نفع کمائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، اب تک ''پی-ایل-ایس اکاؤنٹ'' میں اس طریقِ کار کو بُری طرح مسخ کر کے استعمال کیا گیا یعنی اول تو بینکوں نے مطلوبہ مال خرید کر اسے بیچنے کے بجائے اپنے گاہکوں کو نقد رقم ہی دے دی، اور کہا کہ وہ اس رقم سے مال خود خریدیں، لیکن فرض یہ کریں کہ مال بینک نے انہیں ''بیع مؤجل'' کے طریقے پر فروخت کیا ہے، پھر اس کی قیمت ایک خاص تناسب سے ''مارک اپ'' لگا کر معینہ وقت پر بینک کو ادا کریں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بیع کا صرف نام ہی نام ہوا، ورنہ بینک نے درحقیقت رقم ہی کا لین دین کیا، مطلوبہ مال نہ کبھی بینک کی ملکیت اور اس کے قبضے میں آیا، اور نہ اس نے کبھی اپنے گاہک کو مال ادا کیا۔

دُوسرے اس معاملے میں یہ بھی شرط لگادی گئی تھی کہ اگر گاہک نے معینہ وقت پر قیمت ادا نہ کی تو قیمت میں ایک خاص تناسب سے مزید اضافہ کیا جاتا رہے گا، جسے ''مارک اپ کے اُوپر دُوسرا

مارک اپ'' کہا گیا۔

ظاہر ہے کہ اس طریقِ کار کو صرف نام کی تبدیلی کے ساتھ سود کے سوا اور کیا کہا جاسکتا تھا، چنانچہ ہم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''یہ طریق کار واضح طور پر سود کے سوا اور کیا ہے؟ اگر ''انٹرسٹ'' کے بجائے نام ''مارک اپ'' رکھ دیا جائے، اور باقی تمام خصوصیات وہی رہیں تو اس سے ''غیر سودی نظام'' کیسے قائم ہو جائے گا؟''(۱)

اور پھر یہ مطالبہ کیا تھا کہ:

''جن مقامات پر ''مارک اپ'' کا طریقہ باقی رکھنا ناگزیر ہو، وہاں اس کی شرعی شرائط پوری کی جائیں۔ یعنی اول تو قیمت کی ادائیگی میں تاخیر پر ''مارک اپ'' کی شرحوں میں اضافے کی شرط کو فی الفور ختم کیا جائے، کیونکہ شریعت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ دُوسرے اس بات کی وضاحت کی جائے کہ ''مارک اپ'' کی بنیاد پر فروخت کیا جانے والا سامان بینک کے قبضے میں لاکر فروخت کیا جائے گا۔ (۲)

۱۴۰۱ھ سے لے کر آج تک نہ جانے کتنے مختلف ذرائع اور مختلف اسالیب اور عنوانات سے ہم حکومت کو مارک اپ کے طریق کار کی ان سنگین خامیوں کی نشاندہی کرتے رہے ہیں، اب اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ محترم وزیرِ خزانہ نے مارک اپ کے طریقِ کار کی خامیوں کو دور کرنے کا اعلان کر دیا ہے، چنانچہ وہ بجٹ تقریر میں فرماتے ہیں:

''مارک اپ پر مارک اپ کا جو طریقہ پہلے پی ایل ایس نظام میں شامل تھا، اس پر شریعت کے نقطۂ نظر سے اعتراضات ہوئے، چنانچہ ان اعتراضات کے نتیجے میں آئندہ یہ طریقہ بالکلیہ ختم کر دیا جائے گا، اس کے بجائے نادہندگی کی صورت میں مالیاتی ادارہ ایسے سرسری سماعت کے ٹریبونل سے رجوع کر سکے گا جو اس مقصد کے لئے قائم کیے جائیں گے۔''(۳)

چنانچہ وزیرِ خزانہ کے اس اعلان کی تعمیل کے طور پر اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے تمام بینکوں کو یہ ہدایت جاری کر دی ہے، پندرہ روزہ اسٹیٹ بینک نیوز کی یکم جولائی ۱۹۸۴ء کی اشاعت میں غیر سودی تمویل کے طریقوں کی وضاحت کرتے ہوئے ''مارک اپ'' کے طریقے کی تفصیل اس

(۱) البلاغ، ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ، صفحہ ۹۔ (۲) ایضاً صفحہ ۱۳۔ (۳) بجٹ تقریر، صفحہ ۲۵، ۲۶۔

طرح بیان کی گئی ہے:

''بینک مختلف اشیاء خریدیں گے، پھر وہ اشیاء اپنے گاہکوں کو بیع مؤجل کے طریقے پر مناسب مارک اپ کے ساتھ فروخت کریں گے۔ لیکن نادہندگی کی صورت میں اس مارک اپ پر کسی مزید مارک اپ کا اضافہ نہیں ہوگا۔''(۱)

''مارک اپ'' کے طریقِ کار میں یہ اصلاح ہر لحاظ سے باعثِ مسرت اور مستقبل کے لئے نہایت خوش آئند علامت ہے۔

پی ایل ایس اکاؤنٹ میں ایک دُوسری اسکیم بعد میں ''مشارکہ'' کے نام سے شروع کی گئی، اس اسکیم کا بھی ہم نے ذوق وشوق سے مطالعہ کیا، لیکن یہ دیکھ کر انتہائی دکھ ہوا کہ اس اسکیم میں بھی صرف نام ہی ''مشارکہ'' ہے، ورنہ سود کی حقیقت وہاں بھی موجود ہے، چنانچہ ''البلاغ'' کے رجب ۱۴۰۳ھ کے شمارے میں ہم نے اس نئی اسکیم پر بھی مفصل تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ یہ نئی اسکیم بھی سود اور استحصال کی بدترین شکل ہے جسے اسلام کے نام پر رائج کرنا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ شرمناک فریب کے مترادف ہوگا۔''(۲)

اس اسکیم کے تحت بینک کسی کاروباری ادارے کے کسی میعادی تجارتی پروگرام میں سرمایہ لگا کر اس کا شریک بنتا ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اگر اس کاروبار میں نقصان ہوا تو پہلے نقصان کی زد کاروباری ادارے کے مدِ محفوظ پر پڑے گی، اس کے بعد بھی اگر نقصان باقی رہے تو بینک کے حصے کے نقصان کی تلافی اس طرح کی جائے گی کہ جتنی رقم کا نقصان ہوا ہے، بینک اس کاروباری ادارے کے اتنے رقم کے حصص کا خود بخود مالک بن جائے گا۔

ظاہر ہے کہ اس طرح نقصان کی تمام تر ذمہ داری دُوسرے فریق کی طرف منتقل کرنے کی جو شرط لگائی گئی تھی، اس نے ''مشارکہ'' کی ساری روح ملیامیٹ کر کے رکھ دی تھی، چنانچہ ہم نے اس وقت لکھا تھا کہ:

''خدا کے لئے اس قسم کے نیم دِلانہ اقدامات سے پرہیز کیجئے، پہلے صرف ایک سودی کاروبار کا گناہ تھا، اس قسم کے اقدامات سے اس گناہ کے علاوہ معاذ اللہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ فریب کا وبال بھی شامل نہ ہو جائے۔''(۳)

مقامِ شکر و مسرت ہے کہ محترم وزیرِ خزانہ نے اپنی بجٹ تقریر میں ''مشارکہ'' کے اس طریق

---

(۱) اسٹیٹ بینک نیوز، جلد ۲۲، شمارہ ۱۳، صفحہ ۱، کالم ۱۔ (۲) البلاغ، رجب ۱۴۰۳ھ، صفحہ ۵۔ (۳) ص ۵۔

کار کو بھی ختم کرنے کا اعلان کر دیا ہے، چنانچہ وہ ''مشارکہ'' و ''مضاربہ'' کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تمویل کے یہ طریقے خاص خاص مواقع پر پہلے بھی اختیار کیے جاتے رہے ہیں، لیکن اب ان کا استعمال وسیع تر دائرے میں پھیلا دیا جائے گا، لیکن اس وقت ''مشارکہ'' اور پی ٹی سی (پارٹی سپیشن ٹرم سرٹیفکیٹ) کے معاہدات میں جو شق موجود ہے کہ مالیاتی ادارے (بینک وغیرہ) کے حصے میں جو نقصان آئے گا، اسے کاروباری ادارے کے حصص کے اجراء سے پورا کیا جائے گا، چونکہ اس شق پر بعض حلقوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ شق غیر اسلامی ہے، اس لئے آئندہ مشارکہ کے معاہدے میں یہ شق باقی نہیں رہے گی۔''(۱)

''مارک اپ'' اور ''مشارکہ'' کی اسکیموں میں اہلِ علم وفکر کے مطالبے کے مطابق ان تبدیلیوں کے اعلان سے ہمیں دوہری مسرت حاصل ہوئی ہے۔ سب سے پہلی مسرت تو اس بات کی ہے کہ ان اسکیموں کی حد تک صریح اور واضح سود سے قوم کو نجات ملی، دُوسرے اس بات کی مسرت بھی کم نہیں کہ حکومت نے بدیر سہی، لیکن بالآخر غلطی پر اصرار کے بجائے تعمیری تنقید کو قبول کرنے کی طرح ڈالی، ورنہ اب تک ان تنقیدوں کے بارے میں یہ کہہ کر بات ٹلا دی جاتی تھی کہ یہ معیشت اور مالیاتی امور کے بارے میں غیر ماہرانہ آراء ہیں جن کو ملک کے نازک مالیاتی امور میں دوررس فیصلوں کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ تیسرے ان اصلاحات سے پہلی بار اس بات کی واضح علامت ملی ہے کہ یکم جولائی ۱۹۸۵ء تک سودی کاروبار ختم کرنے کا اعلان نرا مذاق نہیں، بلکہ حکومت اس سمت میں واقعۃً پیش قدمی کر رہی ہے۔

محترم وزیرِ خزانہ نے اپنی تقریر میں یکم جولائی ۱۹۸۵ء تک سود ختم کرنے کے لئے تاریخ وار پروگرام کا بھی اعلان کیا ہے، اور اس اعلان کے مطابق اسٹیٹ بیک نے تمام بینکوں کو ہدایت بھی جاری کر دی ہیں۔ یہ پروگرام وزیرِ خزانہ کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

''جیسا کہ پچھلے سال وعدہ کیا گیا تھا، نظام بینکاری سے سود کی مکمل استیصال کے لئے اسٹیٹ بینک اور قومی تجارتی بینکوں کے مشورے سے ایک ٹھوس پروگرام وضع کر لیا گیا ہے۔ یہ پروگرام ملک کے تمام بینکوں اور مالیاتی اداروں پر اطلاق پذیر ہوگا، جن میں وہ غیر ملکی بینک بھی داخل ہیں جو پاکستان میں کام

(۱) بجٹ تقریر، ص ۲۶۔

کر رہے ہیں، اور اس پر آئندہ مالی سال سے عمل شروع ہو جائے گا۔ یہ پروگرام مندرجہ ذیل ہے:

(الف) یکم جنوری ۱۹۸۵ء سے حکومت، سرکاری شعبے کی کارپوریشنوں، اور تمام جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کو، خواہ وہ پبلک ہوں یا پرائیویٹ، اور تمام جائنٹ اسٹاک کمپنیوں کو، خواہ وہ پبلک ہوں یا پرائیویٹ، بینکوں کی طرف سے کی جانے والی ہر تمویل مکمل طور پر اسلامی طریقوں کے مطابق ہوگی ...... (یکم جنوری سے قبل) چھ ماہ کا یہ عبوری زمانہ اس لئے ناگزیر ہے کہ اس دوران متعلقہ قوانین میں مطلوبہ تبدیلیاں لائی جائیں، حسابات رکھنے کے نئے مناسب طریقوں کو رواج دیا جائے، بینک اپنے عملے کو ضروری تربیت دے سکے، اور اسی طرح کی دُوسری تیاریاں عمل میں لائی جائیں۔

(ب) یکم اپریل ۱۹۸۵ء سے افراد اور فرموں کو کی جانے والی تمویل بھی مکمل طور پر شریعت کے مطابق تبدیل کرنی لازمی ہوگی ...... اور اس طرح یکم اپریل ۱۹۸۵ء تک بینکوں اور مالیاتی اداروں کے اثاثوں کی سمت (Asset Side) مکمل طور پر اسلامی طریقہ ہائے تمویل میں تبدیل ہو جائے گی۔ صرف ماضی کے معاہدات باقی رہیں گے جن کو پورا کرنا ہوگا۔

(ج) یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے کوئی بینک کوئی سودی ڈپازٹ قبول نہیں کرے گا۔ تمام بچت اور میعادی کھاتے مسلمہ اسلامی طریقہ ہائے تمویل میں تبدیل ہو جائیں گے، البتہ کرنٹ اکاؤنٹ، موجودہ دور کی طرح بغیر کسی منافع کے جاری رہیں گے۔

(د) اسلامی طریقہ ہائے تمویل کو زرعی شعبے اور امدادِ باہمی کے اداروں تک بھی وسیع کر دیا جائے گا۔

(ہ) اسٹیٹ بینک کے تمام معاملات، خواہ وہ حکومت سے ہوں یا تجارتی بینکوں سے، وہ بھی یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے پہلے پہلے نئے طریقہ ہائے تمویل سے بدل دیئے جائیں گے۔

ان خوش آئند فیصلوں پر ہم حکومت کو تہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں، اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس بات کی مکمل توفیق اور ہمت عطا فرمائیں کہ وہ ملک کے معاشی نظام کو واقعۃً سود کی

لعنت سے پاک کر کے ٹھیک ٹھیک اسلامی تقاضوں کے مطابق بنانے میں کسی ذہنی تحفظ اور کسی مرعوبیت و مغلوبیت کے روادار نہ ہوں، اور مجوزہ نظام میں شرعی نقطۂ نظر سے جو خامیاں اب بھی باقی ہیں، انہیں بھی دور کر کے صحیح معنی میں اسلامی نظامِ معیشت کے قیام کی راہ ہموار کر سکیں۔ آمین، ثم آمین۔

محترم وزیرِ خزانہ نے اپنی تقریر میں ان طریقوں کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو سودی معاملات ختم کرنے کے لئے اختیار کیے جائیں گے، اور اسٹیٹ بینک نے اپنے ایک سرکلر کے ذریعے تمام بینکوں کو ان کے مطابق کام کرنے کی ہدایات بھی جاری کر دی ہیں جو اسٹیٹ بینک نیوز کے یکم جولائی ۱۹۸۴ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی محترم وزیرِ خزانہ نے کچھ عملی مسائل کا ذکر کر کے ملک کے علماء اور اہلِ فکر سے کچھ سوالات بھی کیے ہیں جن کا شرعی حل انہیں مطلوب ہے۔

ہمارے نزدیک یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان تمام طریقوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں جو اس نئے نظام کے لئے تجویز کیے گئے ہیں، اور اگر ان میں شرعی اعتبار سے نقائص ہوں تو ان کے بارے میں اپنی آراء اور تجاویز پہلے سے حکومت کو ارسال کریں، تا کہ یکم جولائی سے پہلے پہلے ان نقائص کو دور کرنے کی کوشش ہو سکے، نیز محترم وزیرِ خزانہ نے جو سوالات کیے ہیں، ان کا جواب بھی فراہم کریں۔

غیر سودی بینکاری کے لئے مجوزہ طریقوں کی تفصیل اور وزیرِ خزانہ کے سوالات پر اپنا تبصرہ ہم انشاء اللہ آئندہ کسی صحبت میں پیش کریں گے، لیکن تین گزارشات اسی وقت پیش کرنی ضروری ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ "مارک اپ" کے طریقِ کار کے جواز کے لئے ایک لازمی شرط یہ ہے کہ بینک واقعۃً کوئی شے اپنے گاہک کو فروخت کرے، محض اس کو رقم دے کر یہ سمجھنا کہ اس رقم سے جو چیز گاہک خریدے گا وہ بینک نے اسے فروخت کی ہے، ہرگز جائز نہیں ہوگا، اگرچہ اسٹیٹ بینک کے سرکلر میں باقاعدہ "خرید و فروخت" کے ذکر سے ظاہر یہ ہے کہ واقعۃً معاملہ بیع ہی کا ہوگا، گاہک کو رقم نہیں دی جائے گی، لیکن چونکہ بینک پہلے اس طریقِ کار کے عادی رہے ہیں، اس لئے انہیں اس سلسلے میں صراحت کے ساتھ ہدایات جاری کرنے کی ضرورت ہے۔

دُوسرے "مارک اپ" کا طریقِ کار تو اب انشاء اللہ بڑی حد تک درست ہو جائے گا، لیکن اسٹیٹ بینک کے سرکلر میں ایک طریقہ "ٹریڈ بلز کی خریداری" بھی قرار دیا گیا ہے، اور اس کی تفصیل میں کہا گیا ہے کہ ان بلوں کی خریداری "مارک ڈاؤن" کی بنیاد پر ہوگی، جس کا حاصل یہ ہے کہ بلز آف ایکسچینج اور ہنڈیوں کو بھنانے کے لئے بعینہٖ وہی طریقِ کار جاری رہے گا جو آج بینکوں میں جاری

ہے، صرف اتنا فرق ہوگا کہ کٹوتی یا بٹہ لگانے (Discount) کے بجائے مارک ڈاؤن یا کمیشن کی اصطلاح استعمال ہوگی۔

یہ بات شرعی اعتبار سے قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہماری گزارش یہ ہے کہ جس طرح ''مارک اپ'' کے طریقِ کار کو حکومت نے تبدیل کرنے کا اعلان کر دیا ہے، اسی طرح بلز آف ایکسچینج کو بھنانے کا طریقِ کار بھی تبدیل کیا جائے۔ اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی خاتمہ سود کی رپورٹ میں ایک طریقِ کار تجویز کیا گیا ہے، اسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس میں کوئی عملی دشواری محسوس ہوتی ہے تو باہمی گفت و شنید سے کوئی اور مناسب طریقِ کار طے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن موجودہ طریقِ کار کو جوں کا توں برقرار رکھنا کسی طرح درست نہیں ہوگا۔

تیسری بات یہ ہے کہ وزیرِ خزانہ کی تقریر اور اسٹیٹ بینک کے سرکلر میں مشارکہ، پائی سپیشل ٹرم سرٹیفکیٹ وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان معاملات میں زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم منافع کی شرح وقتاً فوقتاً اسٹیٹ بینک کی طرف سے مقرر کی جائے گی، البتہ نقصان کی صورت میں نقصان ہر فریق اپنے لگائے ہوئے سرمایہ کے تناسب سے برداشت کرے گا۔

اس میں اگر اسٹیٹ بینک کی طرف سے منافع کی شرح مقرر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسٹیٹ بینک مجموعی منافع کے تناسب سے تجارتی بینکوں کا فی صد حصہ مقرر کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ غیر سودی نظامِ بینکاری میں زر کے بہاؤ پر کنٹرول کرنے کے لئے اسٹیٹ بینک کے پاس یہ موثر ترین ذریعہ ہوگا، لیکن اگر خدانخواستہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسٹیٹ بینک سرمائے کے تناسب سے بینکوں کا کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ منافع مقرر کرے گا تو یہ انتہائی قابلِ اعتراض بات ہے، اور اس کا نتیجہ پھر اسی سودی طریقِ کار کے تحفظ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

اسٹیٹ بینک کے سرکلر میں شرح منافع کے لئے جو لفظ (Rates of Profit) استعمال ہوا ہے، اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید پیشِ نظر یہ دُوسری صورت ہے، اور مقصد یہ ہے کہ بینک سے مشارکہ وغیرہ کا معاملہ کرنے والے کاروباری افراد یا اداروں کو اطمینان دلایا جائے کہ اگر کاروبار کا حقیقی منافع اسٹیٹ بینک کی مقرر کردہ حد سے زائد ہوا تو وہ بینک اپنے پاس رکھنے کے بجائے انہی کو واپس کر دے گا۔ لہٰذا ان کو یہ خوف نہ کھانا چاہئے کہ اگر منافع زیادہ ہوا تو اس کا بہت بڑا حصہ بینکوں کے پاس چلا جائے گا۔

اگر اسٹیٹ بینک کے شرح منافع متعین کرنے کا مقصد واقعۃً یہی ہے تو ایک طرف شرعی اعتبار سے اس کا ہرگز کوئی جواز نہیں، اور دُوسری طرف اس سے غیر سودی نظام کا کوئی فائدہ معیشت کو

حاصل نہیں ہوگا۔

سود کے بجائے شرکت یا مضاربت کے معاہدات کا ایک عظیم فائدہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام بڑی حد تک متوازن ہو جاتا ہے، اور سود کی طرح یہ نہیں ہوتا کہ کاروبار میں نفع زیادہ ہوتو سارا ایک فریق کی جیب میں جائے، اور نقصان ہوتو وہ بھی ایک ہی فریق پر پڑے، بینکاری کے نظام کو شرکت یا مضاربت کے اصولوں پر استوار کرنے سے معاشی اعتبار سے جو عظیم فوائد متوقع ہیں، ان میں سے ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ کاروباری منافع زیادہ ہونے کی صورت میں وہ سارا کا سارا سرمایہ داروں کی جیب میں نہیں جائے گا، بلکہ بینکوں کے توسط سے عوام تک پہنچے گا، اس سے سرمائے کے ارتکاز کی روک تھام ہوگی، نچلے طبقے کی آمدنی میں اضافہ ہوگا، منجمد رقوم گردش میں آئیں گی، اور اس کے خوشگوار اثرات پوری معیشت پر مرتب ہوں گے۔

لہٰذا "مشارکہ" یا "مضاربہ" میں یہ پابندی عائد کر دی گئی کہ ایک خاص حد سے زائد منافع ہونے کی صورت میں زائد منافع بینکوں کو نہیں ملے گا، بلکہ کاروباری فریق ہی کو واپس کر دیا جائے گا، تو شرعاً ناجائز ہونے کے علاوہ اس پابندی کے ذریعے مشارکہ اور مضاربہ کی ساری روح ہی ختم ہو جائے گی۔ سرمایہ دار افراد تو شاید اس تحفظ کے فراہم ہونے سے خوش ہو جائیں، لیکن اسلامی احکام پر عمل کے نتیجے میں تقسیم دولت کے نظام میں جو توازن پیدا ہو سکتا تھا، اس کی راہ بالکل مسدود ہو کر رہ جائے گی۔

خدا کرے کہ "منافع کی شرح متعین" کرنے سے حکومت کی مراد یہ صورت نہ ہو، لیکن اگر مراد یہی ہے تو ہم پوری تاکید کے ساتھ عرض کریں گے کہ یہ پابندی غیر سودی نظام معیشت کی ساری بساط اُلٹ کر رکھ دے گی، اس لئے اس تصور کو بالکل منسوخ کیا جائے، البتہ اسٹیٹ بینک کے کنٹرول کو قائم رکھنے کے لئے اس کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ فریقین کے درمیان مجموعی منافع کی تقسیم کا تناسب مقرر کر دے۔ یعنی یہ طے کرے کہ منافع کا کتنا فیصد حصہ کونسے فریق کو ملے گا۔

ان تین گزارشات کے ساتھ ہم غیر سودی نظام کے سلسلے میں حکومت کے حالیہ اقدامات اور اعلانات کا خیر مقدم کرتے ہیں، اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکومت کو واقعۃً غیر سودی نظامِ معیشت قائم کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین۔

غیر سودی معیشت کے لئے حکومت کے مجوزہ دُوسرے طریقوں کی تفصیل اور وزیرِ خزانہ کے اُٹھائے ہوئے سوالات کے بارے میں اپنی گزارشات انشاء اللہ ہم کسی آئندہ صحبت میں پیش کریں گے۔

نیا بجٹ اور سودی اسکیمیں ☆

اس مہینے قومی اسمبلی میں نئے مالی سال کا میزانیہ (بجٹ) پیش ہوا ہے۔ بجٹ کے بہت سے پہلو موضوعِ بحث بن سکتے ہیں، لیکن اول تو اس پر کماحقہ تبصرہ کے لئے خاص فنی معلومات درکار ہیں جن کا نہ ہمیں دعویٰ ہے، اور نہ وہ براہِ راست ہمارے موضوع سے متعلق ہیں، دُوسرے اس کے بہت سے پہلو ہمارے مجموعی ڈھانچے سے متعلق ہیں جن پر مفصل بحث کے لئے ایک مستقل مقالے کی وسعت درکار ہے، جو اس وقت پیشِ نظر نہیں۔

لیکن اس بجٹ کا صرف ایک پہلو ایسا ہے جو براہِ راست ہمارے موضوع سے متعلق بھی ہے، اور اس کے بارے میں سرکاری پالیسی کا عرصے سے انتظار بھی تھا۔

وہ پہلو یہ ہے کہ حکومت نے پچھلے مالی سال کے آغاز میں یہ وعدہ کیا تھا کہ سالِ رواں میں معیشت کو رِبا (سود) کی لعنت سے بالکلیہ آزاد کردیا جائے گا، اور اس سلسلے میں جس مرحلہ وار پروگرام کا اعلان کیا گیا تھا، اس کی رو سے یکم جولائی ۱۹۸۵ء سے معیشت کے ہر حصے سے سود کا بالکل خاتمہ ہونا تھا۔ اب نئے بجٹ میں انتظار اس بات کا تھا کہ اس وعدے کو پورا کرنے کے لئے سرکاری سطح پر کیا اقدامات کیے جاتے ہیں؟

جہاں تک بینکوں کے طریقِ کار کا تعلق ہے، اس کے بارے میں ہم پہلے بار بار ان صفحات میں یہ عرض کرچکے ہیں کہ اس کے لئے جو طریقہ وضع کیا گیا ہے، اس میں شرعی نقطۂ نظر سے بہت سی خامیاں پائی جاتی ہیں، اسٹیٹ بینک نے سود کے متبادل کے طور پر جو بارہ طریقے وضع کرکے بینکوں کو ان کا پابند کیا ہے، اس میں بعض طریقے تو شرعاً جائز ہیں، لیکن بعض مشکوک ہیں، بعض صراحۃً ناجائز ہیں، اور بعض سود ہی کی دُوسری شکل ہیں، اس کی تفصیل بھی انشاء اللہ کسی آئندہ صحبت میں عرض کی جائے گی۔

لیکن معیشت کو سود سے پاک کرنے کے لئے دُوسرا اہم مسئلہ ان بچت اسکیموں کا تھا جو حکومت کی طرف سے عوام کی بچتوں سے فائدہ اُٹھانے کے لئے جاری کی جاتی ہیں، اور ان پر سود دیا

☆ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ۔

جاتا ہے، مثلاً انعامی بانڈز، ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ، خاص ڈپازٹ سرٹیفکیٹ وغیرہ۔ حکومت اپنے سابقہ اعلان کے مطابق اس بات کی پابند تھی کہ نئے مالی سال سے ان اسکیموں کو بھی سود سے پاک کر کے انہیں شریعت کے مطابق لے آئے۔

حکومت کے سامنے عملی مسئلہ یہ تھا کہ اگر ان تمام اسکیموں سے سود ختم کر دیا جائے، اور ان دستاویزات کے حاملین کو صرف اتنی ہی رقم واپس کی جائے جتنی انہوں نے ان اسکیموں میں لگائی ہے تو لوگ ان اسکیموں میں دلچسپی لینا چھوڑ نہ دیں، اور اس طرح حکومت کے ذرائع آمدنی میں کئی ارب روپے کی جو رقم ان ذرائع سے آتی ہے، وہ بند یا بہت کم نہ ہو جائے۔

لیکن ظاہر ہے کہ گذشتہ بجٹ کے موقع پر ان اسکیموں کو سود سے پاک کرنے کے لئے ایک سال کی جو مہلت رکھی گئی تھی، وہ اسی لئے تھی کہ اس عرصے میں اس عملی مسئلے کا کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جو شریعت کے مطابق ہو، لہٰذا اب حکومت کے لئے دو ہی راستے تھے، اگر وہ اس عملی مسئلے کا شرعی حل تلاش کر چکی تھی تو ان اسکیموں کے طریق کار میں شریعت کے مطابق ترمیم کرتی اور اگر سال بھر کی مہلت میں وہ اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کی طرف توجہ نہیں دے سکی تھی تو کم از کم یہ اعلان کرتی کہ ابھی ان اسکیموں کا متبادل طریقہ وضع کرنے کا موقع نہیں مل سکا، لہٰذا ان اسکیموں کو شریعت کے مطابق بنانے کے لئے کچھ اور مہلت درکار ہے۔

لیکن اس سلسلے میں محترم وزیرِ خزانہ کے تبصروں کے جو حصے اخبارات میں آئے ہیں انہیں دیکھ کر حیرت اور افسوس کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ اخبارات کی رپورٹنگ کے مطابق انہوں نے فرمایا ہے کہ ''ان اسکیموں میں رِبا شامل نہیں ہے، اور اس سلسلے میں علماء سے بھی مشورہ کر لیا گیا ہے۔''

سوال یہ ہے کہ اگر ان اسکیموں میں رِبا شامل نہیں ہے تو ایک سال پہلے ان کو سود سے پاک کرنے کا اعلان کس بنا پر کیا گیا تھا؟ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کونسے علماء ہیں جنہوں نے ان اسکیموں کو سود سے پاک قرار دیا ہے، لیکن اگر کسی نے ان مالی دستاویزات کو مالِ تجارت قرار دے کر انہیں کمی بیشی سے فروخت کرنے کو جائز قرار دیا ہے تو ساتھ ہی اسے یہ بھی اعلان کر دینا چاہئے کہ اس رُوئے زمین پر سود کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، اور ہر سودی معاملہ قرضے کی دستاویز کو زیادہ قیمت پر فروخت کر کے جائز ہو سکتا ہے۔

نئے وزیرِ خزانہ نے متعدد مواقع پر اس بات کا اظہار فرمایا تھا کہ وہ سود کو ختم کرنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہتے جو محض کاغذی حیلے کی حیثیت رکھتا ہو، اور سود کے متبادل کے طور پر کوئی ایسا طریقہ دریافت نہ کر سکے جو واقعۃً شریعت کے مطابق ہو تو وہ اس کے مقابلے میں

صاف صاف یہ کہنے کو پسند کریں گے کہ ابھی سود کو ختم کرنے میں کچھ وقت اور لگے گا۔

اسی لئے ہمیں بجٹ کے اخباری اعلان میں ان اسکیموں کی یہ توجیہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی ہے کہ ان میں ربا کا عنصر شامل نہیں ہے، یہ بات اتنی بدیہی طور پر غلط ہے کہ ابھی تک ہمیں اس میں بھی شبہ ہے کہ محترم وزیرِ خزانہ کی بات کی رپورٹنگ صحیح بھی ہوئی ہے یا نہیں؟

بہر حال! اگر اخبارات کی رپورٹنگ درست ہے تو یہ بات انتہائی افسوسناک اور شرمناک ہے، کہ سودی اسکیموں کو یہ کہہ کر جاری رکھا جائے کہ ان میں ربا شامل نہیں ہے۔ ابھی بجٹ کے عملی نفاذ میں وقت باقی ہے، اور اگر اس وقت سے فائدہ اُٹھا کر اس سنگین غلطی کی اصلاح نہ کی گئی تو یہ اس حکومت کے ماتھے پر بڑا مکروہ داغ ہوگا جس نے اسلام کے نام پر ووٹ لے کر زمامِ اقتدار سنبھالی ہے، اور جس کی سیاسی وجہ جواز اسلام کے سوا کچھ نہیں ہے۔

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا، ہمیں اب تک اس میں بھی شبہ تھا کہ محترم وزیرِ خزانہ کی بات کی رپورٹنگ کس حد تک درست ہوئی ہے، بعد میں محترم وزیرِ خزانہ کا ایک وضاحتی بیان اخبارات میں نظر سے گزرا جس سے اس شبہ کو مزید تقویت پہنچتی ہے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اسکیموں کی شرعی حیثیت کے بارے میں انہوں نے کوئی حتمی اعلان نہیں کیا، بلکہ اس معاملے کو علماء کی ایک کمیٹی کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

اس دُوسری خبر سے سابقہ رپورٹنگ کے سنگین تاثر میں فی الجملہ کمی تو واقع ہوتی ہے، لیکن اصل مسئلے کے بارے میں یہ خبر بھی مجمل ہے، اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مستقبل قریب میں ان اسکیموں کی اصلاح حکومت کے پیشِ نظر ہے یا نہیں؟

ہماری دردمندانہ گزارش یہ ہے کہ یہ مسئلہ کئی سال سے معلق چلا آرہا ہے، اور اس سلسلے میں سرکاری اعلانات اور اقدامات کے درمیان جو عملی تضاد پایا جاتا ہے، اس نے نفاذِ شریعت سے متعلق حکومت کے اعتماد کو بُری طرح مجروح کیا ہے۔ یہ صورتِ حال کسی بھی حکومت کے لئے مناسب نہیں، چہ جائیکہ وہ حکومت جس کا خمیر ہی نفاذِ شریعت کے وعدوں پر اُٹھا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کو اب جلد از جلد طے ہونا چاہئے، اور اب اس کے لئے طویل المیعاد کمیٹیوں اور کمیشنوں کے بجائے صرف ایسی چند روزہ نشست درکار ہے جس میں وزارتِ خزانہ اپنے عملی مسائل ملک کے معتمد علماء کے سامنے پیش کرے، اور باہمی غور وفکر اور افہام وتفہیم کے ذریعے ان کا شرعی حل دریافت کیا جائے۔ لیکن اس ایمان و یقین کے ساتھ کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حرام، بلکہ ''خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ'' قرار دیا ہے، اس مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لئے بیٹھیں گے تو انشاء اللہ اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کرنے

میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

نئے وزیرِ خزانہ مالیات و معاشیات میں اپنے گہرے علم اور وسیع تجربے کے لئے دنیا بھر میں مشہور ہیں، ان کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ملکی مسائل کو حل کرنے کے لئے کسی ملک کی تقلید کے بجائے جدید راہیں تلاش کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، اور نئے بجٹ میں اس کے بعض آثار بھی نظر آئے ہیں۔ اگر پاکستان جیسے ملک میں جس کی بنیاد اسلام کے نام پر رکھی گئی ہے، ان کی یہ خداداد مہارت معیشت کو صحیح اسلامی سانچے میں ڈھالنے پر صرف ہوتو یہ بات ان کے لئے بھی موجبِ سعادت ہوگی، اور ملک کے لئے بھی فالِ نیک۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس عظیم سعادت سے بہرہ ور ہونے کی توفیق اور اس کی ہمت عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

تَدْرِیْبُ الأَدَبْ

فِی شَرْح

تَسْہِیْلُ الأَدَبْ

وفاق المدارس العربیۃ کی جانب سے ثانویہ عامہ کے نصاب
میں شامل درسی کتاب ''تسہیل الادب'' کی سلیس اور عام فہم شرح

مولانا محمد اویس سرور

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز
ادارۂ اسلامیات

★ ۱۳ دینا ناتھ مینشن مال روڈ، لاہور
فون ۷۳۲۴۴۱۲، فیکس ۹۲-۴۲-۷۳۲۴۷۸۵

★ ۱۹۰، انارکلی، لاہور پاکستان
فون ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵

★ موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی
فون ۷۲۲۴۳۰۱

بخاری شریف

مترجم عربی اردو

مکمل

جدید حواشی کے ساتھ حدیث شریف کی مستند ترین کتاب

الجامع الصحیح للامام البخاری

کامل سیٹ

تالیف

امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ ۲۵۶ھ

ترجمہ و حواشی

حضرت مولانا محمد داؤد راز رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ابو الفتح رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سبحان محمود رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا قاری احمد رحمۃ اللہ علیہ

جدید تشریحی فوائد: حضرت مولانا محمد عبد الصمد صاحب فاضل تخصص فی الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

ادارہ اسلامیات

لاہور - کراچی

پاکستان

متنوع خصوصیات کی حامل ایک بے مثال کتاب کا پہلی بار اُردو ترجمہ اور تحقیق

فقہ حنفی

پر ایک جامع حوالہ جاتی کتاب

فِقہ حنفی

قرآن و سُنّت کی روشنی میں

اوّل۔ دوم۔ سوم

(کامل سیٹ)

ترجمہ۔ ترتیب۔ تحقیق

لجنۃ المصنّفین

جناب مولانا خالد محمود صاحب

جناب مفتی عبدالعظیم ترمذی صاحب

جناب مولانا محمّد انس صاحبؒ

ادارۂ اسلامیات

لاہور۔ کراچی

پاکستان

۷۲۷۴ منتخب احادیث مبارکہ کی شہرہ آفاق کتاب کا مکمل سلیس اردو ترجمہ اور حواشی

صحیح مسلم شریف
عربی ○ مترجم اردو

الجامع الصحیح للامام المسلم

الامام الحافظ ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری م ۲۶۱ھ

کامل سیٹ

اردو ترجمہ۔ فوائد وتشریحات:

مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

جدید حواشی از فتح الملہم و تکملہ فتح الملہم

حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب فاضل تخصص فی الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

تقریظ

مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی دامت برکاتہم

مفتی و استاذ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

ادارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی
پاکستان